(ترمیم واضافہ شدہ ایڈیشن)
زندگی گلزار ہے
عمیرہ احمد
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

زندگی گلزار ہے

عمیرہ احمد

علم و عرفان پبلشرز
40-الحمد مارکیٹ، اُردو بازار لاہور
فون: 042-7352332-7232336

انتساب!

گورنمنٹ ڈگری کالج فار ویمن سیالکوٹ

کے نام

جہاں میں نے اپنی زندگی کا سب سے بچگانہ

دور گزارا......اور شاید سب سے

بے فکر دور بھی!!

فہرست

پیش لفظ......!

''زندگی گلزار ہے'' میری پہلی تحریر تھی جسے میں نے اپنی ہینڈ رائٹنگ بہتر کرنے کے لیے لکھنا شروع کیا تھا۔ اس وقت مجھے نہ تو یہ اندازہ تھا کہ مجھ میں لکھنے کی صلاحیت ہے نہ ہی یہ ارادہ تھا کہ میں اسے شائع کرواؤں گی۔ ایک دوست کے کہنے پر میں نے اسے خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہونے کے لیے بھجوا دیا۔ خلاف توقع یہ نہ صرف شائع ہو گئی بلکہ اس نے مجھے ایک شناخت بھی دے دی۔ حالانکہ میں اسے اپنی کمزور ترین تحریروں میں سے ایک سمجھتی ہوں مگر قارئین کی رائے اکثر رائٹر کی پسند اور رائے سے بہت مختلف ہوتی ہے یہی اس کہانی کے ساتھ ہوا۔

''ابھی تو مات باقی ہے'' ایک سچے واقعے پر مبنی ہے جس کو میں نے کچھ تبدیلیوں کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا۔ میری بہت کم تحریریں سچے واقعات پر مبنی ہیں۔

''ایسا کبھی نہیں ہوتا'' ایک مزاحیہ کہانی ہے۔ ڈائجسٹ کے لیے مزاح لکھنے کی میری پہلی اور آخری کوشش......بچگانہ سہی مگر اسے پڑھ کر کم از کم تھوڑا بہت تو ہنس سکتے ہیں۔

اور آخر میں باقی کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی آپ تک پہنچانے کے لیے علم و عرفان پبلشرز کا شکریہ۔

عمیرہ احمد
(اپریل 2010ء)
umeraahmed@yahoo.com

زندگی گلزار ہے

9 ستمبر

آج گورنمنٹ کالج میں میرا پہلا دن تھا۔ میری روم میٹ فرزانہ میرے ہی ڈیپارٹمنٹ میں ہے۔ اس لیے صبح مجھے ٹینشن نہیں تھی کہ اکیلے کلاسز کیسے ڈھونڈوں گی۔ وہ خاصی بولڈ لڑکی ہے، بڑے شہروں میں رہنے والے شاید سب ہی ایسے ہوتے ہیں۔ صبح جب ہم لوگ کالج پہنچے تو بارش ہو رہی تھی اور ایسے موسم تعلیم کے لیے کافی نقصان دہ ہوتے ہیں لیکن خلاف توقع کالج میں کافی لوگ تھے۔ آج صرف سر ابرار نے تعارفی کلاس لی تھی اور دوسرے کسی پروفیسر نے کلاس میں آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ان کے بارے میں پہلے ہی بہت سے لوگوں سے سن چکی ہوں کہ وہ بہت وقت کے پابند ہیں۔ مجھے توقع تھی کہ وہ بہت سخت ہوں گے مگر پہلی ملاقات میں ان کا امپریشن بہت نرم دل آدمی کا تھا۔

آج کلاس میں اسٹوڈنٹس کم ہی تھے اور ان میں بھی لڑکیوں کی تعداد کافی کم تھی۔ آج میرے اور فرزانہ کے علاوہ صرف دو اور لڑکیاں آئی تھیں اسمارہ اور آئزہ دونوں بہت اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں تو شاید ان سے اپنا تعارف نہ ہی کرواتی لیکن فرزانہ ان کے پاس چلی گئی تھی۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہی ''کوئین میری'' سے گریجویشن کر کے آئی تھی اس لیے انہیں اچھی طرح جانتی تھی۔ فرزانہ کی وجہ سے مجبوراً مجھے بھی ان سے سلام دعا کرنی پڑی۔ باتوں کے دوران ان لوگوں نے مجھے نظر انداز کیا لیکن اس چیز نے مجھے زیادہ ہرٹ نہیں کیا، میری معمولی شکل اور لباس دیکھ کر وہ مجھے وی آئی پی ٹریٹمنٹ دینے سے تو رہیں ویسے بھی یہ چیز میرے لیے اب اتنی نئی نہیں رہی۔

سر ابرار نے کلاس میں سب سے پہلے اسمارہ سے ہی اپنا تعارف کروانے کے لیے کہا تھا۔

''میرا نام اسمارہ ابراہیم ہے۔ میں کوئین میری کالج سے فرسٹ ڈویژن میں گریجویشن کر کے آئی ہوں، ہر قسم کی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہوں۔ آپ کی کلاس میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔''

بڑی رواں انگلش میں اس نے کہا تھا۔ اس کا لہجہ بے حد پر اعتماد تھا اور میں صرف یہ سوچ کر رہ گئی تھی کہ کیا دولت اور خوبصورتی کے بغیر اتنے اعتماد سے بات کی جا سکتی ہے؟

فرزانہ، اسمارہ اور آئزہ سے متعارف ہونے کے بعد سر ابرار میری طرف متوجہ ہوئے تھے۔ مجھے فوراً تعارف کروانے کے لیے کہنے کے بجائے وہ کچھ دیر تک بغور مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی ہماری ہی کلاس کی ہیں؟''

''یس سر۔'' میں ان کے سوال پر حیران ہوئی تھی۔

''میں نے اس لیے پوچھا ہے کیونکہ آپ بہت چھوٹی سی لگ رہی ہیں۔''

''نو سر! میں چھوٹی سی تو نہیں ہوں۔ میری ہائیٹ پانچ فیٹ چار انچ ہے۔'' میں نے ان کی بات سمجھے بغیر فوراً کہہ دیا۔ میرے جملے پر سر ابرار ہنس پڑے اور اگلی رو میں بیٹھے ہوئے دو لڑکوں نے یک دم پیچھے مڑ کر دیکھا تھا ان کے چہرے پر مجھے مسکراہٹ نظر آئی پھر ان میں سے ایک نے سر ابرار سے کہا۔

Sir! that is just the right height for a girl neither too tall nor too short.

''سر! یہ لڑکی کے لیے بالکل مناسب قد ہے، نہ بہت لمبا ہے، نہ بہت چھوٹا ہے۔''

ساری کلاس ایک دم قہقہوں سے گونج اٹھی تھی۔ سر ابرار نے کھنکار کر اپنی ہنسی کو کنٹرول کیا اور لڑکے سے کہا۔

No Zaroon! don't try to embarras her

(نہیں زارون! اسے پریشان نہ کرو۔)

پھر انہوں نے مجھ سے میرا نام پوچھا۔

''میرا نام کشف مرتضیٰ ہے۔ میں گجرات سے آئی ہوں۔''

میں نے مختصراً اپنا تعارف کرایا، میرے تعارف کے بعد سر ابرار نے لڑکوں کا تعارف لیا اور جب اس لڑکے جس کا نام زارون تھا، نے خود کو متعارف کروایا تو میں نے بھی اسی طرح مداخلت کی جیسے اس نے کی تھی، شاید میں ایسا نہ کرتی لیکن اس کا انداز ہی مجھے اتنا برا لگا کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر بیٹھی اس وقت تو مجھے اپنی مداخلت ٹھیک نہیں لگی تھی لیکن اب میں سوچ رہی ہوں کہ شاید میں نے غلط کیا تھا۔ میں یہاں اس قسم کی فضول جھڑپوں کے لیے تو نہیں آئی میں اب دوبارہ ایسا کبھی نہیں کروں گی۔ ایک دن گزر گیا کاش باقی دن بھی عزت سے گزر جائیں۔

.........۞.........

9 ستمبر

آج کا دن خراب ترین دنوں میں سے ایک تھا۔ کالج میں ایم اے کلاسز کا پہلا دن اور پہلے دن ہی۔

صبح میں بہت اچھے موڈ میں کالج گیا تھا کیونکہ موسم بہت اچھا تھا پہلی اور آج ہونے والی واحد تعارفی کلاس سر ابرار کی تھی اور ان کی کلاس میں بی اے میں مس نہیں کر سکا تو اب کیسے کرتا اب ان سے تعلقات اچھے کرنا اور رکھنا میری مجبوری ہے۔ ظاہر ہے وہ پاپا کے اچھے بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ بہترین دوست ہیں ورنہ پاپا کتھارسس کے موڈ میں ہمیشہ ان کے گھر نہ پائے جائیں۔ پاپا پر ان کا بہت اثر ہے۔ بعض دفعہ میری جو بات پاپا ویسے نہیں مانتے وہ صرف ان کے کہنے پر مان لیتے ہیں۔ ویسے کبھی کبھی تو مجھے سر ابرار بہت سپر نیچرل قسم کی چیز لگتے ہیں انہیں میری ہر ایکٹیویٹی کا پتا ہوتا ہے۔ بی اے میں میں جب ان کی کلاس میں دیر سے آتا تھا تو وہ میرے نہ آنے کی اصل وجہ خود ہی تیار کرتے تھے انہیں بہت اچھی طرح پتا ہوتا تھا کہ

میں نے کس دن کتنی کلاسز چھوڑیں، آج کل کن لڑکیوں کے ساتھ پھر رہا ہوں کون سے پروفیسر میرے بارے میں اچھے خیالات رکھتے ہیں اور کون سے مجھ سے تنگ ہیں، پھر بھی یہ ان کا احسان ہی تھا کہ وہ پاپا کو کسی بات سے مطلع نہیں کرتے تھے۔ کافی مہربان ہیں وہ مجھ پر۔

جب میں کلاس میں گیا تھا تو وہاں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ اسامہ اور فاروق مجھے کلاس سے باہر ہی مل گئے تھے۔ ان کے ساتھ جب میں اگلی روکی طرف گیا تو میں نے دیکھا کہ دوسری رو میں چار لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان میں سے دو کو تو میں فوراً پہچان گیا ایک اسمارہ ابراہیم تھی اور دوسری آئزہ مسعود دونوں کزنز ہیں اور سوشل گیدرنگز میں اکثر ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے اسمارہ کو میں خاصا پسند کرتا ہوں کیونکہ وہ خوبصورت ہے۔ فرینک ہے اور ایسی ہی لڑکیاں مجھے اپیل کرتی ہیں وہ دونوں مجھے دیکھتے ہی اپنی رو سے باہر آ گئیں۔ جب میں ان سے رسمی ہیلو ہائے میں مصروف تھا تو دوسری رو میں بیٹھی ہوئی دو لڑکیوں میں سے ایک کی خوبصورت آنکھیں دیکھی تھیں اور اس کے ساتھ وہ بیٹھی تھی جس نے واقعی مجھے کلاس میں ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔

کلاس شروع ہونے سے پہلے جب میں نے اس پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی تو مجھے اس میں ایسی کوئی خوبی نظر نہیں آئی جو مجھے دوبارہ اسے دیکھنے پر مجبور کرتی۔ لائٹ پنک کلر کے لباس میں ملبوس وہ خود کو ایک بڑی سی چادر میں چھپائے ہوئے تھی اور وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بال پوائنٹ سے اپنی فائل کو مسلسل سکریچ کر رہی تھی، میں چونکہ اسمارہ اور آئزہ کے ساتھ باتوں کے دوران وقتاً فوقتاً فرزانہ کو بھی دیکھ رہا تھا اور وہ چونکہ فرزانہ کے ساتھ بیٹھی تھی اس لیے اس کی یہ حرکت میری نظر میں آ گئی۔

سر ابرار کلاس میں آنے کے بعد مجھے دیکھ کر مسکرائے تھے۔ دو دن پہلے انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اب لیٹ آنے پر کچھ اچھے اور موزوں بہانے بنا کر پیش کروں کیونکہ وہ پرانے گھسے پٹے بہانے سن سن کر تنگ آ گئے ہیں اور میں نے انہیں تسلی دی تھی کہ اب میں پرانے بہانوں سے انہیں بور نہیں کروں گا۔ آخر میں ایک تخلیقی بندہ ہوں، لیکن پہلے ہی دن صحیح وقت پر کلاس میں موجود پا کر وہ شاید یہ سمجھے تھے کہ میں نے دیر سے آنے کی پرانی حرکتیں چھوڑ دی ہیں۔ اسی لیے وہ مجھے دیکھ کر بڑی خوش دلی سے مسکرائے تھے۔

میں جانتا تھا کہ سر ابرار سب سے پہلے لڑکیوں سے ہی تعارف لیں گے اور میں فرزانہ کے بارے میں جاننے کے لیے کافی مشتاق ہو رہا تھا کیونکہ اس کی آنکھوں نے مجھے بہت متاثر کیا تھا اس لیے بڑے صبر کے ساتھ میں اس کے تعارف کا انتظار کر رہا تھا اور اس کے تعارف کے بعد مجھے اور کسی کے تعارف میں دلچسپی نہیں رہی تھی سوائے اپنے لیکن جب سر ابرار نے اس لڑکی سے کہا کہ وہ بہت چھوٹی سی لگ رہی ہے تو اس کے جواب نے مجھے مسکرانے اور پیچھے مڑنے پر مجبور کر دیا وہ واقعی کافی کم عمر لگتی تھی میں نے اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر اس پر بے اختیار ریمارکس پاس کیے یہ کر کے مجھے کافی خوشی ہوئی تھی ہمیشہ کی طرح۔

پھر جب سر ابرار نے مجھے اپنا تعارف کروانے کے لیے کہا تو میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈائس کے پاس چلا گیا۔ سر ابرار مسکراتے ہوئے خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے شاید وہ جاننا چاہتے تھے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔

''میرا نام زارون جنید ہے۔ میری اسکولنگ ایچی سن میں ہوئی ہے اور وہاں تھرو آؤٹ میں فرسٹ پوزیشن لیتا رہا ہوں پچھلے سال میں نے

اسپورٹس میں کالج کلر حاصل کیا اور بی اے میں ٹاپ کیا گریجویشن کے دوران میں کالج کی تقریباً تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتا رہا ہوں۔ آپ میں سے بہت سے ایسے ہوں گے جو اس کالج میں تو کیا شاید اس شہر میں بھی نئے ہوں گے اور میں یہاں کا پرانا اسٹوڈنٹ ہوں، سو آپ میں سے کسی کو اگر میری مدد کی ضرورت پڑے تو مجھے مدد کر کے بہت خوشی ہوگی شکریہ بہت بہت۔''

میں نے اپنا بڑا تفصیلی تعارف کرایا تھا اور پھر اپنی چیئر پر آکر بیٹھ گیا۔ سر ابرار کی مسکراہٹ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ جان چکے ہیں کہ میں آج بہت موڈ میں تھا۔ اسی لیے جب میں اپنی سیٹ پر آکر بیٹھا تو انہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اس ساری تقریر کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟''

''سر! آئندہ یونین الیکشنز میں کھڑا ہونے کے لیے کنویسنگ کی ایک کوشش۔''

جواب وہاں سے آیا تھا جہاں سے ایسے کسی جملے کی میں توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کشف مرتضیٰ تھی صرف ایک لمحہ کے لیے میں ساکت ہوا تھا پھر بڑے اطمینان سے پیچھے مڑتے ہوئے سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانک کر میں نے پوچھا۔

''تو کیا میں یہ امید رکھوں کہ آپ مجھے ووٹ دیں گی؟''

''ہرگز نہیں، آپ مجھ سے ووٹ کی امید نہ رکھیں۔''

اس کے فوری جواب نے مجھے حیران کر دیا۔

''تو کیا میں یہ توقع رکھوں کہ اگر میں الیکشن میں ایک ووٹ سے ہاروں گا تو وہ ووٹ آپ کا ہی ہوگا۔''

''آپ کو یہ خوش فہمی کیوں ہے کہ آپ صرف ایک ہی ووٹ سے ہاریں گے۔ میں آپ کو گارنٹی دے سکتی ہوں کہ آپ لمبی لیڈ سے ہاریں گے۔''

''کیوں؟ آپ یہ گارنٹی کیسے دے سکتی ہیں کہ میں لمبی لیڈ سے ہاروں گا آپ کیا جعلی ووٹ کاسٹ کرنے کی ماہر ہیں؟''

''نہیں جی، یہ کام آپ کو ہی مبارک ہو۔ مہارت حاصل کرنے کے لیے اور بہت سے شعبے ہیں۔ جو لوگ زیادہ خوش فہم ہوتے ہیں وہ ہارتے ہمیشہ ہی بری طرح ہیں۔''

''ہوسکتا ہے۔ اس بار آپ کا اندازہ غلط ثابت ہو۔''

''چلیں دیکھ لیں گے، ویسے دنیا بھی تو امید پر قائم ہے۔''

اس کا لہجہ بہت دوٹوک تھا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی سیدھا ہو گیا۔ سر ابرار مجھے ہی دیکھ رہے تھے اور ان کی مسکراہٹ بہت گہری تھی۔ وہ لڑکی پہلی نظر میں مجھے بے وقوف لگی تھی لیکن اب میں اس کے بارے میں اپنا خیال بدل چکا ہوں وہ اتنی بے وقوف نہیں ہے جتنی مجھے لگی تھی آئندہ اس سے بات کرتے ہوئے میں کافی محتاط رہوں گا تاکہ آج کی طرح دوبارہ مجھے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

17 ستمبر

آج کالج میں جاتے ہوئے مجھے پورا ایک ہفتہ ہوگیا ہے۔ اس ایک ہفتہ کے دوران اتنی باقاعدگی سے کلاسز نہیں ہوئیں اور میں فکرمند ہوں کہ اگر اسی رفتار سے کلاسز ہوں گی تو کورس کیسے پورا ہوگا۔ خیر ابھی تو ایک ہفتہ ہی ہوا ہے۔

پہلے دن زارون جنید کے ساتھ میری بحث ہوئی تھی اور اس کے بعد اس کا رویہ کافی عجیب سا ہے۔ اس کا گروپ ڈیپارٹمنٹ کے سب سے ذہین ترین لڑکوں پر مشتمل ہے اور پورے کالج میں ان کی دھاک جمی ہوئی ہے ویسے بھی جب کسی کے پاس ذہانت' خوبصورتی اور دولت کی فراوانی ہو تو کسی جگہ بھی دھاک جمانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو دیکھ کر مجھے وہ بات شدت سے یاد آتی ہے کہ خدا کسی بھی آدمی کو سب کچھ نہیں دیتا، کوئی نہ کوئی کمی ضرور رکھتا ہے مگر آخر اس گروپ کے لوگوں میں کیا کمی ہے؟ کیا وہ خوبصورت نہیں ہیں؟ کیا ان کے پاس روپیہ نہیں ہے؟ کیا ان کے پاس ذہانت نہیں ہے یا اچھا فیملی بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔ آخر ایسی کون سی چیز ہے جو ان کے پاس نہیں ہے۔ مجھے بالکل بھی اس بات پر یقین نہیں ہے کہ خدا کسی بھی شخص کو سب کچھ نہیں دیتا۔ بعض لوگوں کو تو اللہ نے سب کچھ دے دیا ہے اور بعض کو کچھ بھی نہیں۔ جیسے میرے جیسے لوگ جنہیں نہ اچھا کھانے کو ملتا ہے نہ پہننے کو جو بیمار ہو جائیں تو گورنمنٹ ہاسپٹل ڈھونڈتے پھرتے ہیں، عزت کی بنیاد تقویٰ پر کہاں ہوتی ہے کون عزت کرتا ہے آپ کے تقویٰ کی؟ عزت تو روپے سے ہوتی ہے اور تقویٰ تو ویسے بھی غریبوں کی میراث بن کر رہ گیا ہے غریب کی عبادت تو کسی کھاتے میں نہیں آتی۔ ہاں امیر عبادت کرے تو پورے زمانہ میں اس کی دھوم مچ جاتی ہے اور دعائیں بھی تو امیروں کی ہی قبول ہوتی ہیں جو خدا کی راہ میں ہزاروں بلکہ لاکھوں خرچ کرتے ہیں بھلا مجھ جیسے لوگ جو روپیہ دو روپیہ خیرات کرتے ہیں ان کی دعائیں کیسے قبول ہو سکتی ہیں۔ پھر میرے جیسے لوگ یہ کہہ کر خود کو تسلی دے لیتے ہیں کہ ضرور ہم میں ہی کوئی خرابی ہوگی جو دعا قبول نہیں ہوتی۔

جب تک چھوٹی تھی۔ خود کو بہلا لیا کرتی تھی لیکن جب سے یہاں آئی ہوں اور لوگوں کے پاس اتنا روپیہ اور آسائشیں دیکھیں کہ اپنی ذات اور بھی حقیر لگنے لگی ہے۔ کچھ تو ایسا میرے پاس بھی ہوتا جو دوسروں سے موازنہ کرتی اور خود کو بہتر پاتی۔ یہاں آ کر میرے کمپلیکسز اور بھی زیادہ ہو گئے ہیں لیکن میں اپنی تعلیم چھوڑ کر یہاں سے جا بھی تو نہیں سکتی۔

میری روم میٹ فرزانہ سو چکی ہے اور میں اس وقت کسی سے باتیں کرنا چاہتی ہوں لیکن اس سے نہیں کر سکتی کیونکہ وہ میری صرف روم میٹ ہے دوست نہیں۔ وہ جس کلاس سے تعلق رکھتی ہے وہ کلاس صرف اسٹیٹس دیکھ کر دوست بناتی ہے اور وہ تو ویسے بھی زارون جنید کے گروپ میں ہوتی ہے۔ اس کے رویے نے مجھے تکلیف نہیں پہنچائی ہر شخص کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے دوست بنائے۔ لیکن کیا واقعی مجھے تکلیف نہیں ہوتی؟ ہاں مجھے تکلیف پہنچتی ہے کیا اس بات سے آپ کو تکلیف نہیں ہوتی کہ کوئی صرف اس لیے آپ کو نظرانداز کرتا ہے کیونکہ آپ کے پاس روپیہ نہیں ہے آپ کا لباس مہنگا نہیں ہے آپ کسی اونچی فیملی سے تعلق نہیں رکھتے۔

ہر گزرتا دن اس بات پر میرا اعتقاد پختہ کرتا جا رہا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑی طاقت روپیہ ہے اور یہی روپیہ مجھے حاصل کرنا ہے کیونکہ صرف یہی وہ چیز ہے جو اس معاشرہ میں میرے خاندان کو عزت دلوا سکتی ہے۔ کیا کبھی میرے پاس اتنا روپیہ ہوگا کہ میں اپنی ساری خواہشات کو پورا

کرسکوں۔خواب صرف خواب وہ کسی نے کہا ہے نا۔

خواب تو خواب ہے فقط خواب ہی سے کیا ہوگا ہمارے بیچ جو حائل ہے وہ حقیقت ہے۔

25 ستمبر

آج پہلا دن تھا جب ساری کلاسز ہوئیں اب اسٹڈیز کا سلسلہ باقاعدہ ہو جائے گا، کالج میں اب مجھے صرف دو سال گزارنے ہیں اور پھر عملی زندگی کا آغاز ہو جائے گا اور میں ان دو سالوں کو پوری طرح سے انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔

اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں اور میں اس قدر تھکا ہوا ہوں کہ سونے کے علاوہ کچھ اور کرنے کا موڈ نہیں ہے لیکن بہر حال میری ڈائری اس کچھ میں شامل نہیں ہے۔ڈائری لکھے بغیر تو میں سو ہی نہیں سکتا۔

آج میں نے کالج میں کافی مصروف دن گزارا لیکن کسی بھی کلاس میں کسی قسم کی بحث کے بغیر حتیٰ کہ کشف نے بھی آج مجھ سے بحث کرنے کی کوشش نہیں کی۔خاص طور پر سر ابرار کی کلاس میں ایک پوائنٹ پر میں امید کر رہا تھا کہ وہ ضرور کچھ نہ کہے گی مگر غیر متوقع طور پر وہ خاموش رہی۔لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ سر ابرار کی کلاس میں اپنی پوزیشن بہت مستحکم کرتی جا رہی ہے اور پتہ نہیں سر ابرار کو بھی کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس کی بات کو بہت اہمیت دینے لگے ہیں۔خیر کوئی بات نہیں۔چند دن کی ہی تو بات ہے، ابھی وہ یہاں نئی ہے اس لیے ریزرو ہے، کچھ دن بعد جب اسے کالج کی ہوا لگے گی تو پھر ایسی لڑکیاں کلاسز اٹینڈ کرنے کے بجائے لان اور کیفے ٹیریا میں زیادہ پائی جاتی ہیں کیونکہ یہ مڈل کلاس کی لڑکیاں کالج جیسی جگہ پر پڑھنے نہیں لڑکے پھانسنے آتی ہیں تاکہ اپنی کلاس سے نکل کر وہ اس کلاس میں آسکیں اور وہ بھی مڈل کلاس کی ہی ایک لڑکی ہے۔وہ کیا مختلف ہوگی فرزانہ نے بتایا تھا کہ وہ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے کچھ ٹیوشنز بھی کرتی ہے تو ایسی لڑکیوں کے لیے دولت میں ویسے ہی بہت چارم ہوتا ہے۔میں بھی دیکھوں گا وہ کب تک اس امیج کو برقرار رکھتی ہے۔

آج اسامہ نے مجھے اپنی برتھ ڈے پر انوائیٹ کیا تھا سو میری آج کی شام بہت اچھی گزری ہے۔اس جیسی لڑکی کے ساتھ انسان شام تو کیا زندگی بھی گزار سکتا ہے۔میں تو آج کل اس سے کافی امپریس ہوں اور اس کا حال مجھ سے بھی برا ہے۔میرے ایک ڈائیلاگ کے جواب میں وہ ایسے دس ڈائیلاگ بولتی ہے۔شاید وہ یہ سمجھ رہی ہے کہ میں اس کے بارے میں بہت سیریس ہو چکا ہوں اور میں اس کی اس خوش فہمی کو ختم نہیں کرنا چاہتا کم از کم اس وقت تک تو بالکل نہیں جب تک مجھے کالج میں کوئی اور اچھا پیس نہیں مل جاتا کیونکہ اس وقت تک گھومنے پھرنے کے لیے کالج میں اسامہ سے زیادہ آئیڈیل کوئی لڑکی نہیں ہے۔آج پارٹی میں اسامہ نے مجھ سے کہا تھا۔

''یار زندگی تو تم گزار رہے ہو۔ایک سے ایک لڑکی کو پھانسا ہوا ہے۔''

مجھے اس کی بات بہت بری لگی، اس لیے میں نے اسے کہا تھا ''مائنڈ یور لینگویج اسامہ! میں نے کسی کو نہیں پھانسا، میں صرف لڑکیوں کی کمپنی کو انجوائے کرتا ہوں جسے تم فلرٹ کرنا بھی کہہ سکتے ہو اور بس ہم کوئی ٹین ایجر تو نہیں ہیں جو بے وقوف بن جائیں، یہ بہت میچور لڑکیاں ہیں

اور یہ تو خود انجوائے منٹ کے لیے بوائے فرینڈز بناتی ہیں، انہیں اچھی طرح پتا ہوتا ہے کہ کون کس حد تک سیریس ہے اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں ان افیئرز کو دل کا روگ نہیں بناتا ویسے تم خود جتنے شریف ہو وہ بھی میں جانتا ہوں۔"

میں نے کافی سنجیدگی سے اس کی کھنچائی کی تھی وہ جھینپ کر ہنسنے لگا تھا۔

میرے خیال میں آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ مجھے آج کچھ زیادہ ہی نیند آ رہی ہے۔ سو مائی سویٹ ڈائری اب تم بھی سو جاؤ۔

.....۞.....

13 دسمبر

پتا نہیں کبھی کبھی میں خود کو کنٹرول کیوں نہیں کر پاتی کیا تھا اگر آج میں خود پر قابو رکھتی لیکن میں ہمیشہ غلطی کر کے پچھتانے والوں میں سے ہوں۔

کالج میں زارون کے ساتھ ہونے والی اس پہلی جھڑپ کے بعد میں نے خود کو کافی سنجیدہ کر رکھا تھا لیکن پچھلے ایک ہفتہ سے اس کا رویہ بہت ہتک آمیز ہو گیا تھا تقریباً ہر کلاس میں وہ ایسے موضوع پر بحث شروع کر دیتا جس پر میں بولوں اور ہر اس پوائنٹ پر اختلاف کرتا جسے میں پیش کرتی میں ہر دفعہ اسے نظر انداز کرتی رہی لیکن آج میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

آج سر ابرار پاکستان کی فارن پالیسی کے بارے میں کچھ پوائنٹس ڈسکس کر رہے تھے اور کلاس کو اس پر ریمارکس دینے کے لیے کہہ رہے تھے۔ جب تبصرہ کرنے کے لیے میری باری آئی تو میں نے کہا۔

"مغربی ممالک کے ساتھ ہمیں اچھے تعلقات رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن ملکی مفادات کی قیمت پر نہیں کیونکہ آج کی دنیا میں تو ہم سے کمزور ممالک بھی اچھے تعلقات کے لیے اپنے مفادات کا سودا نہیں کرتے، سو ہمیں بھی کسی کے سامنے نہیں جھکنا چاہیے اور ملکی مفادات پر سودا کرنے کے بجائے ایسے ہی سرد و گرم تعلقات ٹھیک ہیں۔"

خلاف توقع میری بات پر زارون جنید نے کچھ نہیں کیا پھر اچانک سر ابرار کو پتا نہیں کیا خیال آیا اور انہوں نے کلاس سے پوچھا کہ کون سے اسٹوڈنٹس فارن سروس میں جانا چاہتے ہیں۔ جن چند لوگوں نے ہاتھ کھڑا کیا تھا، ان میں زارون جنید بھی شامل تھا، سر ابرار نے مسکرا کر زارون کو دیکھا اور پوچھا۔

"زارون! آپ فارن سروس میں کیوں جانا چاہتے ہیں؟"

اس نے فوراً ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔ "سب سے بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ اس میں مستقبل بہت روشن اور محفوظ ہوتا ہے پھر یہ پروفیشن بہت گلیمرس اور چیلنجنگ ہے اور پھر آپ اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ ملک کے لیے کچھ کر سکیں۔"

مجھے اس کا جواب بہت فارمل سا لگا وہی ملک کے لیے کچھ کرنے کے رسمی جملے۔

"اچھا زارون! اگر آپ فارن سروس جوائن کر لیتے ہیں تو آپ کن ممالک کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے کی کوشش کریں گے اور کیوں؟"

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اپنے مخصوص انداز میں بولنے لگا۔

''ویسے تو ایک ڈپلومیٹ کا کام ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ ہر ملک کے ساتھ بہتر تعلقات رکھنے کی کوشش کرے لیکن مغربی ممالک کے ساتھ خاص طور پر ہمارے تعلقات اچھے ہونے چاہئیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری اکانومی امریکہ اور یورپ سے ملنے والے قرضوں پر کھڑی ہے پھر ہم ان ملکوں کو ناراض کیسے کر سکتے ہیں۔ان کی مدد کے بغیر ہم اپنے آپ کو کیسے قائم رکھیں گے ایک سوئی تک تو ہم بنا نہیں سکتے اور بات کرتے ہیں قومی مفادات پر سودا نہ کرنے کی۔''

اس کا اشارہ واضح طور پر میری طرف تھا۔

''ایسے دعوے وہی قوم افورڈ کر سکتی ہے جو قربانی دینا جانتی ہو۔ہمارے یہاں تو اگر گوشت کی قیمت بڑھ جائے تو اسے کنٹرول کرنے کے لیے ہم صرف دو دن بھی گوشت کھانا نہیں چھوڑ سکتے، ہاں اگر معاملہ صرف نعرے لگانے کا ہو تو وہ ہم بڑے شوق سے لگاتے ہیں بلکہ وہاں بھی لگاتے ہیں جہاں اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ ہم ایک نعرہ باز اور کرپٹ قوم ہیں۔حیرت کی بات یہ ہے کہ ہم فارن پالیسی کو باڑہ مارکیٹ جیسی جگہ پر بھی زیر بحث لانے سے نہیں چوکتے۔ایک پاکستانی کے لیے تو یہ بات ہی بڑی حساس ہے کہ اسے فارن پالیسی جیسے مسئلے پر بحث کرنے کا موقع مل رہا ہے اور پھر ہم جوش میں آ جاتے ہیں اور افسوس کی بات یہی ہے کہ ہمیں ان چیزوں پر جوش آتا ہے جن پر ہمیں ہوش سے کام لینا چاہیے۔جیسے ابھی محترمہ کشف فرما رہی تھیں کہ قومی مفادات پر سودا کیے بغیر اگر اچھے تعلقات قائم ہوتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ جیسے تعلقات ہیں ایسے ہی رہنے دیں۔تو محترمہ اگر صرف امریکہ ہی ہمارے ساتھ پوری ٹریڈ نہیں صرف ہمارا کاٹن ایکسپورٹ کا کوٹا ختم کر دے تو ہمارا ملک ایک ہفتہ بھی نہیں چل سکتا۔ہم امداد پر زندہ رہنے والی قوم ہیں اور امداد پر زندہ رہنے والی قومیں ہر چیز کا سودا کرنے پر مجبور ہوتی ہیں وہ قومی مفادات ہوں یا پھر ذاتی مفادات ویسے بھی اگر عام زندگی میں بھی آپ دیکھیں تو ہر شخص امریکہ یا یورپ جانے پر تیار ہوتا ہے چاہے اس کے لیے انہیں کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے اس لیے میرے خیال میں فارن پالیسی پر اس قسم کے احمقانہ بیانات کی گنجائش نہیں ہوتی جیسے بیان کچھ دیر پہلے محترمہ کشف دے رہی تھیں۔''

پوری گفتگو میں اس کا لہجہ اس قدر ہتک آمیز تھا کہ میں چپ نہیں رہ سکی۔

''سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں یہاں فارن پالیسی نہیں بنا رہی ہوں جو میرے خیالات کا اثر اس پر ہوگا۔وہ میرے ذاتی خیالات تھے اور ہر ایک کو اپنی مرضی سے بولنے کی اجازت ہوتی ہے ہاں مگر آپ کے الزامات کا جواب میں ضرور دینا چاہوں گی۔''

پھر میں اس کے نام نہاد دلائل کے پرخچے اڑاتی چلی گئی۔اس نے دو تین بار مجھے روکنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہیں ہوا۔میں جانتی ہوں کہ اس نے کافی انسلٹ محسوس کی تھی۔میں کلاس کے دوران تو اس کے تاثرات نہیں دیکھ پائی کیونکہ وہ مجھ سے کافی فاصلے پر تھا، لیکن سر ابرار کے کلاس سے نکلنے کے فوراً بعد وہ میرے پاس آیا تھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ یقیناً مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر چند لمحوں کے بعد میرے برابر والی کرسی کو ٹھوکر مارتے ہوئے باہر چلا گیا اور میں نے سکون کا سانس لیا ورنہ جس وقت وہ میرے پاس آ کر کھڑا ہوا تھا تب میرا سانس حلق میں اٹک گیا تھا کہ پتا نہیں وہ کیا کرے یا کیا کہے اور اپنے ہاتھوں کی لرزش کو چھپانے کے لیے میں نے فائل میں رکھے ہوئے کاغذات کو الٹنا پلٹنا شروع کر دیا تھا۔میں اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ میں اس سے خوفزدہ ہوں۔لیکن بہرحال آج میں واقعی اس سے ڈر گئی تھی، جس وقت میں کلاس میں اس پر

تنقید کر رہی تھی تب میں نے ہرگز یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ میری باتوں کو اتنا سنجیدگی سے لے گا، آخر اس نے بھی تو مجھ پر تنقید کی تھی، لیکن میں نے تو اس جیسے ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن یہاں پر ہی تو پیسے کا فرق آجاتا ہے۔ شاید جن لوگوں کے پاس روپیہ ہوتا ہے ان کی انا اسی طرح ہرٹ ہوتی ہے اور میرے جیسے لوگوں کی تو کوئی انا ہوتی ہی نہیں شاید اس کا غصہ ٹھیک ہی ہے۔

31 دسمبر

آج زندگی میں پہلی بار کالج جا کر پچھتا رہا ہوں اگر میں جانتا کہ آج میرے ساتھ یہ سب ہوگا تو میں کبھی کالج نہ جاتا۔

وہ ایک عام سی لڑکی کشف' میری سمجھ سے باہر ہے' وہ مجھ سے خوفزدہ کیوں نہیں ہوتی؟ وہ اپنی زبان بند کیوں نہیں رکھتی؟ مجھے زندگی میں شکست سے نفرت ہے اور وہ مجھے مسلسل شکست دے رہی ہے ایسا کیا ہے اس میں کہ میرا ہر داؤ غلط ہو جاتا ہے ہر وار الٹا پڑتا ہے۔

پچھلے کئی دنوں سے میں اسے ہر کلاس میں چھیڑ رہا تھا تا کہ وہ کوئی بات کرے اور مجھے اس کی انسلٹ کرنے کا موقع ملے اور بالآخر آج وہ موقع مل ہی گیا تھا۔ اس کے فارن پالیسی کے بارے میں خیالات سن کر مجھے خاص تسلی ہوئی کہ میں اسے اچھی طرح جھاڑ سکوں گا اور سر ابرار نے مجھے ایسا کرنے کا نادر موقع فراہم کر ہی دیا۔ میں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا لیکن میری بات ختم ہوتے ہی اس نے سر ابرار سے اجازت لے کر بولنا شروع کر دیا۔ اپنی بات کے آغاز میں ہی اس نے کہا۔

''یہ زارون صاحب فرما رہے تھے کہ یہ فارن سروس میں اس لیے جانا چاہتے ہیں تا کہ یہ ملک کے لیے کچھ کر سکیں۔ ملک کی جو خدمت یہ کریں گے وہ تو ان کے پاکستانی قوم کے بارے میں خیالات سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔''

میں اس کی بات پر بری طرح تلملایا تھا۔

''یہ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک سے اس لیے اچھے تعلقات چاہتے ہیں کیونکہ وہ ہمیں امداد دیتے ہیں اور اس لیے ان کا خیال ہے کہ قومی مفادات کا سودا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ان کے بقول اس امداد پر ہی یہ ملک چل رہا ہے سو ایسی قوم کی کوئی عزت نفس نہیں ہونی چاہیے میں ان کی بات سے پوری طرح اتفاق کرتی ہوں کہ مغربی ممالک ہمیں امداد دیتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ وہ یہ امداد کس کو دیتے ہیں اس ملک میں دو کلاسیں ہیں اٹھانوے فی صد اکثریت والی لوئر کلاس اور دو فی صد اقلیت والی اپر کلاس۔ جو امداد ہمیں باہر سے ملتی ہے وہ دراصل اس دو فی صد کلاس کے کام آتی ہے اس کلاس میں بڑے بڑے بیوروکریٹ، صنعت کار اور سیاست دان شامل ہیں، اور زارون بھی اسی کلاس کے ایک فرد ہیں بیرونی امداد اسی کلاس میں بینک کے قرضے اور کرپشن کے ذریعے تقسیم ہوتی ہے اور ملکی مفادات کا سودا نہ کرنے کی صورت میں اگر امداد بند ہوتی ہے تو اسی کلاس کے مفادات متاثر ہوں گے، سو اس کلاس کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے آپ امداد بند ہونے کی صورت میں زارون جنید صاحب کی پریشانی سمجھ سکتے ہیں۔''

''آپ ذاتیات پر اتر رہی ہیں۔'' میں نے تلملا کر اس کی بات کاٹ دی تھی میرے لیے اس سے زیادہ برداشت کرنا ناممکن تھا اور مجھے یہ ڈر تھا کہ اگر اب میں نے اسے نہ ٹوکا تو وہ میرے رہے سہے امیج کو بھی تباہ کر دے گی لیکن میں نے اسے جتنی بلند آواز میں ٹوکا تھا اس کی آواز جواباً مجھ

سے بھی بلند تھی، اس کے اطمینان اور یکسوئی میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوئی تھی۔

''میں ذاتیات پر حملہ نہیں کر رہی ہوں۔ کیا آپ اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ آپ ایک صنعت کار کے بیٹے ہیں۔''

''میں اس بات کو کب انکار کر رہا ہوں کہ میں ایک صنعت کار کا بیٹا ہوں۔'' میں اس کی بات پر بھنا اٹھا تھا۔

''جب آپ اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں تو آپ کو اعتراض کس چیز پر ہے کیا یہ بات درست نہیں ہے کہ بیرونی امداد کا بڑا حصہ اپر کلاس بینک قرضوں کی صورت میں لیتی ہے۔''

''ہم جو روپیہ قرضوں کی صورت لیتے ہیں، اسے سود کے ساتھ واپس بھی کرتے ہیں۔'' مجھے اس پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔

''مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ وہ روپیہ واپس نہیں کرتے ضرور کرتے ہوں گے، میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ امداد صرف آپ لوگ استعمال کرتے ہیں، صرف دو فی صد اپر کلاس۔ اٹھانوے فی صد لوئر کلاس نہیں کیا آپ اب بھی اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے اپنے اس اعتراف کے بعد بھی کہ آپ وہ امداد استعمال کرتے ہیں۔''

فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس کی بات کا کیا جواب دوں، آخری کوشش کے طور پر میں نے سر ابرار سے کہا۔

''سر! آپ اسے روک کیوں نہیں رہے؟''

''اس کا جواب بھی میں ہی آپ کو دیتی ہوں کہ سر ابرار مجھے کیوں نہیں روک رہے کیونکہ آپ نے ہمیں کرپٹ قوم کہا ہے اور میرے اور پوری کلاس کے ساتھ ساتھ سر ابرار کے جذبات بھی بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔''

وہ سر ابرار کے بولنے سے پہلے ہی بول اٹھی تھی۔ سر ابرار کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی، وہ اڈیٹ بڑی چالاکی سے بول رہی تھی۔

''زارون! میں نے آپ کو بھی بولنے سے نہیں روکا تھا، آپ نے بھی اپنی بات مکمل کی تھی، اب دوسروں کو بھی کرنے دیں۔''

میں خاموش ہو گیا، میری اپنی بڑھائی ہوئی بات میرے گلے میں پھندے کی طرح اٹک گئی تھی۔ سر ابرار کی طرف سے بات جاری رکھنے کا سگنل ملتے ہی وہ پھر شروع ہو گئی تھی۔

''سو جب ہم لوگوں کو اس امداد میں کچھ ملتا ہی نہیں تو ہم پھر کس چیز کے لیے اپنی آزادی اور خود مختاری کا سودا کرتے پھریں۔ انہوں نے کہا کہ ہم ابھی تک سوئی تک نہیں بنا سکتے اگر ایسا ہے تو اس میں ہمارا قصور کیا ہے؟ یہ لوگ بنائیں سوئی کیونکہ یہ لوگ فیکٹریز لگاتے ہیں ہم لوگ نہیں ہم لوگوں کے پاس تو فیکٹری لگانے کے لیے روپیہ ہی نہیں ہوتا زارون صاحب نے فرمایا ہے کہ ہم لوگ دو دن گوشت کھانا نہیں چھوڑ سکتے تو اس ملک کی اٹھانوے فیصد آبادی گوشت کھاتی کہاں ہے جو وہ اسے کھانا چھوڑ دے، ان کو تو دال مل جائے تو وہ شکر کرتی ہے گوشت کے چونچلے تو اسی دو فیصد کلاس نے پالے ہوئے ہیں۔ زارون صاحب نے فرمایا کہ ہم نعرہ باز اور کرپٹ قوم ہیں۔ مجھے یہ صرف ایک ایسے ملک کا نام بتا دیں جہاں کرپشن سرے سے ہوتی ہی نہیں جس امریکہ کے یہ گن گاتے ہیں کیا وہاں کرپشن نہیں ہوتی؟ ہاں ٹھیک ہے پاکستان میں بھی کرپشن ہوتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ اٹھانوے فیصد کلاس دو روپے کی کرپشن کرتی ہے اور وہ دو فیصد کلاس کروڑوں کی اگر وہ اٹھانوے فیصد کلاس کرپشن چھوڑ بھی دے تو کیا یہ دو فیصد کلاس

چھوڑ سکتی ہے؟''

اس کا لہجہ بے حد تلخ تھا اور میرے لیے کچھ بولنا دشوار تھا۔

''زارون صاحب کو یہ افسوس ہے کہ فارن پالیسی باڑہ مارکیٹ میں ڈسکس ہوتی ہے۔ فارن پالیسی سبزی منڈی میں بھی ڈسکس ہوگی بلکہ ہر اس جگہ ہوگی جہاں وہ اٹھانوے فی صد لوگ رہتے ہیں انہیں بات کرنے کا حق کیوں نہیں؟ کیا وہ دوسرے درجے کے شہری ہیں؟ یہ جس امریکہ کی مثال دے رہے تھے وہاں پر تو کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ فارن پالیسی پر عام لوگ بات نہ کریں وہاں تو Opinion پولز کے ذریعے ان کی رائے جان کر ہر پالیسی تشکیل دی جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر امریکہ ہمارا کاٹن ایکسپورٹ کا کوٹہ ختم کردے تو ہماری معیشت ختم ہو جائے گی، امریکہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو ضرور کرے کیونکہ اس اقدام سے بھی اسی دو فیصد اپر کلاس کو نقصان پہنچے گا۔ ان کی فیکٹریز بند ہوں گی۔ انہیں کے فارن ٹورز ختم ہوں گے وہ اٹھانوے فیصد لوگ تو پہلے بھی زندگی گزار رہے تھے تب بھی گزار لیں گے صرف یہ فرق آئے گا کہ پہلے وہ سالن کے ساتھ روٹی کھاتے تھے تب اچار یا چٹنی کے ساتھ کھانا پڑے گی تو یہ ان کے لیے کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کا سالن بھی چٹنی سے بہتر نہیں ہوتا۔

ویسے اگر امریکہ ہمارا کاٹن ایکسپورٹ کا ٹھیکہ ختم کر بھی دے تو کیا ہم پہلے لوگ ہوں گے جن کے ساتھ وہ یہ سلوک کرے گا کیا پہلے اس نے کبھی کسی کے ساتھ ایسا نہیں کیا اور جن کے ساتھ اس نے ایسا کیا ہے کیا وہ ملک ختم ہو گئے ہیں؟ جی نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ ویت نام کا بھی تو بائیکاٹ کیا ہوا ہے اس نے۔ مگر کیا وہ ملک ختم ہو گیا ہے؟ اگر زارون صاحب کی نظر اکنامک افیئرز پر رہتی ہو تو انہیں معلوم ہوگا کہ ویت نام کی اکانومی تیز ترین ترقی کرنے والی اکانومی میں سے ایک ہے اور امریکہ کے اپنے سرمایہ کار گورنمنٹ کو پریشرائز کر رہے ہیں کہ وہ بھی اس بائیکاٹ کو ختم کر دے اور امریکہ نے تو چائنا کا بھی بائیکاٹ کیا ہوا تھا کیا چائنا ختم ہو گیا ہے؟ جی نہیں ایسا نہیں ہوا بلکہ امریکہ اب چائنا کے ساتھ روابط استوار کرنے کے چکر میں ہے اور اس سلسلے میں وہ اپنی مدد کے لیے بقول آپ کے کرپٹ پاکستان کی مدد طلب کر رہا ہے انہوں نے کہا تھا کہ ہر پاکستانی امریکہ جانے کے چکر میں ہوتا ہے تو اس میں بری بات کیا ہے؟ ہر ایک کو حق ہوتا ہے کہ وہ بہتر سے بہتر کے لیے جدوجہد کرے پھر جو پاکستانی امریکہ پہنچ جاتے ہیں۔ وہ وہاں جا کر بھی زرمبادلہ پاکستان ہی بھیجتے ہیں، ان کی کلاس کی طرح فارن اکاؤنٹس نہیں کھلواتے انہوں نے میرے خیالات کو اس لیے احمقانہ قرار دیا کیونکہ وہ ان کی طرح پرو امریکن نہیں تھے ان کی اپنی سوچ آزاد زمین پر رہتے ہوئے بھی غلامانہ ہے ان کے لیے تو بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

کلاس میں چھائی ہوئی خاموشی اس کے شعر پر ملنے والی داد سے ٹوٹی تھی۔ میں بالکل ساکت اور خاموش تھا کیونکہ کہنے یا کرنے کے لیے اس وقت میرے پاس کچھ تھا ہی نہیں، سر ابرار نے اس سے کہا تھا ''کشف! میں آپ کے نظریات کی تائید کرتا ہوں کیونکہ وہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہیں۔''

میں جیسے جہنم میں دہک اٹھا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کلاس میں کس نے کیا کہا ہاں سر ابرار کے کلاس سے نکلنے کے بعد میں سیدھا اس کے پاس آیا تھا، جی تو میرا یہ چاہ رہا تھا کہ اسے کرسی سمیت اٹھا کر باہر پھینک دوں لیکن پھر بھی میں نے خود کو سنبھال لیا اور اس کے پاس رکھی ہوئی کرسی

کو ٹھوکر مارتا ہوا باہر نکل گیا۔ میں کلاس سے نکلنے کے بعد سید حا سر ابرار کے کمرے میں پہنچا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ حیران نہیں ہوئے شاید وہ بھی میری آمد کی توقع کر رہے تھے۔

''آپ میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔'' میں نے جاتے ہی ان سے کہا تھا۔

''مثلاً کیا اچھا نہیں کر رہا؟'' مجھے ان کے اطمینان پر مزید غصہ آیا۔

''آپ اسے مجھ سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اسے کچھ بھی کہنے سے نہیں روکتے اور میری ٹھیک بات کو بھی کاٹ دیتے ہیں پھر ہر بات پر اس کی تعریف کرتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی عام سی بات کیوں نہ ہو لیکن میری تعریف آپ کبھی نہیں کرتے۔''

''کیا تم اس سے جیلس ہو رہے ہو؟'' سر ابرار کا سوال مجھے تپا گیا تھا۔

میں تقریباً چلا اٹھا تھا ''ہے کیا اس میں کہ میں اس سے جیلس ہوں گا کیا اس لیے کہ اس کی شکل مجھ سے اچھی ہے یا اسٹیٹس مجھ سے بہتر ہے یا پھر اس کا اکیڈمک ریکارڈ مجھ سے بہتر ہے، آخر کون سی چیز ہے جس میں وہ میرے پاسنگ ہے پھر بھی آپ پوچھ رہے ہیں کہ کیا میں اس سے جیلس ہو رہا ہوں۔''

''ہاں، وہ کسی بھی چیز میں تمہارے پاسنگ نہیں ہے پھر بھی وہ تمہیں لاجواب کر دیتی ہے بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ تمہارا حشر نشر کر دیتی ہے۔''

سر ابرار اسی اطمینان سے باتیں کر رہے تھے اور ان باتوں پر میرا بلڈ پریشر ہائی ہوتا جا رہا تھا۔

''صرف آپ کی کلاس میں وہ اتنی بکواس کرتی ہے، کسی اور جگہ نہیں بولتی۔'' میری آواز بہت بلند تھی اس لیے سر ابرار کے تیور یک دم بدل گئے تھے۔

''بی ہیو یور سیلف۔ تم کسی کباڑی کی دکان پر نہیں کھڑے ہو جو اس انداز میں بات کر رہے ہو پچھلے پانچ منٹ سے میں تمہاری بکواس سن رہا ہوں تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں گود میں لے کر کلاس میں بیٹھا کروں، میں تمہارا پروفیسر ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔''

ان کے لہجے میں آنے والی تبدیلی نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی۔ ''آپ میرے پروفیسر ہیں اور کچھ نہیں تو آج سے پہلے آپ نے یہ بات مجھے کیوں نہیں بتائی، صرف اس ایک لڑکی کے لیے آپ مجھے یہ کہہ رہے ہیں، اگر میں نے آپ کو صرف ایک پروفیسر ہی سمجھا ہوتا تو کبھی آپ کے رویے کی شکایت کرنے نہ آتا کیونکہ کسی بھی ٹیچر کے اچھے یا برے رویے کا میری ذات پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی مجھے ان سے کوئی توقع ہے مگر بات تو آپ کی ہو رہی ہے، صرف آپ کی۔''

''بیٹھ جاؤ زارون! زیادہ جذباتی مت بنو۔'' میری لمبی تقریر کے جواب میں انہوں نے صرف ایک جملہ کہا تھا۔

''میں تب تک یہاں نہیں بیٹھوں گا جب تک آپ اپنا رویہ نہیں بدلتے۔''

''بیٹھ جاؤ اور زیادہ ڈرامہ مت کرو۔'' اس بار انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور میں خاموشی سے کرسی کھینچ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''دیکھو زارون! تم مجھے جس قدر عزیز ہو، کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ اس لیے نہیں کہ تم میرے بہترین دوست

کے بیٹے ہو صرف اس لیے کیونکہ تم شروع سے ہی میرے، بہت قریب رہے ہو، میرا اپنا کوئی بیٹا نہیں ہے اور میں نے ہمیشہ تمہیں اپنا بیٹا ہی سمجھا ہے میں اگر اس قسم کا رویہ تمہارے ساتھ رکھ رہا ہوں تو صرف اس لیے کہ تم اپنے آپ پر تنقید برداشت نہیں کرتے اور زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے تنقید برداشت کرنا بے حد ضروری ہے اور ویسے بھی تمہیں تعریف کی ضرورت ہی کیا ہے تم جس حد تک مکمل ہو تم اچھی طرح جانتے ہو لیکن کشف کو تعریف کی ضرورت ہے۔ میں اس کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا، لیکن وہ بہت سی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے یہاں پڑھ رہی ہے اس میں بہت ٹیلنٹ ہے لیکن وہ اس سے بے خبر ہے۔ تھوڑی سی حوصلہ افزائی اسے سنوار سکتی ہے میں چاہتا ہوں، وہ اپنی ساری توجہ تعلیم پر ہی رکھے۔ یہاں کے خراب ماحول کی بھینٹ نہ چڑھے وہ بہت معصوم ہے۔ پتا ہے کبھی کبھار وہ مجھے ایک ننھے سے چکن کی طرح لگتی ہے۔''

''وہ ننھا سا چکن نہیں، چکن پاکس ہے۔ آپ نے اسے بولتے دیکھا ہے ایسے بات کر رہی تھی جیسے مجھے تو دس سال پہلے پھانسی دے دینی چاہیے تھی۔''

میں سر ابرار کی بات پر غصہ سے تلملا اٹھا لیکن وہ ہنسنے لگے۔

''تم پر میری کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ تم ناقابل اصلاح ہو' آئندہ اس قسم کی فضول باتوں کے لیے میرے پاس مت آنا۔''

میں اگرچہ کافی ناراض ہو کر ان کے پاس سے آیا تھا لیکن ان کی باتوں نے مجھے میرے کام کی بات بتا دی تھی۔ سر ابرار یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک بڑی معصوم اور پاک باز لڑکی ہے جسے ابھی کالج کی ہوا تک نہیں لگی، حالانکہ انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسے ابھی کالج آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی کالج کے رنگ میں رنگ جائے گی کیونکہ نہ تو وہ کوئی فرشتہ ہے اور نہ آسمان سے نازل ہوئی ہے میں اس کے امیج کو اس طرح خراب کر دوں گا کہ اس کی معصومیت کا تاثر ختم ہو جائے گا پھر میں دیکھوں گا کہ سر ابرار اسے کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ آج تک میں نے کسی عام شکل وصورت کی لڑکی کے ساتھ افیئر نہیں چلایا اب میرا یہ ریکارڈ بھی ٹوٹ جائے گا، ایک بات میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ میرا سب سے آسان شکار ثابت ہوگی کیونکہ اس جیسی مڈل کلاس کی لڑکیاں تو ہم جیسے لڑکوں کی چند مسکراہٹوں سے ہی متاثر ہو جاتی ہیں اور ہماری طرف سے ملنے والے چند تحائف انہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ ہم ان کے عشق میں گرفتار ہو گئے ہیں اور شادی کر کے انہیں اپر کلاس میں لے آئیں گے۔ مجھے بھی دیکھنا ہے کہ مڈل کلاس کی یہ لڑکی میری پیش قدمی پر کس قدر مزاحمت کر سکتی ہے، آخر تو وہ پھنس ہی جائے گی۔ میں جانتا ہوں۔

26 فروری

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ زارون مجھ پر اس قدر مہربان کیوں ہوتا جا رہا ہے، اس کا رویہ میرے ساتھ ایوریج سے زیادہ ہے اور ایسے رویے بہت جلد اسکینڈلز کی صورت میں سامنے آ جاتے ہیں اور وہ تو ویسے بھی ان معاملات میں مشہور ہے۔ پورے کالج میں اس کے افیئرز کا چرچا ہے اور اس کی ان مہربانیوں سے میرا امیج بھی تباہ ہو جائے گا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے کیسے روکوں۔

اس کے رویے میں یہ تبدیلی اس دن کے بعد سے آئی ہے جب سر ابرار کی کلاس میں اس سے میری بحث ہوئی تھی، اس واقعہ کے دوسرے

دن اس نے مجھ سے معذرت کی تھی، اور میں بہت خوش ہوئی تھی کہ چلو اسے اپنے رویے کا احساس تو ہوا لیکن میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا تھا کہ اب مجھے کسی نئی مصیبت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ میں اس کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتی لیکن کالج میں وہ بہت اکھڑ اور کھرا مشہور ہے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کسی ایرے غیرے کو گھاس نہیں ڈالتا اور نہ ہی ہر کسی سے معذرت کرتا پھرتا ہے لیکن میں تو اب اس سے تنگ آگئی ہوں، وہ کالج میں کہیں بھی مجھے دیکھے تو وش کیے بغیر نہیں گزرتا کلاس میں بھی اب وہ مجھ سے اختلاف نہیں کرتا اور میری جان عذاب میں ہے کیونکہ یہ سب لوگوں کی نظروں میں آرہا ہے۔

کل فرزانہ نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔

''کشف! زارون آج کل تم پر بہت مہربان ہو رہا ہے ورنہ پہلے تو تم دونوں کی آپس میں بنتی نہیں تھی۔''

اس کی اس بات پر ایک لمحہ کے لیے تو میں چکرا گئی تھی لیکن بظاہر بڑی لاپرواہی سے میں نے کہا۔

''فرزانہ! مجھے اس کی مہربانی یا بے رخی سے کوئی غرض نہیں ہے اگر وہ پھر پہلے کی طرح کلاس میں احمقانہ باتیں کرے گا تو میں پھر اختلاف کروں گی اور میں نہیں سمجھتی کہ وہ اب مجھ پر مہربان ہے۔ میرے خیال میں اب وہ نارمل ہے پہلے وہ ابنارمل تھا میں کلاس کو کبھی بھی گروپس میں بانٹنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ یہی چاہتا تھا۔ مجھے یہاں صرف دو سال گزارنے ہیں ایک سال تو تقریباً گزر ہی گیا ہے اور دوسرا بھی گزر جائے گا اور ان دو سالوں کے بعد مجھے ان میں سے کسی کا سامنا نہیں کرنا ہے۔''

میں اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے نکل گئی تھی۔ میں جانتی تھی یہ ساری باتیں زارون تک ضرور پہنچ جائیں گی کیونکہ وہ ان ہی کے گروپ میں ہوتی تھی اور میں چاہتی بھی یہی تھی کہ وہ یہ باتیں زارون کو ضرور بتا دے، کیونکہ میں واقعی اب اس کے رویے سے بہت خوفزدہ ہوں، کیونکہ چند دن پہلے سرابرار نے بھی پوچھ لیا تھا کہ اب آپ دونوں پہلے کی طرح بحث کیوں نہیں کرتے؟

اس وقت تو میں نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ ''سر! اختلافی پوائنٹس سامنے آئیں تو بحث بھی کی جائے فضول کی بحث تو میں کسی کے ساتھ بھی نہیں کرتی۔''

لیکن میں یہ سوچ کر اور پریشان ہو گئی تھی کہ یہ تبدیلی سرابرار نے بھی نوٹ کر لی ہے اور اب اگر کالج میں ہم دونوں کے بارے میں کوئی افواہ پھیلے گی تو وہ فوراً یقین کر لیں گے اور میں یہ ہرگز نہیں چاہوں گی کہ وہ مجھ سے بدگمان ہوں وہ مجھ سے اتنی شفقت سے پیش آتے ہیں کہ میں تو ان کی بدگمانی برداشت ہی نہیں کر پاؤں گی۔

کل میں ان کی کلاس میں دیر سے پہنچی تھی کیونکہ میرے سر میں صبح سے درد ہو رہا تھا اور پہلی دو کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد تو درد کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا، میں نے سوچا کہ اگر چائے کے ساتھ ایک ٹیبلٹ لے لوں تو آرام آجائے گا لیکن چائے پینے اور ڈیپارٹمنٹ تک واپس آتے ہوئے مجھے اتنی دیر ہو گئی تھی کہ سرابرار کلاس میں پہنچ چکے تھے۔ سرابرار لیٹ آنے والوں کو بالکل معاف نہیں کرتے اور اس معاملے میں میں زارون جیسے چہیتے اسٹوڈنٹ کا بھی ان کے ہاتھوں حشر ہوتے ہوئے دیکھ چکی تھی ابھی میں اسی شش و پنج میں تھی کہ کلاس میں جاؤں یا نہ جاؤں کہ سرابرار نے

مجھے دروازے میں کھڑا دیکھ لیا۔ پھر شاید میرا اُڑا ہوا رنگ دیکھ کر انہیں ترس آ گیا۔

''کشف! اندر آ جائیں۔ آپ آج کچھ لیٹ ہو گئی ہیں۔''

انہوں نے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا اور میں سیٹ کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگی سر ابرار نے خود ہی میری مشکل حل کرتے ہوئے کہا۔

''یہاں بیٹھ جائیں زارون کے برابر سیٹ پر۔'' ان کی آفر پر میرا رنگ دوبارہ فق ہو گیا تھا۔

''سر یہاں؟'' سر ابرار نے کچھ حیران ہو کر مجھے دیکھا۔

''جی یہاں وہ کوئی جن بھوت تو نہیں ہے جو آپ کو کھا جائے گا آپ بیٹھ جائیں۔''

لیکن مجھے پھر بھی شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''گھبرا کیوں رہی ہیں، بھائی ہے آپ کا۔ زارون بہن کو جگہ دیں۔''

ان کی بات پر کلاس میں ہلکی سی کھلکھلاہٹیں ابھری تھیں، زارون نے اس چیئر پر سے اپنی کتابیں اٹھالی تھیں اور میں وہاں جا کر بیٹھ گئی پھر لیکچر نوٹ کرتے وقت میرا قلم چلتے چلتے رکنے لگا تھا میں نے دو تین بار اسے پیپر پر گھسیٹا مگر وہ نہیں چلا اس سے پہلے کہ میں اپنے بیگ سے دوسرا پین نکالتی۔ زارون نے اپنی فائل میں سے ایک پین نکال کر میری فائل پر رکھ دیا تھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہ لکھنے میں مصروف تھا۔ میں نے وقت ضائع کئے بغیر اس کے دیئے ہوئے قلم سے لکھنا شروع کر دیا تھا کیونکہ سر ابرار بہت تیزی سے بولتے جا رہے تھے۔

لیکچر ختم ہونے کے بعد میں نے شکریہ کے ساتھ اسے پین لوٹا دیا تھا لیکن جتنی دیر وہ پین میرے ہاتھ میں رہا میں عجیب سے احساسات کا شکار رہی وہ پین بہت قیمتی تھا اور بہت خوبصورت لکھائی کر رہا تھا میرے کاغذ پر بال پوائنٹ سے لکھے گئے الفاظ اس سے لکھے گئے لفظوں کی نسبت بہت کمتر اور گھٹیا نظر آ رہے تھے بالکل میری زندگی کی طرح یہ تو صرف زارون جیسے لوگ ہی ہیں جو ایسے پین افورڈ کر سکتے ہیں ہم جیسے نہیں کیا کبھی ایسا ہو گا کہ میں بھی ایسے قلم خرید پاؤں یقیناً نہیں کیونکہ میں اتنی خوش قسمت نہیں ہوں اور خواہشیں صرف خوش قسمت لوگوں کی پوری ہوتی ہیں۔

⁂

27 فروری

کل ایک عجیب بات ہوئی، وہ کشف مرتضیٰ میرے پاس بیٹھی تھی، مجھے کافی دنوں سے سر ابرار پر بہت غصہ آ رہا تھا کیونکہ ان کا رویہ کشف کے ساتھ ضرورت سے زیادہ اچھا تھا اسے ہر قسم کی رعایت دیتے رہتے ہیں کل وہ کلاس میں لیٹ آئی تھی اور سر ابرار نے نہ صرف اسے کچھ کہا نہیں بلکہ کلاس میں آنے کی اجازت بھی دے دی اور اگر کبھی میں یا کوئی اور کلاس میں لیٹ آئے تو وہ قیامت اٹھا دیتے ہیں لیکن میرا سارا غصہ اس وقت ختم ہو گیا جب انہوں نے اسے میرے برابر والی چیئر پر بیٹھنے کے لیے کہا، وہ چیئر میں نے اسامہ کے لیے رکھی تھی کیونکہ وہ انگلش ڈیپارٹمنٹ کسی سے ملنے گیا تھا، لیکن اس کے واپس آنے سے پہلے ہی سر ابرار آ گئے تھے۔ پھر وہ نہیں آیا کیونکہ لیٹ آنے پر سر ابرار سے انسلٹ کروانے سے بہتر ہے کہ بندہ کلاس میں آئے ہی نا سر ابرار کے کہنے پر بھی وہ میرے پاس آ کر نہیں بیٹھی پھر جب سر اسرار نے مجھ سے کہا۔

''زارون! بہن کو جگہ دو'' تو میرے ساتھ ساتھ وہ بھی مسکرائی تھی۔ میں نے اسامہ کی چیئر سے کتابیں اٹھالیں اور وہ وہاں آ کر بیٹھ گئی۔ حیران کن بات یہ ہے کہ میرے اس قدر قریب بیٹھنے پر بھی وہ نروس نہیں تھی ورنہ اکثر لڑکیاں میرے قریب بیٹھنے پر نروس ہو جاتی ہیں اور کچھ نہیں تو لیکچر نوٹ کرتے ہوئے ان کے ہاتھ ہی کانپتے رہتے ہیں اور میں ہمیشہ ان کی گھبراہٹ کو انجوائے کرتا ہوں لیکن اس کے ہاتھوں میں لرزش نہیں تھی۔ بہت سادہ ہاتھ تھے اس کے کسی قسم کی آرائش کے بغیر لیکچر نوٹ کرتے ہوئے اس کا بال پوائنٹ رکنے لگا تھا میں چونکہ اس کی طرف متوجہ تھا، اس لیے یہ بات میری نظر میں آ گئی میں نے اپنا پین نکال کر اسے دے دیا جسے لیکچر ختم ہونے کے بعد اس نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا بغیر مجھے دیکھے یا مسکرائے میں اس وقت کا منتظر ہوں جب کشف مرتضیٰ مجھے اب کی طرح نظر انداز نہیں کر پائے گی وہ میرے حوالے سے خواب دیکھے گی اور میرے بغیر اپنے وجود کو ادھورا محسوس کرے گی اور وہ وقت بہت زیادہ دور نہیں ہے۔

۞

24 اکتوبر

آج میرے ایگزامز ختم ہو گئے ہیں اور کل میں گھر جاؤں گی حالانکہ میرا دل گھر جانے کو نہیں چاہتا کیونکہ اس گھر میں اتنی پریشانیاں اور ڈپریشن ہے کہ وہاں کوئی بھی سکون سے نہیں رہ سکتا لیکن پھر بھی مجھے وہاں جانا ضرور ہے حالانکہ وہاں سے واپس آنے کے بعد بہت دنوں تک میں رات کو ٹھیک طرح سے سو نہیں پاؤں گی لیکن میں اپنے بہن بھائیوں سے قطع تعلق بھی تو نہیں کر سکتی، ان کو بالکل نظر انداز کیسے کر سکتی ہوں۔ مجھے ایک دفعہ پھر وہی گھسے پٹے لیکچر ان کے سامنے دہرانے پڑیں گے جنہیں دہراتے میں تنگ آ چکی ہوں۔ میں جب بھی یہ سوچتی ہوں کہ میری بہنیں تعلیم کو اتنے سرسری انداز میں کیوں لیتی ہیں تو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔ پتا نہیں وہ اس قدر لاپرواہ کیوں ہیں کہ اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتیں۔

اپنے گھر کی خستہ حالی بھی انہیں نہیں اکساتی کہ وہ پڑھیں تاکہ گھر کا بوجھ شیئر کر سکیں، ان کی لاپروائی میری پریشانیوں اور خوف میں اضافہ ہی کرتی جا رہی ہے کیونکہ میں جانتی ہوں کہ مجھے اکیلے ہی نہ صرف گھر کی کفالت کرنی ہوگی بلکہ ان کی شادیاں بھی کرنی ہوں گی اور بھائیوں کو بھی کسی قابل بنانا ہوگا، اگر میری بہنیں تعلیم میں کچھ اچھی ہوتیں تو مجھے کافی تسلی رہتی کہ ہم مل کر گھر کا بوجھ اٹھا لیں گے لیکن ایسا نہیں ہے۔ بھائی ابھی اتنے چھوٹے ہیں کہ ان کے حوالے سے بھی میں کوئی خواب نہیں دیکھ سکتی اگر خدا نے میرے کندھوں پر اتنی ذمہ داریاں ڈالنا تھیں تو کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ وہ مجھے ایک مرد بناتا پھر بہت سی ایسی مشکلات کا سامنا مجھے نہ کرنا پڑتا جن کا سامنا اب کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن خدا مجھے کوئی آسانی کیوں دیتا اس نے تو بس میری قسمت میں مشکلات ہی رکھی ہیں۔

مجھے ہمیشہ اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ میری بہنیں اس قدر مطمئن کیوں ہیں وہ کون سی چیز ہے جس نے انہیں اس قدر اطمینان سے رکھا ہے کہ وہ محنت نہ بھی کریں تب بھی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے ان کے اطمینان پر غصہ آتا ہے مگر کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ ان کا بھی کیا قصور ہے سارے لوگ میری طرح پاگل تو نہیں ہو سکتے نہ ہی اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ سکتے ہیں وہ اس عمر میں ہیں جب ہر چمکتی چیز سونا لگتی ہے جب کوئی پریشانی بھی انسان کو پریشان نہیں کرتی پھر وہ میرے رشتہ داروں کے بچوں کو دیکھتی ہیں اور وہی چیزیں چاہتی ہیں جو ان کے پاس ہیں اس بات کی

پروا کیے بغیر کہ وہ انہیں کبھی حاصل نہیں کر پائیں گی۔

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ کاش میں کبھی پہلی اولاد نہ ہوتی میری جگہ کوئی اور ہوتا اور میں بھی اپنے بھائی بہنوں کی طرح بے پرواہوتی۔ پھر مجھے کسی چیز کی فکر نہ ہوتی کیا ہوتی ہے یہ سب سے بڑی اولاد بھی اسے ہر پریشانی اپنے ماں باپ کے ساتھ شیئر کرنی پڑتی ہے وہ نہ کرنا چاہے تب بھی۔ باپ سے توقع کر ہی نہیں سکتے اور ماں سے کریں تو کیا کریں؟ زندگی واقعی فضول ہوتی ہے پتا نہیں لوگ اس سے محبت کیسے کرتے ہیں۔

کیا ہمارے گھر میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کے دم سے سب کچھ سنور جاتا سب کچھ ٹھیک ہو جاتا؟ کیا اس گھر کے لوگ اتنے گناہ گار ہیں کہ خدا بھی ان کی کوئی دعا نہیں سنتا اور جو ہم سے اتنا بے خبر ہے کیا وہ واقعی خدا ہے؟

24 اکتوبر

آج آخری پیپر تھا اور میں اتنا تھک چکا تھا کہ گھر آتے ہی سو گیا۔ یہ پیپرز بھی بندے کو بس ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ خیر ماسٹرز کا ایک سال تو ختم ہوا اور اگلا سال میرے لیے بہت مشکل ہے۔ کیونکہ فائنل سمسٹر ہو گا۔ ایک لمبا سلسلہ ہے اسٹڈیز کا۔ خیر ایک پہاڑ تو سر ہوا۔ پچھلے ایک ماہ سے پیپرز میں اتنا مصروف تھا کہ ڈائری بھی نہیں لکھ پایا اور آج سو کر اٹھتے ہی ڈائری کو ہاتھ میں لیا ہے تو عجیب سی تسلی ہوئی ہے۔ اب دو چار دن تو عیاشی کروں گا، ظاہر ہے اتنی محنت کے بعد یہ تو میرا حق ہے پھر وہی کتابیں ہوں گی اور ہم اب میری ڈیئر ڈائری گڈ بائے باتیں بہت ہیں۔ لیکن پھر کروں گا، کیونکہ ابھی مجھے ڈنر کرنے نیچے جانا ہے۔ پھر ڈنر کے بعد اچھی سی کافی اور شاندار سی فلم سو آج کافی مصروف رہوں گا۔

6 جنوری

پتا نہیں یہ زارون جنید اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے اگر آپ کے پاس دولت ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جب چاہیں دوسروں کے جذبات کا خیال کیے بغیر ان کی عزت نفس مجروح کرتے رہیں۔ مجھے ایسے لوگوں سے نفرت ہے جو صرف اپنا روپیہ دکھانے اور دوسروں کو ان کی اوقات جتانے کے لیے انہیں تحفے دیتے ہیں تا کہ وہ آپ سے متاثر ہو جائیں آپ کے آگے پیچھے پھریں اور آپ وقتاً فوقتاً ترس کھا کر اپنی عنایات ان پر تحفوں کی صورت میں نازل کریں۔ مجھے ترس اور بھیک دونوں سے ہی نفرت ہے اگر یہی سب مجھے کرنا ہوتا تو اپنے تعلیمی اخراجات کے لیے محنت کرنا گوارا نہ کرتی بلکہ اپنے رشتہ داروں کے آگے ہاتھ پھیلاتی لیکن جب اس وقت میں نے بھیک قبول نہیں کی تو اب کیسے کرلوں۔

آج کالج میں سر قدیر کی کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد ان کا لیکچر ٹھیک کرنے کے لیے لان میں چلی گئی تھی میں نے لیکچر کو ابھی پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ زارون وہاں آ گیا اس کی آمد میرے لیے خلاف توقع تھی کیونکہ وہ کبھی اس طرح اکیلا میرے پاس نہیں آیا تھا۔

"ایکسکیوزمی کشف! میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" اس نے آتے ہی کہا تھا۔

"نہیں آپ کو کوئی کام ہے مجھ سے؟" میں نے فائل بند کر کے اسے کہا۔

''نہیں، ایسا کچھ خاص تو نہیں، بس میں آپ کو یہ دینا چاہتا تھا۔'' اس نے دو مختلف سائز کے پیکٹ میری طرف بڑھا دیے۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے پیکٹ پکڑے بغیر اس سے پوچھا۔

''آپ خود کھول کر دیکھ لیں۔''

''آپ خود اگر بتا دیں کہ ان میں کیا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں انہیں نہیں کھولوں گی۔''

اسے شاید میری طرف سے ایسے کورے جواب کی توقع نہیں تھی اس لیے کچھ دیر تک وہ خاموش ہی رہا پھر اس نے کہا۔

''میں چند دنوں کے لیے ہانگ کانگ گیا تھا، واپسی پر اپنے دوستوں کے لیے کچھ تحفے لایا ہوں، اس پیکٹ میں آپ کے لیے چند کتابیں اور پین ہیں اور اس میں کچھ چاکلیٹس۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ اپنے دوستوں کے لیے تحفے لاتے ہیں لیکن میں نہ تو آپ کی دوست ہوں اور نہ ہی میں کسی سے تحفے لیتی ہوں۔'' میں نے یہ کہہ کر دوبارہ اپنی فائل کھول لی۔

''آپ مجھے دوست کیوں نہیں سمجھتیں؟'' اس نے یک دم پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے مجھ سے پوچھا تھا۔

''میں آپ کو تو کیا یہاں کسی کو بھی اپنا دوست نہیں سمجھتی کیونکہ میں یہاں پڑھنے آئی ہوں دوستیاں کرنے نہیں۔''

مجھے امید تھی کہ اتنے روکھے جواب پر تو وہ چلا ہی جائے گا مگر وہ پھر بھی وہیں رہا۔

''کشف! میں اس کے بدلے میں آپ سے کوئی گفٹ نہیں مانگوں گا۔''

''جب میں آپ کا گفٹ لے ہی نہیں رہی تو دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' مجھے اب اس پر غصہ آنے لگا۔

''آپ میری انسلٹ کر رہی ہیں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اگر میں ایسا کر رہی ہوں تو مگر میں نہیں سمجھتی کہ کسی سے تحفہ نہ لینا اس کی توہین ہو سکتا ہے اور پھر آپ آخر کیا سوچ کر میرے پاس یہ تحفہ لے کر آئے ہیں؟''

میرا لہجہ بتدریج تلخ ہو رہا تھا۔

''او کے۔ آپ یہ چاکلیٹس تو لیں۔ یہ تو میں نے پوری کلاس کو ہی دیے ہیں۔''

''میں جانتی ہوں کہ میں ایسے چاکلیٹس افورڈ نہیں کر سکتی لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ آپ انہیں لینے پر اصرار کر کے مجھے میری حیثیت جتلائیں؟''

''آپ نے میری بات کا غلط مطلب لیا ہے۔'' وہ میری بات پر کچھ پریشان نظر آیا تھا۔

''مجھے خوشی ہوگی اگر میں آپ کی بات کا مطلب غلط سمجھی ہوں تو، لیکن اس وقت آپ اپنا اور میرا وقت ضائع نہ کریں۔''

میں نے یہ کہہ کر سامنے رکھے پیپرز کو پڑھنا شروع کر دیا، وہ چند لمحوں کے بعد اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا پتا نہیں وہ مجھے یہ تحفہ دے کر کیا

ثابت کرنا چاہتا تھا، کیا وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کیا خرید سکتا ہے اور میں کیا خرید سکتی ہوں مگر میں تو یہ سب پہلے ہی جانتی ہوں پھر مجھے جتانے کی کیا ضرورت ہے مگر شاید جن لوگوں کے پاس دولت ہوتی ہے انہیں یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ شو آف کریں۔ پتا نہیں انہیں کبھی یہ احساس کیوں نہیں ہوتا کہ وہ میرے جیسے کتنے لوگوں کو خواہشات کی صلیبوں تلے دفن کرنے کا باعث بنتے ہیں ہم جو بھوتوں کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

6 جنوری

جن چند لوگوں کے بارے میں میرے اندازے اکثر غلط ہوتے رہتے ہیں، ان میں کشف مرتضیٰ بھی شامل ہے۔ ہر روز اس کا ایک نیا روپ میرے سامنے آتا ہے کبھی بہت خوفزدہ، کبھی خوفزدہ کر دینے والی، کبھی بہت بولڈ اور کبھی بہت بزدل، اس نے اپنے اندر اور باہر دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں لیکن یہ دیواریں کبھی اس جیسی مڈل کلاس لڑکیوں کا تحفظ نہیں کر سکتیں اگر آپ کو تسخیر کرنا آتا ہو تو کوئی بھی لڑکی ناقابل تسخیر نہیں ہوتی وہ بھی نہیں ہے میں جانتا ہوں۔ میں اسے بھی شکست دے لوں گا۔ بس کچھ انتظار کی ضرورت ہے اور وہ میں کر سکتا ہوں۔

11 اپریل

آج میں بہت تھک گئی ہوں پتا نہیں بعض دفعہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ آپ تھک جاتے ہیں حالانکہ آپ نے نہ تو جسمانی مشقت کی ہوتی ہے اور نہ ہی ذہنی' پھر بھی زندگی بیکار لگتی ہے۔ اپنا وجود بوجھ لگتا ہے۔ میرے جیسے لوگوں کے لیے ہر دن ایک جیسا ہوتا ہے ہاں بعض دن زیادہ برے ہوتے ہیں اور بعض کچھ کم۔

زندگی میں آنے والی ہر مصیبت پر میں سوچا کرتی تھی کہ شاید یہ آخری مصیبت ہے اور اس سے بڑی مصیبت مجھ پر نہیں آ سکتی لیکن وہ سب ٹھیک نہیں تھا۔ جتنی ذلت آج میں نے محسوس کی ہے دوبارہ کبھی نہیں کر پاؤں گی۔

مجھے پہلے ہی دن زارون اچھا نہیں لگا تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے مجھے اس سے کوئی نقصان پہنچے گا اور آج ایسا ہی ہوا ہے۔

آج میں کافی جلدی کالج چلی گئی تھی کیونکہ مجھے کچھ نوٹس بنانے تھے اور میں نے سوچا کہ لائبریری سے کچھ کتابیں ایشو کروا کر یہ کام کر لوں گی، سو میں نے لائبریری سے کتابیں ایشو کروائیں اور واپس ایک کونے میں بیٹھ کر اپنا کام کرنے لگی، اس کام کو آج ہی ختم کرنے کے لیے میں نے شروع کیا۔ چند کلاسز بھی مس کیں۔ اس وقت میں اپنی فائل میں کچھ پوائنٹس کا اضافہ کر رہی تھی جب میں نے زارون کو اپنے گروپ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے قریب ہی سنا۔ وہ شیلف کے دوسری طرف تھے۔ میں اپنا کام تقریباً ختم کر چکی تھی۔ اس لیے ان کی باتوں سے ڈسٹرب نہیں ہوئی بلکہ غیر ارادی طور پر ان کی باتیں سننے لگی۔

''یہ انگلش ڈیپارٹمنٹ کی نغمہ آج کل بڑے ساتھ ساتھ ہوتی ہے تمہارے، خیر تو ہے؟''

یہ اسمارہ کی آواز تھی اور میں جواب کی منتظر تھی کہ یہ سوال اس نے کس سے کیا ہے۔

''کم آن یار! تمہیں تو خواب میں بھی میرے ساتھ لڑکیاں ہی نظر آتی ہیں۔ اب بندہ یونیورسٹی میں منہ پر ٹیپ لگا کر تو نہیں پھر سکتا، جب کو ایجوکیشن ہے تو ہیلو ہائے تو ہوتی ہی رہتی ہے۔'' میں نے زارون کی آواز کو پہچان لیا۔

''خیر بات صرف ہیلو ہائے ہی رہے تو ٹھیک ہے مگر تم ہیلو ہائے پر بھی لنچ کی دعوت دینے سے نہیں چوکتے کل میں نے تمہیں اس کے ساتھ PC میں دیکھا تھا۔''

''تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں صرف کل ہی نہیں پرسوں بھی وہاں اس کے ساتھ گیا تھا۔ آخر یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ آپ کسی لڑکی کے ساتھ لنچ پر نہیں جا سکتے؟'' زارون کی آواز جھنجلائی ہوئی تھی۔

''چھوڑو یار! تم کن فضول باتوں میں لگ گئے ہو۔ کیا یہاں تم لڑنے کے لیے آئے ہو؟'' اس بار فاروق بولا تھا۔

''میں لڑ نہیں رہا بات کلیئر کر رہا ہوں۔ نغمہ کے پاس بہت اچھی کتابیں ہیں اور وہ سی ایس ایس کی تیاری بھی کر رہی ہے۔ مجھے اس سے تھوڑی بہت مدد مل جاتی ہے اور بس اب وہ میری اتنی مدد کر رہی ہے اور میں نے اگر اسے ہوٹل میں لنچ کروا دیا تو اسمارہ کو کیوں اعتراض ہو رہا ہے؟''

''چلو نغمہ تو تمہاری مدد کر رہی ہے مگر یہ کشف تمہاری کون سی مدد کر رہی ہے جو تم اس طرح اس کے آگے پیچھے پھر رہے ہو؟''

میں اسمارہ کے منہ سے اپنا نام سن کر بے چین ہو گئی تھی۔ وہ اسمارہ کی بات پر ہنسنے لگا تھا۔

''چلو۔ اب تم کشف سے بھی جیلس ہونا شروع ہو گئی ہو۔ کم آن یار! میں اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ بن نہیں رہی اور تمہیں خواہ مخواہ غلط فہمی......''

''میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں اور نہ ہی جیلس ہو رہی ہوں تم تو کہا کرتے تھے کہ کشف جیسی لڑکیوں سے تو تم بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے افیئر چلانا تو دور کی بات ہے اور اب اسے سلام کرتے پھر رہے ہو۔ اس کے پاس سے بات کئے بغیر گزر جاؤ، یہ تو ناممکن ہے اور پھر بھی تم کہہ رہے ہو کہ میں غلط فہمی کا شکار ہوں۔''

میں بالکل ساکت ہو گئی تھی۔ اسمارہ کے لہجے میں میرے لیے بہت تلخی تھی۔

''میں نے کب کہا کہ میرا رویہ اس کے ساتھ نہیں بدلا ہے، ہاں بدل گیا ہے، لیکن صرف کسی خاص مقصد کے تحت ورنہ میں اس جیسی لڑکی کے بارے میں اب بھی وہی خیالات رکھتا ہوں جو پہلے رکھتا تھا۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ وہ کالج میں میری وجہ سے بدنام ہو جائے جتنی نیک نام وہ بنتی ہے میں بس وہ نیک نامی ختم کرنا چاہتا ہوں اور یہ میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں اس پر عاشق ہو گیا ہوں۔ اس سے شادی وادی کا ارادہ رکھتا ہوں؟ نہیں یار! ایسا نہیں ہے۔ کشف جیسی لڑکیاں ہمارے لیے صرف تفریح ہوتی ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میں تو بس سر ابرار کو دکھانا چاہتا ہوں کہ وہ بھی عام سی لڑکی ہے۔ اس میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہیں اور اس جیسی لڑکیاں کبھی بھی ناقابل تسخیر نہیں ہوتیں بس انہیں پھنسانے میں کچھ وقت لگتا ہے۔''

''مگر زارون! اس کا رویہ تو ابھی ویسا ہی ہے، اس کے رویے میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔'' اسامہ نے کہا۔

''وہ اپنی قیمت بڑھا رہی ہے۔میں نے کہا نا ان مڈل کلاس کی لڑکیوں کو پھنسانے میں وقت لگتا ہے مگر بالآخر وہ پھنس جاتی ہیں۔''

''اچھا اگر وہ تمہاری پلاننگ سمجھ گئی اور تمہارے جال میں نہ پھنسی تو؟''

''اسامہ! وہ میری چال کو کبھی نہیں سمجھ پائے گی، ایسا صرف تب ہو سکتا ہے جب تم اسے یہ سب بتا دو اور تم ایسا نہیں کرو گے اور وہ میرے جال میں پھنسے گی کیوں نہیں؟ میرے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی ان جیسی لڑکیوں کو تلاش ہوتی ہے۔امیر ہوں، خوبصورت ہوں برائٹ فیوچر ہے ایک اونچی فیملی سے تعلق رکھتا ہوں اور کشف جیسی لڑکیاں میرے جیسے لڑکوں کے ہی تو پیچھے پھرتی ہیں اس آس میں کہ ان سے شادی کر لیں گے اور وہ ہمیں زینہ بنا کر اپر کلاس میں آ جائیں گی۔''

بہت خوش دلی سے کہا گیا اس کا ایک ایک لفظ میرے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر رہا تھا وہ سب ہنس رہے تھے اور اسمارہ اس سے کہہ رہی تھی۔

''زارون! اگر تم اس سے فلرٹ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں تمہیں ڈنر دوں گی ورنہ تم دینا۔''

ایک عورت دوسری عورت کو شکار بنانے کے لیے ایک مرد کو ترغیب دے رہی تھی۔لائبریری میں بیٹھا ہوا کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ جس کشف کی بات وہ کر رہے تھے وہ میں تھی مگر مجھے لگ رہا تھا جیسے وہاں موجود ہر شخص مجھے ہی دیکھ رہا تھا مجھ ہی پر ہنس رہا تھا، پھر میں نہیں جانتی۔مجھے کیا ہوا، میں خود پر کنٹرول نہیں رکھ پائی تھی۔میں خود کو سب کچھ کرتے دیکھ رہی تھی مگر روک نہیں سکتی تھی ایسے جیسے میں کوئی دوسری لڑکی تھی۔میں نے اپنے فائل بند کی کتابیں اٹھائیں اور لائبریرین کو جا کر واپس کر دیں پھر میں شیلف کے اس طرف آئی تھی جہاں وہ بیٹھے تھے وہ سب اب کتابیں کھولے کچھ کام کر رہے تھے انہوں نے مجھے نہیں دیکھا زارون اپنی فائل کھولے کچھ لکھ رہا تھا اور پھر اس نے سر اٹھا کر فاروق سے کچھ کہا، تب فاروق کی نظر مجھ پر پڑی تھی۔

''کشف! آپ'' بے اختیار اس نے کہا تھا۔پھر ان کا پورا گروپ میری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔مگر میں صرف زارون کو دیکھ رہی تھی جو میرے یک دم سامنے آنے پر حیران نظر آ رہا تھا۔میں آہستہ سے چلتی ہوئی اس کے مقابل کھڑی ہوئی پھر میں نے اس کے سامنے رکھے ہوئے پیپرز اٹھائے انہیں پھاڑا اور پوری قوت سے اس کے منہ پر دے مارے۔وہ یک دم اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا، اس کے چہرے کا سارا اطمینان رخصت ہو گیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''یہ تم جیسے لوگوں کے ساتھ بالکل مناسب سلوک ہے، بدتمیزی انہیں لگنی چاہیے جنہیں خود کوئی تمیز ہو اور تم ان لوگوں کی فہرست میں شامل نہیں ہو۔'' اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''میرا مطلب وہی ہے جو تم اچھی طرح سمجھ چکے ہو۔''

مجھے حیرت تھی کہ میں بڑے سکون سے اس سے مخاطب تھی۔میرے ہاتھ پیروں میں کوئی لرزش تھی نہ آواز میں کپکپاہٹ۔

''تم نے میرے پیپرز کیوں پھاڑے ہیں؟''

''صرف تمہیں یہ بتانے کے لیے کہ تمہاری حیثیت میرے نزدیک ان پیپرز کے برابر بھی نہیں ہے۔ تم کس قدر غیر اہم اور چھوٹے آدمی ہو۔ میں تمہیں یہی بتانے آئی ہوں وہ اور لڑکیاں ہوں گی جو تمہاری تفریح کا سامان کرتی ہوں گی اور وہ بھی اور ہوں گی جو تمہارے آگے پیچھے پھرتی ہوں گی، مگر میں ان میں سے نہیں ہوں۔ میں یہاں صرف پڑھنے کے لیے آتی ہوں تم جیسوں کو پھانسنے کے لیے نہیں اور تمہیں اپنے بارے میں کیا خوش فہمی ہے؟ کیا ہے تمہارے پاس کہ تم خود کو ان داتا سمجھنے لگے ہو۔ جن چیزوں کو تم چند لمحے پہلے گنوا رہے تھے مجھے ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اپنے بارے میں تمہارے خیالات جان کر مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ تب ہوتی جب تم میرے بارے میں یا کسی بھی عورت کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کرتے مگر تمہارا قصور نہیں ہے یہ اس تربیت کا قصور ہے جو تمہیں دی گئی ہے یہ اس روپے کا اثر ہے جو تمہارے ماں باپ تمہارے لیے کماتے ہیں۔ حیرانگی تو تب ہوتی ہے جب تم جیسے لوگوں میں کوئی شریف ہو۔ کسی کا کردار اچھا ہو اور تمہارے بدکردار ہونے میں تو مجھے کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔''

میں شاید اور بولتی مگر اس کے زوردار تھپڑ نے مجھے خاموش کروا دیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے میں ساکت ہو گئی تھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنے لوگوں کے سامنے مجھ پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ اسامہ اور فاروق اسے کھینچ کر پیچھے کر رہے تھے اور وہ خود کو ان کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سب لوگ ہماری طرف متوجہ ہو چکے تھے اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

''اسامہ! چھوڑو مجھے یہ خود کو سمجھتی کیا ہے۔ اس نے مجھے بدکردار کہا ہے، میں اسے بتاؤں گا، اس کی اوقات کیا ہے۔''

وہ دونوں اسے پیچھے دھکیل رہے تھے۔ فاروق اس سے کہہ رہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ زارون! تماشا نہ بناؤ کول ڈاؤن یار! تمہیں کیا ہو گیا ہے جو بات ہے، ہم ابھی کلیئر کر لیتے ہیں۔''

''جو جیسا ہو اسے ویسا کہو تو وہ اسی طرح چلاتا رہے جیسے تم چلا رہے ہو۔ چور کو چور کہو تو اسے تکلیف تو ہو گی۔''

مجھے حیرت تھی کہ میں اس سے خوفزدہ نہیں تھی۔ میری بات پر وہ پھر بھڑک اٹھا تھا۔ اسامہ اسے مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھا اور وہ چلا رہا تھا۔

''اسامہ! مجھے چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں بھی مار ڈالوں گا۔''

فاروق نے مجھ سے کہا تھا ''کشف آپ یہاں سے چلی جائیں۔'' میں اس کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔

''تم نے مجھے اس لیے مارا ہے کیونکہ تمہارے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی بناء پر تم کسی پر بھی ہاتھ اٹھا سکتے ہو اور میں تمہیں اس لیے نہیں روک پائی کہ میرے پاس آج کچھ بھی نہیں ہے مگر میں اس وقت کا انتظار کروں گی جب میرے پاس بھی اتنی طاقت آ جائے کہ میں تمہیں اس سے بھی زوردار تھپڑ مار سکوں۔''

''تم مارو گی مجھے؟ تم ہو کیا تم؟ اوقات کیا ہے تمہاری۔ مڈل کلاس کی ایک لڑکی جس کے ماں باپ کے پاس اتنے روپے نہیں کہ وہ اس کے تعلیمی اخراجات اٹھا لیں۔ جس کے چہرے پر کوئی دوسری نگاہ ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ معمولی حیثیت کی ایک معمولی لڑکی۔''

''اگر میں معمولی ہوں تو پھر میرا نام کیوں لیتے ہو ذکر بھی کیوں کرتے ہو۔ اس کالج میں بہت سی میرے جیسی لڑکیاں ہیں۔ تم ہر ایک کو تو معمولی نہیں کہتے اور اگر مجھے ہی معمولی کہتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ میں معمولی نہیں ہوں۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے کہ میں غریب ہوں۔ یہ شرم کی

بات نہیں ہے کہ آپ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے روپے نہ ہوں، آپ کے پاس اچھا کھانے، اچھا پہننے کے لیے نہ ہو، شرم کی بات یہ ہے کہ آپ بدکردار ہوں، آپ لوگوں کو تکلیف پہنچاتے ہوں، آپ کو کسی کی عزت کرنا نہ آتا ہو، قابل شرم چیزیں یہ ہیں۔ غربت کوئی قابل شرم چیز نہیں ہے۔ تم نے کہا تھا کوئی لڑکی ناقابل تسخیر نہیں ہوتی، تمہارا واسطہ ان جیسی لڑکیوں سے پڑتا رہا ہے۔"

میں نے اسمارہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ہاں یہ واقعی تسخیر کی جا سکتی ہیں مگر میری جیسی لڑکیاں تم نے کبھی دیکھی ہی نہیں ہیں۔ میں کشف مرتضٰی ناقابل تسخیر ہوں۔ تمہارے جیسے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ میرے جیسے لوگ ہمیشہ رہتے ہیں۔ تم نے کہا تھا کہ اگر یہ مجھ سے فلرٹ کرنے میں کامیاب ہوا تو تم اسے ڈنر دو گی، یہ شرط تم مجھ سے لگاؤ اگر یہ مجھ سے فلرٹ کرنے میں کامیاب ہوا تو میں تمہیں ڈنر دوں گی۔"

میں نے اسمارہ سے کہا تھا اور وہ بھڑک اٹھی تھی۔

"شٹ اپ! میں تمہارے ساتھ بات کرنا اپنی انسلٹ سمجھتی ہوں۔"

"کتنی خوددار ہو تم۔ کتنی بلند ہو تم میرے ساتھ بات کرتے ہوئے تمہاری انسلٹ ہوتی ہے۔ میرے بارے میں بات کرتے ہوئے نہیں۔"

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا تھا پھر میں مزید کسی سے کچھ کہے بغیر سیدھی ہاسٹل آ گئی تھی۔

پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں پر مجھے رونا آ جاتا تھا مگر آج تو میری آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہیں آیا۔ اچھا ہے، بہت اچھا ہے میں اب رونا چاہتی بھی نہیں ہوں۔ میرے آنسوؤں سے کسی کو کیا فرق پڑے گا۔ کون سا عرش ہل جائے گا۔ کیا فائدہ ہوتا ہے ایسے آنسوؤں کا جن سے کسی کا دل موم ہو نہ دماغ قائل۔ پھر سے وہ توڑ پھوڑ میرے اندر شروع ہو گئی ہے جسے میں بڑی مشکل سے روک پائی تھی۔

میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا کہ اس کی کوئی چیز مجھے متاثر نہیں کرتی اور دولت میرے لیے غیر اہم ہے۔ ہاں وہ سب مجھے اچھا لگتا ہے جو ان کے پاس ہے۔ مگر کیا کروں میں یہ چیزیں ان سے چھین نہیں سکتی ہوں پھر جھوٹ بولنے میں کیا حرج ہے۔ مجھے ابھی تک اپنے گال پر درد ہو رہا ہے اور اس اذیت کو میں کبھی نہیں بھول سکتی نہ بھولنا چاہوں گی۔

آج پھر مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ خدا مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ اسے میری پرواہ نہیں ہے۔ ایسے جیسے مجھے اس نے نہیں کسی اور نے بنایا ہے۔ آخر میں نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے میں جانتی ہوں مگر پھر بھی وہ مجھ سے ناراض ہے اور ناراض ہی رہتا ہے۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ اسے مجھ سے محبت ہے تو شاید زندگی اتنی مشکل نہیں لگتی مگر اس نے میرے نصیب میں صرف ذلتیں لکھ دی ہیں وہ مجھے صرف ذلت دینا چاہتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے۔ میں اسے زور زور سے آوازیں دوں چلاؤں خوب زور سے چلاؤں اسے بتاؤں کہ وہ مجھے کتنی تکلیف پہنچا رہا ہے مگر میں.........

⁂

11 ستمبر

آج میں بہت پریشان ہوں اور کوئی چیز بھی میری پریشانی دور کرنے میں ناکام رہی ہے۔

بعض چہرے انسان کو کتنا دھوکا دیتے ہیں۔ آپ انہیں دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ بے ضرر ہیں، ان سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور پھر ہمیں سب سے بڑا نقصان ان ہی سے پہنچتا ہے۔ کیا کبھی کوئی سوچ سکتا تھا کہ بظاہر خاموش اور سر نظر آنے والی اس لڑکی کے اندر اتنی آگ ہے، وہ اس طرح بول سکتی ہے۔ وہ مجھے ایک آتش فشاں کی طرح لگی تھی۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ وہاں لائبریری میں موجود ہو گی۔ ایک طوفان کی طرح آئی تھی وہ اور مجھے ہلا کر چلی گئی تھی۔ پوری لائبریری میں اس نے مجھے تماشا بنا دیا تھا۔ اس نے مجھے بدکردار کہا تھا اور اگر اسامہ اور فاروق مجھے نہ پکڑتے تو میں اسے جان سے ہی مار دیتا۔

اسامہ اور فاروق مجھے وہاں سے سیدھا گھر لائے تھے اور دیر تک میرا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ کشف کی طرف داری کر رہے تھے اور سارا قصور میرے سر ڈال رہے تھے۔ صحیح معنوں میں آستین کے سانپ ہیں وہ۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں ان دونوں کو بھی شوٹ کر دوں۔

میرے دل سے ابھی تک کشف کے خلاف غصہ اور نفرت ختم نہیں ہوئی، اس نے میرے ساتھ جو کیا ہے وہ کبھی نہیں بھلا سکتا، بھولنا چاہوں تب بھی نہیں۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا کشف! اور میری یادداشت میں رہنا تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ کاش میں تمہیں جان سے مار سکتا۔

18 اپریل

آج پورے ایک ہفتہ کے بعد میں کالج گئی تھی۔ اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ اس واقعہ کے فوراً بعد کالج جا سکتی۔ پورا ہفتہ میں ڈائری نہیں لکھ پائی۔ لکھنے کو تھا بھی کیا۔ صرف آنسو۔ ایک ہفتہ پہلے میں نے سوچا تھا کہ میں بہت مضبوط ہو گئی ہوں مگر ایسا نہیں تھا۔ ڈائری لکھنے تک میں غصہ اور شاک میں تھی اور جب اپنے احساسات کو سمجھ پائی تو بے اختیار رونے لگی تھی۔

میں ہاسٹل کی چھت پر چلی گئی اور خود کو وہاں سے نیچے پھینک دینا چاہتی تھی۔ موت کا تصور مجھے بہت تسکین پہنچا رہا تھا۔ لیکن میں خود کو مار نہیں سکی۔ بہت سے چہرے اور آوازیں میرے قدموں سے لپٹ گئی تھیں۔ میرے ماں باپ، بہن بھائیوں کے چہرے، ان کی امیدیں، ان کے خواب، ان کی آرزوئیں سب نے مجھے جکڑ لیا تھا اور میں رک گئی تھی۔ مجھے کوئی حق نہیں تھا کہ میں ان کے خواب کو چھینوں، انہیں روند ڈالوں پھر میں وہاں بیٹھ کر روتی رہی تھی۔ ان سات دنوں میں میں نے کچھ اور نہیں کیا، ہر چیز جیسے ختم ہو گئی ہے، اب دوبارہ سے مجھے خود کو جوڑنا ہے۔ زندہ رہنا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو مجھ پر انحصار کرتے ہیں۔

اور آج خود پر جبر کرتے ہوئے میں کالج چلی ہی گئی تھی۔ ڈیپارٹمنٹ کی طرف جاتے ہوئے میں نے زارون کے گروپ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سب کسی بات کو بلند آواز میں ڈسکس کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ میں ان سے ابھی کچھ دور تھی اور پہلی دفعہ میں نے محسوس کیا کہ میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔ مجھے ان لوگوں کے قریب سے گزر کر کلاس میں جانا تھا اور میرے چہرے پر پسینہ آ رہا تھا۔ ایک لمحہ کو میرا دل چاہا کہ میں وہاں سے بھاگ جاؤں لیکن میں کب تک اور کس کس سے بھاگتی۔ سامنا تو مجھے کرنا ہی تھا۔

بڑی خاموشی سے میں ان کے پاس سے گزری تھی۔ مجھے دیکھنے کے بعد وہ بھی بالکل چپ ہو گئے تھے، اور یہی خاموشی میرے کلاس میں داخل ہوتے ہی وہاں بھی چھا گئی تھی۔ اپنے استقبال سے میں سمجھ گئی تھی کہ لائبریری کا واقعہ ان لوگوں کے علم میں آ چکا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات چھپ نہیں سکتی تھی۔ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ کوئی ٹیچر مجھ سے اس واقعہ کے بارے میں بات نہ کرے اور ساری کلاسز معمول کے مطابق ہوتی رہی تھیں۔ ٹیچرز نے میری غیر حاضری کے بارے میں ضرور پوچھا مگر اور کچھ دریافت نہیں کیا لیکن سر ابرار نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

''آپ اتنے دن کہاں تھیں؟'' پتا نہیں ان کا لہجہ سخت تھا یا صرف مجھے ہی لگا۔

''سر! مجھے کچھ کام تھا۔'' میں نے وہی جملہ دہرایا جو میں صبح سے دہرا رہی تھی۔

''کیا کام تھا آپ کو؟''

''سر! مجھے کچھ نوٹس بنانے تھے۔'' میں نے ایک اور جھوٹ بولا۔

''آپ اور زارون اس پیریڈ کے بعد میرے آفس میں آئیں۔''

انہوں نے وہ بات کہی تھی جس سے میں بچنا چاہ رہی تھی۔ اگلی دو کلاسز لینے کے بعد میں ان کے آفس چلی گئی تھی وہاں وہ پہلے ہی موجود تھا۔ سر ابرار نے مجھے دیکھ کر اپنی ٹیبل کے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''آؤ کشف! بیٹھو یہاں پر۔'' میں خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

''اس دن لائبریری میں کیا ہوا تھا؟'' انہوں نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا تھا۔

''کس دن سر؟'' میں نے لاپروائی ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔

''اسی دن جس دن کے بعد سے آپ کالج نہیں آ رہی۔'' اس دفعہ ان کا لہجہ خاصا سخت تھا۔

''سر! کچھ نہیں ہوا تھا۔'' مجھے ان کے چہرے پر حیرانی نظر آئی تھی شاید وہ مجھ سے اس جواب کی توقع نہیں کر رہے تھے۔

''اگر کچھ نہیں ہوا تھا تو اس نے تمہیں تھپڑ کیوں مارا تھا؟'' وہ شاید اب دوٹوک بات کرنا چاہتے تھے۔

''یہ سوال آپ کو تھپڑ مارنے والے سے کرنا چاہیے۔''

وہ کچھ دیر تک مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے زارون کی جانب رخ کر لیا۔

''تم نے اس پر ہاتھ کیوں اٹھایا؟''

''اس نے مجھے بدکردار کہا تھا اور یہ سن کر میں اسے میڈل دینے سے تو رہا۔''

''اب تم بتاؤ کہ تم نے ایسی بات کیوں کہی؟'' مجھے ان کے لہجے سے بہت تکلیف پہنچ رہی تھی ''وہ بدکردار ہے، اس لیے میں نے اسے ایسا کہا تھا۔''

''آپ یہاں پڑھنے آتی ہیں یا دوسروں کے بارے میں نتیجے نکالنے۔ دوسروں کے بارے میں بات کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا ہے

اگر یہ بات وہ آپ کے بارے میں کہے تو، شرم آنی چاہیے آپ کو۔'' وہ یک دم مجھ پر برس پڑے تھے۔

''مجھے اپنے کہے پر کوئی افسوس نہیں ہے، میں اب بھی یہی کہوں گی کہ یہ ایک بدکردار شخص ہے۔'' ان کے غصے کی پروا کیے بغیر میں نے اپنی بات پوری کی تھی۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم میرے اسٹوڈنٹس میں شامل ہو، میں تمہارے بارے میں بہت غلط اندازے لگاتا رہا۔ تمہیں تو استاد سے بات کرنے کی تہذیب نہیں ہے۔ میں سمجھا تھا کہ شاید زارون نے غلطی کی ہے اور اسے معذرت کرنا چاہیے مگر معذرت تو تمہیں کرنا چاہیے۔ میرا خیال تھا کہ تم ایک اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہو تمہاری اچھی تربیت ہوئی ہے مگر تم نے میرے اس اندازے کو غلط ثابت کر دیا ہے۔''

''ان سب تعریفوں کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ۔ واقعی میری اچھی تربیت نہیں ہوئی اس لیے کہ میرے خاندان کے پاس پیسہ نہیں تھا۔ ان کے خاندان کے پاس پیسہ تھا سو انہوں نے اس کی بہت اعلیٰ تربیت کی۔ آپ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ جتنا باکردار ہے وہ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے کبھی اس سے اس کے افیئر ز پر باز پرس کی ہے؟ آج اسے بدکردار کہنے پر آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ میں نے اسے ایسا کیوں کہا۔ یہ سب کچھ نہ ہوتا اگر میں بھی اس کے ساتھ پھرنے والی لڑکیوں کی قطار میں شامل ہو جاتی پھر سب کچھ ٹھیک رہتا۔ میری غلطی صرف یہ ہے کہ میں نے فلرٹ ہونے سے انکار کیا ہے اور مجھے اپنی اس غلطی پر کوئی افسوس ہے نہ پچھتاوا۔ آپ کو مجھے زیادہ برداشت نہیں کرنا پڑے گا، صرف چند ماہ کی تو بات ہے۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے تو میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہے نہ عزت اگر میں اخلاقی اعتبار سے اس کی طرح گری ہوئی ہوتی تو اس کے لیے کوئی زیادہ خراب لفظ استعمال کرتی۔''

پھر سر ابرار کے ردعمل کا انتظار کیے بغیر میں دروازہ کھول کر باہر آ گئی تھی۔ میں کیوں صفائیاں دیتی انہیں، جب میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ مجھے برا سمجھیں گے تو سمجھتے رہیں۔ آخر پہلے کون یہاں میرا مداح ہے۔ اچھا ہے، بہت اچھا ہے کہ وہ بھی مجھے برا سمجھیں۔ جب اللہ کی نظر میں میں بری ہوں تو دنیا کی نظر میں اچھا بن کر کیا کرنا ہے۔

۞

18 اپریل

پتا نہیں میرے سارے دن ایک جیسے کیوں ہوتے جا رہے ہیں، فرسٹریشن اور ڈپریشن سے بھرپور۔

آج پھر میرا دن بہت برا گزرا ہے اور اس کی وجہ وہی ہے۔ آج اس واقعہ کے بعد وہ پہلی بار کالج آئی تھی۔ ہم لوگ اس وقت ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیوں پہ کھڑے باتیں کر رہے تھے جب وہ نظر آئی تھی، سر جھکائے بڑی خاموشی سے وہ ہمارے پاس سے گزری تھی۔

سر ابرار نے اس واقعہ کے دوسرے دن ہی مجھ سے اس بارے میں بات کی تھی میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ اس نے مجھے بدکردار کہا تھا مگر انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بغیر کسی وجہ کے ایسی کوئی بات کر سکتی ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ جب وہ کالج آئے تو وہ خود ہی اس سے پوچھ لیں اور آج سر ابرار نے اسے دیکھتے ہی اپنے کمرے میں بلوا لیا تھا۔ میں خوفزدہ تھا کہ وہ سر ابرار کو ساری بات بتا دے گی لیکن اس نے جس طرح بات کی تھی۔ اس

کے انداز نے مجھے اور زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔ اس نے کچھ نہ بتاتے ہوئے بھی سب کچھ بتا دیا تھا اس کے جاتے ہی سر ابرار نے مجھ سے کہا تھا۔

''تم نے اسے کیا کہا تھا جو اس نے تمہیں بدکردار کہا؟''

''سر! میں نے اسے کچھ نہیں کہا اسے غلط فہمی ہو گئی تھی۔'' میں نے جھوٹ بولنا ضروری سمجھا۔

''میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کوئی لڑکی اتنی بڑی بات بغیر وجہ کے نہیں کہہ سکتی اور پھر وہ بھی کشف جیسی لڑکی۔ نہیں اسے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہو گی۔ تم نے ضرور اسے کچھ کہا ہو گا۔'' سر ابرار کا لہجہ بہت خشک تھا۔

''ہاں۔ میں نے اس کے بارے میں کچھ ریمارکس دیئے تھے لیکن اس کے سامنے نہیں، پہل میں نے بہر حال نہیں کی تھی۔'' میں نے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کی۔

''کیا ریمارکس دیئے تھے تم نے؟''

سر ابرار کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور پہلی بار میں نے محسوس کیا کہ میرے الفاظ اس قدر بھی بے ضرر نہیں تھے کہ میں انہیں سر ابرار کے سامنے دہرا پاتا۔

''سر! یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہم کسی کی غیر موجودگی میں اس کے بارے میں کچھ کہیں تو ہمارا واقعی وہی مطلب ہو، بعض باتیں ہم ویسے ہی کر دیتے ہیں۔ دوستوں کے سامنے شو آف کے لیے مگر ضروری نہیں کہ ہم واقعی کسی کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔''

میں نے اصل بات بتانے سے پہلے تھوڑا جھوٹ بولنا شروع سمجھا اور پھر انہیں سنسر کے ساتھ ساری باتیں بتاتا گیا۔

''اور یہ یقیناً اس ساری بکواس کا کچھ حصہ ہو گا۔ ساری بات بتانے کی ہمت تو تم کبھی نہیں کر سکتے۔'' میں ان کی بات پر سر نہیں اٹھا سکا۔

''پھر تمہیں لفظ بدکردار گالی کیوں لگا؟ اس ساری بکواس کے بعد تم اپنے آپ کے لیے کون سی عزت اور لقب چاہتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ تمہارے سارے افیئرز انہیں لڑکیوں تک محدود ہیں جو خود بھی کالج میں انجوائے منٹ کے لیے آتی ہیں مگر تم اس حد تک گر چکے ہو۔ یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، تم نے اسے تھپڑ مارا؟ تھپڑ تو اسے تمہارے منہ پر مارنا چاہئے تھا۔ تم عورت کی عزت کرنا تک بھول گئے ہو۔ اپنے دوستوں میں بیٹھ کر تم ایسی باتیں کرتے ہو، تمہیں تو ڈوب مرنا چاہیے۔'' ان کا ہر لفظ میری شرمندگی کے بوجھ میں اضافہ کر رہا تھا۔

''اب یہاں سے دفع ہو جاؤ اور آئندہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا'' میں اپنی چیئر پر سے اٹھا اور ان کے قریب کارپٹ پر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

''آئی ایم ساری۔ میں مانتا ہوں۔ میں نے غلطی کی ہے مگر یہ میری پہلی غلطی تھی۔ کیا آپ مجھے ایک چانس نہیں دیں گے؟''

''تم نے مجھے اتنا صدمہ پہنچایا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے آج تک تم سے تمہارے افیئرز کے بارے میں اس لیے بات نہیں کی کیونکہ کوئی غلط بات مجھ تک نہیں پہنچی اور پھر تم نے اپنی اسٹڈیز کے معاملے میں بھی لاپروائی نہیں برتی مگر تم نے تو میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہیں بیٹے کی طرح چاہا ہے، اس لیے مجھے زیادہ تکلیف پہنچی ہے۔ تمہاری جگہ کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو میں کبھی اس سے اس سلسلے میں بات تک نہ کرتا مگر تمہاری بات اور ہے۔ مجھ سے معذرت کر کے کیا ہو گا تمہیں اس سے معذرت کرنا چاہیے جس کے ساتھ تم نے یہ سب کیا ہے۔'' ان کے

آخری جملے پر میری، بحال ہوتی ہوئی سانس دوبارہ رکنے لگی تھی۔

''سر! کیا یہ ضروری ہے؟'' میں نے بہت بے بس ہوکر ان سے کہا تھا۔

''بے حد ضروری ہے۔'' ان کا نرم پڑتا ہوا لہجہ دوبارہ سخت ہو گیا تھا اور میں نے مجبوراً ہامی بھر لی۔

لیکن اب میں سوچ رہا ہوں کہ میں اس سے کیسے معذرت کروں گا اس سے جس سے میں نفرت کرتا ہوں۔

میں اس سے کیسے کہوں گا کہ مجھے اپنے کیے پر افسوس ہے حالانکہ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ اس سارے تماشے میں مجھے کیا ملا ہے۔ میں اسے فلرٹ نہیں کر پایا، سر ابرار کے سامنے اس کا امیج خراب کرتے کرتے میں اپنا امیج خراب کر بیٹھا، کالج میں بدنام ہو گیا، کوئی ایک شکست ہے جو اس نے مجھے دی ہے۔ ایک بات تو طے ہے کہ میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ میری نفرت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ شاید مجھے اسے اتنی اہمیت دینی ہی نہیں چاہیے تھی۔ میں اپنا وقت ضائع کرتا رہا ہوں اور یہ احساس مجھے دیر سے ہوا ہے۔

13 اگست

کالج سے فری ہونے میں بہت تھوڑا عرصہ رہ گیا ہے اور پھر مجھے عملی زندگی کا آغاز کرنا ہوگا۔ یہ سوچ کر ہی مجھے وحشت ہوتی ہے کہ مجھے واپس اپنے گھر جانا ہوگا اور جب تک کوئی جاب نہیں ملتی وہیں مقید رہنا ہوگا۔ وہاں اس گھر میں جس سے مجھے محبت نہیں ہے۔ وہاں کی کسی بھی چیز سے مجھے اپنائیت نہیں ہے پر ابھی تو مجھے فائنل سمسٹرز کا مرحلہ طے کرنا ہے۔ زارون مجھ سے معذرت کرنے کے بعد کالج سے غائب ہو گیا تھا اور میں بہت مطمئن تھی مگر اب وہ پھر سے کالج آنے لگا اور میری ساری خوشی رخصت ہو گئی ہے۔ میں خوفزدہ ہوں کہ کہیں وہ پھر پہلے جیسی حرکت نہ کرے۔ کتنا مشکل ہوتا ہے ہم جیسے لوگوں کا عزت سے رہنا، مگر مجھے اپنے اور اپنے خاندان کے لیے عزت حاصل کرنی ہے ہر قیمت پر اور یہ عزت مجھے کسی کے ساتھ نیکی کر کے نہیں ملے گی، عزت صرف روپے سے ملتی ہے۔ دوسرے لوگ شاید نیکی کر کے ان کے بدلے عزت کی خواہش کریں اور ہو سکتا ہے خدا نہیں عزت دے بھی دے مگر مجھے کسی نیکی کے بدلے میں خدا نئی آزمائش تو دے سکتا ہے عزت نہیں۔ اگر خدا میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا تو میں بھی کسی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کروں گی۔ یہاں جو لوگ گناہ کرتے ہیں صرف وہی عیش اور مزے کر رہے ہیں نیکی کرنے والے تو صرف دھکے کھاتے ہیں اور میں اب دھکے کھانا نہیں چاہتی۔

27 اکتوبر

آج سے میری آزادی اور بے فکری کے دن شروع ہو رہے ہیں۔ کل سی ایس ایس کا آخری پیپر تھا اور آج میں دوپہر تک سوتا رہا ہوں اور اب اٹھنے کے بعد میں خود کو بالکل آزاد اور مطمئن محسوس کر رہا ہوں۔ ابھی مجھے انٹرویو کوالیفائی کرنا ہے اور پھر فائنل ایئر کے پیپرز بھی دینے ہیں مگر اب میں ان کے بارے میں زیادہ پریشان نہیں ہوں۔ اب میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا سی ایس ایس کا رزلٹ بہت اچھا آئے تبھی میں اپنی

مرضی کے ڈیپارٹمنٹ میں جا سکتا ہوں۔

پچھلے دو ماہ سے میں کالج کو تو جیسے بھول ہی گیا تھا اور اب کل سے پھر وہاں جانا شروع کر دوں گا اور آج میں کالج کو بہت مس کر رہا ہوں، وہاں کی ہر چیز مجھے یاد آ رہی ہے حتیٰ کہ کشف بھی۔ اچھا ہی ہوا کہ میں نے معذرت کر لی، غلطی واقعی میری ہی تھی اور پتا نہیں کیوں میرا دل اسے دیکھنے کو چاہ رہا ہے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ جب میں کالج جانا شروع کروں گا تو وہ مجھے دیکھے گی بھی نہیں اور اگر میں اس سے بات کرنے کی کوشش کروں گا تو وہ تو شاید بھاگ ہی جائے۔ مگر پھر بھی آج میں اتنا خوش ہوں کہ مجھے اس پر بھی غصہ نہیں آیا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

22 دسمبر

سو آج میرا تعلیمی دور ختم ہو گیا ہے۔ زندگی کا یہ باب بھی مکمل ہو گیا ہے اور اب مجھے عملی زندگی میں قدم رکھنا ہے، آگے کیا ہو گا میں کچھ نہیں جانتی نہ ہی مجھے کوئی خوش فہمی ہے۔ اپنے مستقبل کے بارے میں پر امید وہی ہوتا ہے جس کے پاس روپیہ ہو اور میرے جیسے لوگوں کا مستقبل تو ہمیشہ ہی غیر محفوظ ہوتا ہے۔ کل میں اپنے شہر واپس چلی جاؤں گی۔

اگر ایک نظر کالج کے دور پر ڈالوں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ تلخیوں بھرا دور کتنی جلدی گزر گیا۔ اس عرصہ کے دوران مجھے کوئی دوست نہیں ملا، ہاں دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ضرور ہوا ہے۔ یہ میرے لیے کوئی اچھی خبر نہیں لائے، بس میری ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ابھی ایک طویل سفر مجھے طے کرنا ہے اور میں جانتی ہوں میں اپنی منزل تک پہنچ جاؤں گی۔ آج میں نے ایک نظم پڑھی تھی اس کی صرف ایک لائن مجھے اچھی لگی۔

چند روز اور میری جان فقط چند ہی روز

میرے دل کو چھو لیا تھا اس لائن نے۔ کتنا اچھا ہوتا کہ میں بھی اپنے آپ کو بھی یہ کہہ کر تسلی دے پاتی مگر میری پریشانیاں چند روزہ نہیں ہیں مجھے ابھی بہت جدوجہد کرنا ہے، کبھی تو صرف سوچ کر ہی تھکن ہونے لگتی ہے۔ مجھے اپنی بہنوں کے بڑھتے ہوئے قد سے خوف آتا ہے۔ میرے ماں باپ کے چہرے پہلے سے زیادہ بوڑھے ہو گئے ہیں اور ابھی تک ہمارے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

اگر اللہ نے مجھ پر اتنی ذمہ داریاں ڈالنی تھیں تو پھر اس کو چاہیے تھا کہ وہ مجھے یہ یقین بھی دیتا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ پھر شاید زندگی مجھے اتنی مشکل نہ لگتی مگر اس نے کبھی بھی مجھ سے محبت نہیں کی۔ کیا میں صرف اس لیے اسے اچھی نہیں لگتی کہ میرے پاس دولت نہیں ہے؟ کیا اللہ بھی انسانوں میں تفریق کرتا ہے۔ میں آج پھر پریشان ہوں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

8 اگست

کبھی کبھی میں اپنی موجودگی سے بور ہونے لگتا ہوں۔ کہاں میں لاہور جیسے ہنگامہ خیز شہر کا رہنے والا اور کہاں یہ اسلام آباد جیسا فارمل شہر، میرے لیے یہاں کوئی انجوائے منٹ کوئی تھرل نہیں ہے۔ کبھی کبھی مختلف سفارت خانوں میں ہونے والے فنکشنز میں چلا جاتا ہوں مگر یہ فنکشنز بھی

اتنے فارمل ہوتے ہیں کہ میرا دل وہاں سے بھاگنے کو چاہتا ہے۔ اب میں بس یہ چاہتا ہوں کہ میری پوسٹنگ کسی دوسرے ملک میں ہو جائے تاکہ میں اپنی جاب کو انجوائے کر سکوں۔ اگلے سال میری پوسٹنگ کسی دوسرے ملک ہو ہی جائے گی کیونکہ ساؤتھ ایسٹ ایشیا ڈیسک پر کام کرتے مجھے ایک سال ہو گیا ہے۔ فارن سروس میرا خواب تھا اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے جو چاہا پا لیا لیکن کبھی کبھی مجھے یہ جاب بور بھی لگتی ہے کیونکہ یہاں نہ حسین چہرے ہیں نہ رنگین آنچل۔ فارن سروس میں ایک دو جو لڑکیاں آتی ہیں، وہ بھی صرف نچلے درجے پر اور میں ان سے زیادہ فری نہیں ہو سکتا۔

میں کالج لائف کو بہت مس کرتا ہوں۔ کیا زندگی تھی کالج کی، ہر روز ایک سے بڑھ کر ایک ایکٹیوٹی ہوتی تھی، ایک سے ایک خوبصورت چہرے ہوتے تھے ایک ایک چیز یاد آتی ہے مجھے کالج کی۔ میرے دوست، گرل فرینڈز اور یہاں تک کہ کشف مرتضیٰ بھی! وہ عجیب لڑکی تھی شاید میری زندگی میں آنے والی لڑکیوں میں سب سے عجیب۔ دو ہفتے پہلے میں لاہور گیا تھا اور اسامہ کے ساتھ باتوں کے دوران کشف کا ذکر بھی آیا تھا۔ اسامہ نے مجھ سے پوچھا تھا۔

''زارون! کشف کے بارے میں کچھ جانتے ہو تم؟''

میں اس کے سوال پر حیران ہوا تھا۔

''نہیں مجھے تو کچھ پتہ نہیں ہے۔ کیوں؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''ایسے ہی یار! میں نے سوچا شاید تمہیں کچھ علم ہو گا''

''چھوڑ یار! مجھے کیا پتہ اس کا۔ اس واقعہ کے بعد تو اس سے میری بات چیت بھی ختم ہو گئی تھی۔''

''ویسے کہیں تمہیں کوئی عشق ٹائپ کی چیز تو نہیں ہو گئی اس سے؟''

میری بات پر اس نے کشن اٹھا کر مجھے مارا تھا۔

''تمہاری کمینگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ چلو ایک بات تو ثابت ہوئی کہ جو کمینہ ہے وہ کمینہ ہی رہتا ہے، چاہے وہ وزیر بن جائے یا سفیر۔''

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''پھر تم پوچھ کیوں رہے ہو اس کے بارے میں؟''

''ایسے ہی وہ لڑکی مجھے ہمیشہ اٹریکٹ کرتی تھی اور آج بھی وہ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ وہ خوبصورت ہوتی تو میں سمجھتا کہ شاید میں اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوں لیکن وہ خوبصورت نہیں تھی پھر بھی اس میں کچھ تھا جو اسے دوسری لڑکیوں سے الگ کرتا تھا۔ وہ کیا چیز تھی، یہ میں کبھی سمجھ نہیں پایا۔ میری ان باتوں کو تم پیار و محبت کے معنوں میں مت لینا۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر تعلق محبت کا ہی ہو۔''

وہ بڑے عجیب انداز میں کہہ رہا تھا اور میں حیران تھا کہ جو کچھ میں کشف کے بارے میں محسوس کرتا تھا وہی اسامہ نے بھی محسوس کیا تھا۔ تو کیا باقی لڑکے بھی اس کے بارے میں یہی سوچتے ہوں گے؟ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں نے اس کے ساتھ کچھ غلط کیا تھا۔ بہت دفعہ میں نے چاہا کہ اس سے دوبارہ معذرت کر لوں مگر ہمت نہیں ہوئی۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ وہ اب کہاں ہو گی۔ ہو سکتا ہے اس کی شادی ہو گئی ہو یا وہ کہیں جاب کرتی

ہوں، کیا وہ اب بھی ویسی ہی ہوگی جیسی وہ کالج میں تھی یا بدل گئی۔ میری خواہش ہے کہ میں دوبارہ کبھی اس سے ملوں، اکثر خواہشات پوری ہو جاتی ہیں دیکھتا ہوں یہ خواہش کب پوری ہوتی ہے۔

5 دسمبر

آج اکیڈمی میں میرا پہلا دن تھا اور عجیب قسم کی آزادی کا احساس ہو رہا ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں دنیا میں آج ہی آئی ہوں۔ ذلت کی زندگی، زندگی کہاں ہوتی ہے۔ اب زندگی میرے لیے کانٹوں کا بستر نہیں رہی میں جانتی ہوں کہ ابھی مجھ پر بہت سی ذمہ داریاں ہیں مگر اب میں انہیں اٹھا سکتی ہوں آگے جانے کے راستے اب مجھے صاف نظر آنے لگے ہیں۔

ایک نظر اپنے ماضی پر ڈالوں تو وہ بدصورت اور بھیانک نظر آتا ہے اور میں کسی طور پر اسے فراموش نہیں کر سکتی۔ ان دو سالوں میں، میں نے جتنی محنت کی ہے وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ اسکول میں پڑھانے کے بعد ٹیوشنز کرنا اور پھر ساری ساری رات خود بیٹھ کر پڑھنا۔ مجھے لگتا تھا جیسے میں ایک مشین ہوں مگر مجھے یہ سب کرنا ہی تھا، اگر نہ کرتی تو اپنی کتابوں اور گھر کے اخراجات کہاں سے پورے کرتی۔ مجھے خوشی ہے کہ میری محنت ضائع نہیں ہوئی۔ ورنہ پتا نہیں میں کیا کرتی اور آج جب میں یہاں ہوں تو یوں لگتا ہے زمین پر نہیں آسمان پر ہوں اور ابھی مجھے بہت محنت کرنی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میں ڈسٹنکشن کے ساتھ اکیڈمی سے پاس آؤٹ ہوں۔ یہ کام مشکل سہی پر اتنا ناممکن نہیں ہے اور مجھے یہ بھی کرنا ہی ہے۔ اب اور میں کچھ لکھنا نہیں چاہ رہی۔ آج بس میں سونا چاہتی ہوں اور خوب سونا چاہتی ہوں کیونکہ کل سے میرے پاس فرصت کے لمحات پھر سے غائب ہو رہے ہیں۔

کبھی کبھی اچھا لگتا ہے کچھ نہ کہنا، کچھ نہ بولنا، کچھ نہ لکھنا، بس سوچنا، صرف محسوس کرنا اور آج میں بھی اپنی کیفیات کو محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ بھلا کیسا لگتا ہے اپنے احساسات کو محسوس کرنا، آج میں دیکھوں گی کیسا لگتا ہے۔ آج میں سب کچھ دہراؤں گی، ماضی کو یاد کروں گی، ہر اچھی بری یاد کو سامنے لاؤں گی اور میں جانتی ہوں زندگی میں پہلی بار ان میں سے کوئی چیز بھی مجھے اداس نہیں کرے گی کیونکہ آج میں بہت خوش ہوں، بہت زیادہ، میرا دل چاہتا ہے میں اس پورے صفحے پر خوشی کا لفظ بہت بڑا سا لکھ دوں اور پھر اس پر دونوں ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر لوں پھر خود سے پوچھوں کیا میں خوش ہوں؟''

23 نومبر

سو اب مجھے شادی کرنا ہوگی، اور مجھے یہ بات کس قدر عجیب لگ رہی ہے۔ میں نے آج تک شادی کے بارے میں سوچا ہی نہیں نہ کسی عورت نے مجھے اس حد تک متاثر کیا کہ میں شادی کے بارے میں سوچنے لگتا یا شاید یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ میں کسی عورت کے بارے میں ایسا سوچنا ہی نہیں چاہتا۔ میرے لیے عورت صرف ٹائم پاس کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور بس۔ اب ایک عورت کے ساتھ مستقل طور پر زندگی گزارنا بہت مشکل نظر آ رہا ہے لیکن ماما کے پاس تو اس موضوع کے علاوہ اور کوئی موضوع ہوتا ہی نہیں۔

میں جب بھی ان کے پاس بیٹھتا ہوں وہ کسی نہ کسی لڑکی کا ذکر شروع کر دیتی ہیں۔ میں ماریشس سے سارہ کی شادی کے لیے چھٹیاں لے کر آیا ہوں اور وہ تو میری شادی پر بھی تیار نظر آتی ہیں۔ سارہ کی شادی پر بھی وہ مجھے لڑکیاں ہی دکھاتی رہیں اور میں شادی کے فنکشنز کو بھی ٹھیک سے انجوائے نہیں کر پایا حالانکہ وہاں ایک سے ایک خوبصورت لڑکی تھی، لیکن میں جانتا تھا کہ ماما مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور اگر میں نے ٹائم پاسنگ کے لیے بھی کسی لڑکی پر التفات دکھایا تو وہ یہی سمجھیں گی کہ مجھے وہ لڑکی پسند آ گئی ہے اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ شادی کے فنکشن کے دوران ہی اس لڑکی کی فیملی سے بات طے کر لیتیں، اس لیے مجھے بہت ریزرو رہنا پڑا۔

آج پھر وہ یہی ذکر لے کر بیٹھ گئی تھیں کہ میں شادی نہیں تو منگنی کر جاؤں۔ میری ٹال مٹول پر انہوں نے کہا تھا۔

''زارون! تم شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے؟''

''میں شادی کرنا چاہتا ہوں اور کروں گا بھی، لیکن اپنی پسند کی لڑکی سے اور وہ لڑکی مجھے ابھی تک نظر نہیں آئی۔'' میں نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

''زارون! جو لڑکیاں میں تمہیں دکھا رہی ہوں۔ وہ سب اچھی ہیں۔ تم ان میں سے کسی کو پسند کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟''

''میں انہیں پسند نہیں کر سکتا کیونکہ ان میں وہ خوبیاں نہیں ہیں، جو میں چاہتا ہوں۔''

'وہ خوبصورت ہیں، دولت مند ہیں، ایجوکیٹڈ ہیں، اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کیا کوالٹی چاہیے تمہیں جو ان میں نہیں ہے؟''

''ہاں ان میں یہ سب کچھ ہے لیکن ان کے علاوہ بھی ایک چیز ہوتی ہے اور وہ کردار ہے۔ مجھے ایسی لڑکی چاہیے جس کا کبھی کوئی اسکینڈل نہ بنا ہو جس نے مذاق میں بھی کسی کے ساتھ فلرٹ نہ کیا ہو اور نہ ہی کسی نے اس کے ساتھ کوئی افیئر چلایا ہو۔''

میری بات پر ماما میرا منہ دیکھ رہ گئی تھیں۔

''زارون! میں جن لڑکیوں کی بات کر رہی ہوں وہ بھی آوارہ نہیں ہیں۔ ان میں تمہاری مطلوبہ اہلیت پائی جاتی ہے، وہ بہت اچھی ہیں۔''

''مجھے پاکستان سے گئے صرف دو سال ہوئے ہیں، ان دو سالوں میں کون سا انقلاب آ گیا ہے ہماری سوسائٹی میں کہ ساری لڑکیاں پارسا ہو گئی ہیں۔ اب وہ فلرٹ نہیں کرتیں یا ان کے اسکینڈل نہیں بنتے۔''

میں نے کافی ترشی سے ماما کا جواب دیا تھا اور انہوں نے بھی اسی لہجے میں کہا تھا۔

''کسی کے ساتھ فلرٹ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ لڑکی کرپٹ ہے اور تم خود کون سے پارسا ہو، تم خود بھی تو یہ سب کچھ کرتے رہے ہو۔''

انہوں نے صاف مجھ پر طنز کیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے میں واقعی خاموش ہو گیا۔

''ٹھیک ہے میرے افیئر زرہے ہیں اور میں ایک فلرٹ ہوں لیکن میں مرد ہوں یہ کر سکتا ہوں۔ میری بیوی کو میرے جیسا نہیں ہونا چاہیے۔ میری زندگی میں لاکھ لڑکیاں سہی مگر اس کی زندگی میں میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہونا چاہیے اور اگر آپ کو ایسی لڑکی نہیں ملتی تو پھر یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں۔''

میں یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ میرے لیے ماما کو یہ بات سمجھانا بہت مشکل ہو رہا تھا کہ میں کسی بدنام لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا اور وہ میرے سامنے ایسی ہی لڑکیوں کو لا رہی تھیں۔

ان چند دنوں میں، میں یہ بات تو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ والدین کتنے بھی آزاد خیال کیوں نہ ہو، بچوں کی شادی کے معاملے میں وہ بہت قدامت پسند ہو جاتے ہیں اور ہم جیسی فیملیز میں تو شادی بھی بزنس ڈیلنگز کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ لوگ اپنے بزنس کو بچوں کی شادیوں کے ذریعے وسیع کرتے ہیں مگر میں ایسی کسی بزنس ڈیل کا حصہ نہیں بننا چاہتا۔ میں زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق گزارنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ میری زندگی ہے اور فی الحال تو میں اپنی موجودہ زندگی سے بہت خوش ہوں اور شادی جیسا کوئی پھندا گلے میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ ہاں جب شادی کروں گا تو ایسی لڑکی چاہوں گا جو خوبصورت ہو، ویل آف ہو، اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہو، ایجوکیٹڈ ہو اور کریکٹر وائز اسٹرونگ ہو، مگر فی الحال میں بیوی جیسا کوئی بکھیڑا پالنا نہیں چاہتا کیونکہ بیوی مجھ پر پابندیاں لگانے کی کوشش کرے گی اور وہ میں نہیں چاہتا۔

ماما اگر میری ڈائری پڑھ لیں تو وہ مجھے قدامت پسند، تنگ نظر شاؤنسٹ اور پتہ نہیں کیا کیا کہیں گی مگر میں اپنے اصل کو روشن خیالی کے پردوں میں نہیں چھپا سکتا جو میں ہوں، وہ میں ہوں اور خود کو بدلنا بہت مشکل کام ہے کم از کم میں یہ نہیں کر سکتا۔

❁

16 اکتوبر

آج میری پہلی پوسٹنگ ہوئی تھی، ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے طور پر کھاریاں میں، اور اس ہفتے کے اندر میں وہاں جا کر چارج سنبھال لوں گی اور پھر میں صحیح معنوں میں عملی زندگی کا آغاز کروں گی۔ مجھے وہاں جاتے ہوئے خوشی تو ہو رہی ہے مگر بہت زیادہ ذمہ داری کا احساس بھی ہو رہا ہے، کھاریاں میں پہلی بار کسی عورت کو اس عہدے پر بھیجا جا رہا ہے اور میں پوری کوشش کروں گی کہ میں اپنے فرائض کو پوری تن دہی سے انجام دوں۔ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دوں کہ فلاں کام میری وجہ سے نہیں ہو پایا یا بگڑ گیا اور پھر مجھے اس فیلڈ میں اب صحیح معنوں میں سیکھنے کا موقع ملے گا۔ ابھی تک تو صرف کتابی علم تھا اور وہ عملی دنیا میں بڑی حد تک لاگو نہیں ہوتا۔

میری اس ایک سال کی پرفارمنس کی بنیاد پر ہی میری اگلی پوسٹنگ ہو گی اور کسی اچھی جگہ پوسٹنگ لینے کے لیے ضروری ہے کہ میں تربیت کے اس سال میں بہت محنت کروں اور میری پرفارمنس غیر معمولی ہو۔ زندگی بہت ہموار اور آسان سی ہوتی جا رہی ہے یوں لگتا ہے، جیسے ساری تکلیفیں اور پریشانیاں یک دم ختم ہو گئی ہیں اور کبھی کبھی مجھے ان آسانیوں سے خوف آنے لگتا ہے کیا واقعی میری ساری مشکلیں ختم ہو گئی ہیں؟ پتہ نہیں یہ اطمینان اور سکون کب تک رہتا ہے مگر جب تک یہ ہے میں اسے انجوائے کرنا چاہتی ہوں پتہ نہیں کب......

❁

2 جنوری

آج مجھے اپنے کیریئر کی پہلی پروموشن ملی ہے۔ اب مجھے ڈپٹی چیف آف مشن بنا کر قاہرہ بھیجا جا رہا ہے اور اگلے دنوں میں، میں وہاں

ہوں گا۔ میں نے ماریشس میں اپنی پوسٹنگ کو بہت انجوائے کیا ہے کیونکہ یہ بہت خوبصورت ملک ہے بالکل ایک پرفیکٹ ہالی ڈے سپاٹ کی طرح۔ یہاں میں تھرڈ سیکرٹری کے طور پر بھیجا گیا تھا اور اپنی Tenure کے خاتمہ سے پہلے ہی مجھے ترقی دے کر قاہرہ بھیجا جا رہا ہے اور مصر کی سرزمین تو ہر ایک کو ہی پراسرار لگتی ہے مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے حالانکہ میں پہلے بھی دو بار چند دنوں کے لیے مصر جا چکا ہوں۔ اس کے باوجود ایک لمبے عرصے کے لیے وہاں قیام کرنا مجھے عجیب لگ رہا ہے۔

اپنی زندگی مجھے کبھی کبھی ایک راؤنڈ اباؤٹ کی طرح لگتی ہے۔ یہ ملک وہ ملک پھر پاکستان پھر کہیں اور۔ کبھی کبھی میں بور بھی ہونے لگتا ہوں۔ حالانکہ فارن سروس میں نے اسی گھومنے پھرنے کے لیے جوائن کی تھی مگر خیر زندگی ایسے ہی گزارنی ہے۔ اب کبھی کبھی مجھے تنہائی بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جیسے آج میں خود کو تنہا محسوس کر رہا ہوں روزانہ ایک ہی روٹین ہوتی ہے۔ گھر سے آفس، آفس سے پھر گھر اور گھر واپس آنے کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرنا چاہیے۔ ادھر ادھر پھرنے کے باوجود بہت بوریت ہوتی ہے۔ شاید اب مجھے شادی کر ہی لینی چاہیے۔ ہوسکتا ہے میں اسی وجہ سے تنہائی محسوس کرتا ہوں اور فیملی ہی میرے اکیلے پن کا علاج ہو مگر پرابلم پھر وہیں پر آجاتی ہے کہ شادی کے لیے لڑکی کہاں سے آئے گی۔ جو لڑکیاں مجھے ملتی ہیں۔ ان سے میں شادی نہیں کرسکتا کیونکہ وہ میرا آئیڈیل نہیں ہیں اور جو میرا آئیڈیل ہے وہ کہیں نظر ہی نہیں آتی۔

میں اکثر کوشش کرتا ہوں کہ یہاں نہ صرف پاکستانی کمیونٹی بلکہ دوسری کمیونٹیز کی لڑکیوں سے بھی ملوں اور انہیں سمجھنے کی کوشش کروں لیکن کوئی بھی لڑکی میرے معیار پر پورا نہیں اترتی، ان میں وہی بے باکی ہے جو مجھے ناپسند ہے اس کے باوجود اب مجھے شادی کر ہی لینی چاہیے کیونکہ اب تیس سال کا ہو گیا ہوں اور اپنے والدین کو خاصا ناراض بھی کر چکا ہوں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اب تک مجھے دو بچوں کا باپ ہونا چاہیے تھا۔

مجھے یہ سوچ کر کبھی ہنسی آتی ہے کہ جب میں باپ بنوں گا تو اپنے بیٹے کی شادی کے لیے اتنے ہی جتن کروں گا؟ اور کیا وہ بھی اپنی ڈائری میں ایسا ہی لکھے گا۔ میرے سب دوستوں کی شادی ہو چکی ہے اور پچھلے ماہ جب میں اسامہ کی شادی پر گیا تھا تو بہت دیر تک اسے کشف کے حوالے سے چھیڑتا رہا تھا اور وہ مجھ پر بگڑتا رہا تھا۔ عجیب بات ہے جب بھی اسامہ سے ملتا ہوں مجھے کشف ضرور یاد آتی ہے۔ یقیناً اب تک اس کی شادی بھی ہو گئی ہوگی۔ وہ کیسا آدمی ہوگا یہ تو میں نہیں جانتا۔ ہاں مگر خوش قسمت ضرور ہوگا کیونکہ اس کی بیوی بہت اچھی ہے۔ میں ان دو سالوں میں چار دفعہ پاکستان گیا ہوں مگر پوری کوشش کے باوجود میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جان پایا اور نہ ہی مجھے اب اس سے ملنے کی کوئی امید ہے مگر میں اس کے لیے دعا گو ہوں کہ وہ جہاں بھی ہو خوش ہو۔

* * *

8 جنوری

کل ثناء کی شادی بھی ہو گئی ہے اور ذمہ داریوں کے پہاڑ ایک ایک کر کے میرے کندھوں سے اتر رہے ہیں۔ میں اپنی بہنوں کے مستقبل کے بارے میں پریشان رہتی تھی کیونکہ روپے نام کی کوئی چیز ہمارے پاس نہیں تھی اور انہیں تعلیم میں دلچسپی نہیں تھی اور میں سوچتی تھی کہ ان کی شادی کیسے ہوگی۔ کیا ایک بار پھر ہمیں رشتے داروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے گا، مگر وہ بہت خوش قسمت ہیں، انہیں کسی محنت اور پریشانی کے بغیر ہی سب

کچھ مل گیا ہے اور میرا یہ عقیدہ مزید مضبوط ہو گیا ہے کہ دنیا میں صرف وہی شخص کچھ پا سکتا ہے جو دولت مند یا خوبصورت ہو، میری بہنیں بہت زیادہ خوبصورت نہ سہی بہر حال خوبصورت ہیں۔

جب اسماء کے لیے اظہر کا پروپوزل آیا، تو مجھے حیرت ہوئی تھی کیونکہ اسماء نے رو دھو کر گریجویشن کیا تھا اور اظہر انجینئر تھا اور بہت قابل تھا۔ مالی لحاظ سے وہ بہت امیر نہ سہی مگر بہت اچھے تھے پھر انہوں نے جہیز لینے سے بالکل انکار کر دیا تھا۔ پہلے اظہر کی امی میرے رشتے کی خواہش مند تھیں مگر میں نے امی سے کہا تھا کہ میرے بجائے انہیں اسماء کے لیے کہیں اور اظہر کی امی ہر قیمت پر ہمارے خاندان سے رشتہ داری قائم کرنا چاہتی تھیں سو انہوں نے اسماء کے لیے وہی پرپوزل بھجوا دیا۔ اس کی شادی کو ایک سال ہو چکا ہے اور وہ اظہر کے ساتھ بہت خوش ہے۔

.... ❁ ....

23 فروری

کیا دن تھا آج کا دن بھی۔ غلط چیزیں، غیر متوقع باتیں۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسامہ مجھے یہ سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ G.C کے اولڈ سٹوڈنٹس کی ایک گیدرنگ کروائی تھی اس نے شیخوپورہ میں، اور مجھے بھی انوائٹ کیا تھا۔ بیوروکریٹس کا ایک بڑا اجتماع وہاں تھا۔ بہت سے نئے پرانے چہرے نظر آئے تھے۔ کچھ سے میں واقف تھا کچھ سے انجان تھا مگر پھر بھی میں نے فنکشن کو انجوائے کیا تھا۔ فنکشن کے دوران وہ میرے پاس آیا تھا۔

''یار! سرپرائز مکمل نہیں ہو سکا وہ کسی مصروفیت کی وجہ سے آ ہی نہیں سکی۔''

میں نے بڑی حیرانی سے اس سے پوچھا تھا۔

''کون نہیں آ سکی؟''

''مس مرتضیٰ۔'' اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

''کون ہیں بھئی یہ مس مرتضیٰ؟'' وہ میرے سوال پر کچھ حیران نظر آیا تھا۔

''ہماری کلاس فیلو ہیں۔''

''بھئی نام بتاؤ تو پتا چلے گا ناں؟'' میں نے سوفٹ ڈرنک کے سپ لیتے ہوئے کہا تھا۔ وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔

''ایسا کرو کہ تم ہماری ہر کلاس فیلو کے نام کے ساتھ مرتضیٰ لگا کر دیکھو۔''

''نبیلہ مرتضیٰ، عالیہ مرتضیٰ، شازیہ مرتضیٰ۔''

میں ایک ایک نام لینے لگا۔ وہ عجیب سی مسکراہٹ سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''نورین مرتضیٰ، کشف مرتضیٰ۔'' یک دم میرے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔ میں بے اختیار چپ ہو گیا۔

''باقی نام بھی لو چپ کیوں ہو گئے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ مس مرتضیٰ کشف مرتضیٰ ہے نا؟ تم نے اسے کہاں سے ڈھونڈ نکالا؟''

''ہاں یہ کشف مرتضیٰ ہی ہے۔ ایک دفعہ لاہور میں میٹنگ ہوئی تھی پورے پنجاب کے انتظامی عہدیداران کی، اسی میں کشف سے ملاقات ہوئی۔ وہ اسسٹنٹ کمشنر کے طور پر گجرات میں پوسٹڈ ہے۔ بعد میں بھی ایک دو بار اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے یہ گیدرنگ اسی لیے ارینج کی تھی کہ تمہیں اس سے ملواؤں مگر وہ آئی ہی نہیں، سو میرا سرپرائز صحیح معنوں میں سرپرائز ثابت ہوا۔''

''کیا ہم اس سے ملنے نہیں جاسکتے؟''

''ہاں ہاں کیوں نہیں، بہت اچھے تعلقات رہے ہیں تمہارے اس سے کہ اب تم اس سے ملنے جاؤ گے۔''

میں اس کی بات پر خاموش ہو گیا تھا۔

پھر ہم لوگوں نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔ مگر اپنے کمرے میں آنے کے بعد سے میں سوچ رہا ہوں کہ میں کشف سے کیسے مل سکتا ہوں۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ اس عہدے تک پہنچ سکتی ہے مگر اس نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ وہ عام لڑکی نہیں ہے۔ کشف مرتضیٰ کا نام میرے پچھلے سالوں کی ڈائریوں میں بار بار لکھا ہے مگر میں کتنا اسٹوپڈ ہوں کہ آج مجھے اس کا نام ہی یاد نہیں آیا۔ آج رات میں سو نہیں پاؤں گا کیونکہ میں سونا چاہتا ہی نہیں ہوں۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ ایک بار صرف ایک بار۔ مگر یہ کیسے ہوگا میں نہیں جانتا، میں جو ہر بات کا حل نکال لیتا ہوں، اس مسئلے کا حل نکالنے سے قاصر ہوں۔

10 فروری

اس وقت رات کے دس بج رہے ہیں۔ آج گجرات میں میری پوسٹنگ کا آخری دن تھا۔ آج میں نئے آنے والے اے سی کو چارج دے چکی ہوں اور کل مجھے فیصل آباد میں چارج لینا ہے۔ پتہ نہیں سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ہی انتظامی تبدیلیاں کیوں شروع ہو جاتی ہیں۔ میں ذہنی طور پر پہلے ہی اپنا چارج چھوڑنے کے لیے تیار تھی کیونکہ صوبہ میں بڑے پیمانے پر انتظامی تبدیلیاں ہو رہی تھیں پھر میں اس وبا سے کیسے بچ سکتی تھی۔

میں کبھی بھی گجرات میں پوسٹنگ کے ڈیڑھ سال کو نہیں بھول سکتی۔ یہی میری زندگی کا سب سے یادگار عرصہ ہے۔ اگر سوچوں کہ ان ڈیڑھ سالوں میں سب سے اچھا کام کون سا کیا۔ تو ذہن پر زیادہ زور دینا نہیں پڑے گا۔ اپنے منجھلے ماموں کے بڑے بیٹے کو پولیس کسٹڈی سے چھڑوانا ہی سب سے بہترین کام تھا۔ اس پر کار چوری کا الزام لگایا گیا تھا اور وہ اس جرم سے انکاری تھا حالانکہ میں جانتی تھی کہ تفریحاً سہی مگر اس نے یہ کام ضرور کیا ہوگا، اس کے باوجود میں اپنی ماں کے کہنے پر بلکہ مجبور کرنے پر اسے رہا کروانے پر مجبور ہو گئی اور جس آدمی کی کار چوری ہوئی تھی۔ اسے مجبور کیا کہ وہ میرے ماموں کے ساتھ تصفیہ کر لے۔ یہ کام میری زندگی کا سب سے مشکل کام تھا کیونکہ مجھے جن لوگوں سے نفرت ہے، ان میں منجھلے ماموں کا خاندان بھی شامل ہے۔

جب ہم اپنے حالات کے بگڑ جانے کی وجہ سے ان کے ہاں رہنے پر مجبور ہوئے تو ان کا سلوک ہمارے ساتھ انسانیت سے گرا ہوا تھا۔ ممانی ہمیشہ کھانے کے وقت ہمیں کہا کرتیں کہ ہم تھوڑا کھانا لیں کیونکہ باقی لوگوں نے بھی کھانا ہے اور ہم حیران ہو کر ان کا منہ دیکھا کرتے کہ کیا ہم اتنا کھانا کھا رہے ہیں کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔

اخبار پڑھنے کے لیے میں ممانی کے کمرے میں دس دس چکر لگایا کرتی تھی اور انہوں نے اگر اخبار پڑھ بھی لیا ہوتا، تب بھی مجھے آتا دیکھ کر وہ دوبارہ اخبار اٹھا لیتیں۔

ناشتے میں ہمیں ڈبل روٹی نہیں ملتی تھی۔ لیکن چوہوں کی کتری ہوئی ڈبل روٹی کے پورے لفافے ڈسٹ بن میں پڑے ہوتے۔ ہم لوگ ٹی وی دیکھنے ان کے کمرے میں جاتے تو وہ یا ان کا کوئی بچہ ٹی وی بند کر دیتا۔ ذلت کے وہ تین سال میرے لیے بہت اہم ثابت ہوئے تھے انہوں نے آگے پڑھنے کے لیے مجھے تیار کیا تھا۔ میں تب بارہ سال کی تھی اور ان کی ساری باتیں آج بھی میرے ذہن پر نقش ہیں۔

سجاد کو چھڑوانے پر میں امی کی وجہ سے مجبور ہوئی تھی اور میں حیران تھی کہ کیا امی وہ سب بھول گئی ہیں مگر وہ ایک محبت کرنے والی بہن ہیں اور ایسی بہنوں کی یادداشت بھائیوں کے معاملے میں ہمیشہ کمزور ہوتی ہے۔

اس ڈیڑھ سال میں میں اپنے رشتہ داروں کے بہت سے چھوٹے بڑے کام کرتی رہی ہوں اور اب میرے سر پہ یہ بوجھ نہیں ہے کہ میں نے ان کے لیے کبھی کچھ نہیں کیا، میں نے سارا احسان نہیں تو اس کا بڑا حصہ اتار دیا ہے۔ اب ان کے سامنے میری گردن پہلے کی طرح جھکی نہیں رہے گی۔ مجھے اپنی ٹرانسفر سے خوشی ہوئی ہے کیونکہ اس نے میرے ذہنی دباؤ کو کم کر دیا ہے۔ میں چاہوں گی آئندہ میری پوسٹنگ کبھی گجرات میں نہ ہو۔ شاید میں دوبارہ کسی کے کام آنا نہیں چاہتی۔

....

25 دسمبر

تو آج میں نے کشف مرتضیٰ کو دیکھ ہی لیا۔ اس کشف مرتضیٰ کو جس سے ملنے کے لیے میں پچھلے سات سالوں سے بے قرار تھا اور یہ ملاقات بہت غیر متوقع تھی۔

جب میں فیصل آباد آیا تھا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مجھے وہاں ملے گی۔ میں تو صرف ٹیسٹ میچ دیکھنے کے لیے فیصل آباد آیا تھا کیونکہ لاہور میں بور ہو رہا تھا۔ اس لیے سوچا کہ چلو کرکٹ ہی سہی تفریح کا کوئی سامان تو ہو اور پھر یہاں میرا کزن عارف بھی پوسٹڈ تھا۔ تو سوچا اس بہانے اس سے بھی مل لوں گا۔

آج ٹیسٹ میچ کے اختتام پر دونوں ٹیموں کے اعزاز میں دعوت دی گئی تھی اور عارف کے ساتھ میں بھی اس دعوت میں گیا تھا۔ ڈنر سے پہلے جب رسمی تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے تقریر اس کی تھی۔ وہ اسٹیج پر آ کر رسمی کلمات دہراتی رہی تھی اور میں اس کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ آسمانی رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس تھی اور اس کے اوپر اس نے کالی جیکٹ پہنی ہوئی تھی جس کے بٹن سامنے سے کھلے تھے اور جسے اس نے آستینوں سے فولڈ کیا ہوا تھا۔ اس کے بال اسٹیپس میں کٹے ہوئے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ کالج میں بھی اس نے بال کٹوائے ہوئے تھے یا نہیں کیونکہ اس کے سر پہ ہمیشہ ایک بڑی سی چادر ہوتی تھی۔ ایک اور تبدیلی جو میں نے اس میں دیکھی تھی وہ اس کی مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنی تقریر کے دوران مسلسل مسکراتی رہی تھی اور کالج میں میں نے اسے مسکراتے کم ہی دیکھا تھا۔ اپنی تقریر ختم کر کے وہ اسٹیج سے اتر آئی تھی اور میری نظریں اس کی سیٹ تک اس

کے تعاقب میں گئیں۔

اس وقت تک میں نہیں جانتا تھا کہ اس نے مجھے دیکھا ہے یا نہیں اور اگر دیکھا تھا تو کیا پہچانا تھا یا نہیں۔ ڈنر سے کچھ دیر پہلے وہ عارف کے پاس گئی تھی اور عارف اسے لے کر میری طرف آ گیا، اور میں اس لمحے بہت نروس تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اب عارف اس کے ساتھ میرا تعارف کروائے گا اور میں اس کے ردِعمل کے بارے میں فکرمند تھا لیکن جب عارف نے اس سے میرا تعارف کروایا تو اس کی آنکھوں میں کوئی شناسائی نہیں جھلکی تھی۔ اس نے بڑے رسمی طریقے سے مجھ سے دعا سلام کی۔ میں اس کے انداز پر حیران رہ گیا تھا کہ اس نے مجھے پہچانا کیوں نہیں۔ میرے نام پر میرے چہرے کو دیکھ کر اسے اتنا بے تاثر تو نہیں رہنا چاہیے تھا۔

ڈنر کے بعد وہ چائے کا کپ لے کر ہال سے باہر نکل گئی میرا دل چاہا کہ میں اسے اپنی شناخت کرواؤں۔ میں بھی اس کے پیچھے باہر چلا گیا۔ وہ برآمدے کے ستون کے پاس کھڑی چائے پی رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں چائے کا کپ اور دوسرا ہاتھ جیکٹ کی جیب میں تھا وہ لان کو دیکھ رہی تھی۔ میرے قدموں کی چاپ پر اس نے گردن موڑ کر مجھے دیکھا تھا۔

''کشف! آپ نے مجھے پہچانا؟''

اسے اپنی جانب متوجہ دیکھ کر میں نے کہا تھا۔ بڑی گہری نظروں سے اس نے مجھے دیکھا تھا پھر پیپر کپ کو رول کر کے لان میں پھینکتے ہوئے کہا۔

''بہت اچھی طرح۔ کیونکہ اس حوالے سے میں نے بہت کم لوگوں کو یاد رکھا ہے اور جنہیں میں یاد رکھتی ہوں انہیں کبھی بھلاتی نہیں ہوں زارون جنید!''

اس کا لہجہ اس قدر سرد تھا کہ میں چاہتے ہوئے بھی خود کو کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں کر سکا، پھر وہ وہاں سے چلی گئی تھی وہ واقعی بدل گئی تھی۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی تھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی میری آنکھوں سے اس نے نظریں نہیں ہٹائی تھیں اور کالج میں وہ کسی سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ ادھر ادھر دیکھا کرتی تھی۔ میں اس کی آنکھوں کا تاثر نہیں بھول پایا ہوں۔ بالکل سرد آنکھیں برف کی سلاخوں کی طرح، بالکل انسان کے اندر اتر جانے والی نظریں۔ کم از کم میں تو جان گیا ہوں کہ میں اسے بھولا نہیں ہوں۔ آخر مجھے یہ توقع کیوں تھی کہ وہ سب کچھ فراموش کر چکی ہوگی۔ کیا وہ سب کچھ فراموش کر دینے والا تھا اور پھر جب آج تک میں کالج کے اس واقعہ کو نہیں بھلا پایا تو وہ کیسے بھول سکتی ہے۔ لیکن آج پہلی دفعہ میرا دل چاہا تھا کہ کاش وہ سب کچھ بھول چکی ہوتی۔

اب جب میں ڈائری لکھ رہا ہوں تو میرے ذہن میں صرف ایک ہی سوچ ہے کہ میں اس سے دوبارہ کیسے ملوں، میں اس کے دل سے اپنے لیے بدگمانی کا زہر نکالنا چاہتا ہوں۔ کیوں یہ میں نہیں جانتا میں تو ابھی تک اس کیفیت سے ہی نہیں نکلا ہوں جو آج اسے سامنے دیکھ کر مجھ پر طاری ہو گئی تھی۔ آج تک کسی عورت کو دیکھ کر میں ویسے جذبات سے دوچار نہیں ہوا جیسے آج ہوا ہوں۔ اے خدا! کیا ضروری تھا کہ تم کشف کو بناتے۔

26 مارچ

کل جب میں نے زارون جنید کو دیکھا تھا تو مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ آج وہ میرے آفس آ جائے گا۔ جب پی اے نے مجھے اس کا کارڈ لا کر دیا تو چند لمحوں کے لیے میں حیران رہ گئی تھی کیونکہ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ میری رات کی بے اعتنائی کے باوجود اگلے ہی دن دوبارہ میرے سامنے آ کھڑا ہو گا۔

''ان صاحب کو انتظار کرنے کے لیے کہو، جب میرے پاس کام ختم ہو جائے گا تب میں ان سے ملوں گی۔''

پی اے میری بات پر ہچکچاتے ہوئے بولا تھا۔

''لیکن میڈم! انہیں اس طرح انتظار کروانا ٹھیک نہیں ہو گا۔''

میں جانتی تھی کہ وہ کارڈ پڑھ چکا ہے اور فارن منسٹری کے ایک آدمی کو بلاوجہ انتظار کروانا اپنا سروس ریکارڈ خراب کرنے کے مترادف تھا اور شاید یہی بات وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں نے آپ سے جو کہا ہے آپ وہی کریں۔''

اس دفعہ میرا لہجہ سخت تھا۔ اس لیے وہ خاموشی سے چلا گیا۔ پھر میں معمول کے کام سرانجام دیتی رہی۔ لنچ آور کے دوران پی اے نے مجھے پھر اس کی موجودگی کے بارے میں بتایا اور میں نے اسے دوبارا انتظار کروانے کے لیے کہا۔ لنچ انٹرول کے بعد پی اے دوبارہ میرے پاس آیا۔

''میڈم! اب لے آؤں انہیں؟''

''آپ اس قدر بے چین کیوں ہو رہے ہیں؟ میں نے کہا نا جب مجھے فرصت ملے گی میں ان سے ملوں گی اگر وہ انتظار کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ چلے جائیں۔''

میرا لہجہ اتنا بگڑا ہوا تھا کہ اس نے کچھ کہنے کی کوشش ہی نہیں کی میں دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

آف ٹائم ختم ہونے سے پہلے میں نے پی اے کو بلوایا اور اسے معمول کی ہدایات دیں۔

''وہ صاحب اب بھی بیٹھے ہیں؟''

''جی میڈم! لے آؤں اندر؟'' میرے استفسار پر اس نے فوراً کہا تھا اور میں نے سر ہلا دیا۔

چند لمحوں کے بعد زارون جنید دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔

''جی فرمائیے۔ کس لیے زحمت کی آپ نے؟'' میں نے اس کے اندر آتے ہی پوچھا تھا۔ وہ میری بات پر مسکرانے لگا۔

''آپ بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گی مجھے؟''

''میں نے تمہیں اندر آنے دیا۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟''

''میرے خیال میں مجھے خود ہی بیٹھ جانا چاہیے۔ اتنے لمبے انتظار کے بعد اتنا حق تو بنتا ہے میرا۔''

وہ یہ کہہ کر بڑے پرسکون انداز میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، میں کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

پھر انٹرکام پر پی اے کو اندر بلایا۔ پی اے کے آنے تک وہ مسکراتا رہا، پی اے کے اندر آنے پر میں نے اس سے کہا۔

''باری صاحب! اس شخص کو اچھی طرح دیکھ لیں اگر یہ دوبارہ یہاں آئے اور مجھ سے ملنے پر اصرار کرے تو اسے دھکے دے کر یہاں سے نکال دیجئے گا۔''

زارون کے چہرے کا اڑتا ہوا رنگ دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی تھی اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔

''بس مجھے آپ سے یہی کہنا تھا۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔'' پی اے بوکھلایا ہوا سر ہلاتا میرے کمرے سے نکل گیا۔

''تمہیں یاد ہوگا، جب تم نے مجھے کالج میں تھپڑ مارا تھا تو میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اس وقت کا انتظار کروں گی جب میں تمہیں اس سے زیادہ زوردار تھپڑ مار سکوں گی اور یہ وہی وقت تھا جس کا مجھے انتظار تھا لیکن میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گی کیونکہ جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ وہ کسی تھپڑ سے کم نہیں ہے۔ آئندہ یہاں آنے کی زحمت مت کرنا، ناؤ گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔''

وہ میری بات پر سرخ چہرے کے ساتھ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوگیا۔

''جس عہدے پر تم ہو اور جس کرسی پر بیٹھ کر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ تم نے دنیا فتح کر لی ہے، اسے ختم کرنے کے لیے میرا ایک ہی فون کافی ہے اور پھر تم اس عہدے پر نہیں رہو گی جس کے بل بوتے پر تم مجھے یہاں سے نکال رہی ہو۔'' میں اس کی بات پر مسکرائی تھی۔

''چلو کوشش کر کے دیکھ لو۔ میں تمہاری طاقت، پہنچ اور کمینگی تینوں سے واقف ہوں پھر بھی خوفزدہ نہیں ہوں۔ تم میرا کیریئر ختم کر سکتے ہو دنیا تو نہیں۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تمہارے کہنے پر مجھے او ایس ڈی بنا دیا جائے گا یا میرے خلاف کوئی انکوائری شروع کروا دی جائے گی۔ ایسی آزمائشوں سے میں نہیں گھبراتی۔ عادی ہوں ان سب کی ہاں تمہارے جیسے آسائشوں کے عادی ڈر جاتے ہیں۔ میں ہر چیز کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن تمہیں جو کرنا ہے وہ تو تم یہاں سے جانے کے بعد ہی کرو گے، ابھی تو نہیں کر سکتے۔''

Now , get out of my room and do whatever you like. But at present I'm the boss here.

(فی الحال تو میں یہاں باس کا درجہ رکھتی ہوں تم یہاں سے دفع ہو جاؤ اور جو جی چاہے کرو۔)

وہ چند لمحوں کے لیے مجھے دیکھتا رہا اور پھر کرسی کو ٹھوکر مارتا ہوا باہر چلا گیا۔

میں جانتی ہوں وہ جو کہہ رہا تھا، وہ کروا سکتا ہے لیکن میں اب خوفزدہ نہیں ہوں۔ آج سے چند سال پہلے اگر وہ مجھ سے ملتا تو میں کبھی بھی اس سے اس طرح بات نہیں کر سکتی تھی کیونکہ تب یہ جاب میری کمزوری تھی اور میرے سر پر ذمہ داریوں کے پہاڑ تھے مگر آج حالات ویسے نہیں ہیں پھر اسے کیسے بخش دیتی۔

وہ ان چند لوگوں میں شامل ہے جن سے میں نے زندگی میں سب سے زیادہ نفرت کی ہے۔ مجھے لائبریری میں کہا گیا اس کا ایک ایک لفظ یاد ہے۔ میں آج بھی اس ایک ہفتے کو نہیں بھولی ہوں جب میں ہاسٹل کے کمرے میں چہرے پر تکیہ رکھ کر رویا کرتی تھی تاکہ میرے رونے کی آواز کسی اور تک نہ پہنچے نہ میں آج تک وہ شام بھولی ہوں جب میں ہاسٹل کی چھت سے چھلانگ لگا دینی چاہتی تھی۔ اس شخص نے کالج میں مجھے ذلیل کر دیا

تھا۔ کیا چیز تھی جس کی اس کے پاس کمی تھی پھر بھی اس نے مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کی تھی۔ میری ذات کو اس نے اپنے دوستوں کے سامنے چیس بورڈ بنانا چاہا تھا جس پر وہ اپنی مرضی کے مہرے اپنی پسند کے مطابق چلا سکے۔ کیا تھا میرے پاس، خوبصورتی نہ دولت نہ اس جیسی ذہانت نہ وہ فیملی بیک گراؤنڈ نہ اسٹیٹس نہ اس جیسی قابلیت، صرف عزت تھی اور وہ بھی وہ خاک میں ملا دینا چاہتا تھا اور اب وہ پھر میرے سامنے آ گیا ہے۔ پر اب میں سات سال پہلے کی کشف نہیں ہوں، اب مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے۔ میرے لیے یہی احساس کافی ہے کہ میں نے اپنی توہین کا بدلہ چکا دیا۔

......❀......

26 مارچ

کتنی ضدی ہے یہ لڑکی اور کتنا بے وقوف ہوں میں جو پھر اس سے ملنے چلا گیا اور پھر احمقوں کی طرح سارا دن اس سے ملاقات کا انتظار کرتا رہا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ مجھے جان بوجھ کر انتظار کروا رہی ہے۔ شرم آ رہی ہے مجھے اپنے آپ پر کہ میں کیا تھا اور کیا ہو گیا ہوں۔ میں ایک لڑکی سے اس قدر انسلٹ کروا رہا ہوں اور وہ بھی اس سے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کالج میں مجھے اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا مگر میں نے اس پر ہاتھ اٹھایا اور آج مجھے اس کو منہ توڑ جواب دینا چاہیے تھا مگر میں ایسے ہی آ گیا۔ کس قدر زہریلے تھے اس کے الفاظ۔ کاش وہ جان پاتی میرے لیے تو وہ عذاب بن گئی ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ جس شدت سے میں اس کا ذکر کرنے لگا ہوں کہیں میرا نروس بریک ڈاؤن ہی نہ ہو جائے۔

میں جانتا ہوں، میں اس سے محبت نہیں کرتا کیونکہ وہ اس قابل ہی نہیں ہے۔ میرے جیسا مرد اتنی عام سی لڑکی سے شادی یا محبت کیسے کر سکتا ہے، ہاں میرا دل چاہتا ہے میں اسے کوئی ایسی تکلیف یا نقصان پہنچاؤں جو وہ ساری زندگی یاد رکھے۔

......❀......

31 مارچ

آج تیسری دفعہ زارون جنید سے میرا سامنا ہوا ہے اور میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ شخص اس قدر ڈھیٹ ہے۔

آج میں سر ابرار سے ملنے ان کے گھر گئی تھی، ہم لوگ چائے پی رہے تھے جب وہ آیا تھا میرے لیے اس کی آمد پریشان کن تھی۔

''السلام علیکم سر!'' وہ یہ کہہ کر میرے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''کیسی ہیں کشف آپ؟'' اس نے مجھے مخاطب کیا تھا اور میں اس کی بات ان سنی کر دی۔

''چائے پیو گے؟'' سر ابرار نے اس سے پوچھا تھا۔

''وائے ناٹ میں تو کھانا بھی کھا لوں گا اگر آپ کھلائیں گے تو۔''

سر ابرار نے ملازم کو بلوا کر ایک کپ اور لانے کو کہا تھا۔

''تمہاری پوسٹنگ ہو گئی ہے؟''

''ہاں ابھی فی الحال اسلام آباد ہی کروائی ہے، کچھ دنوں تک جا رہا ہوں۔''

''بہت احمق ہو۔ پاکستان میں پوسٹڈ ہو کر وقت ضائع کیوں کر رہے ہو؟'' سرابرار اسے ڈانٹ رہے تھے اور وہ مسکرا رہا تھا۔

''بس ایسے ہی سر! کچھ عرصہ پاکستان میں بھی گزارنا چاہتا ہوں۔ کشف آپ آج کل کیا کر رہی ہیں؟''

اس نے سرابرار کے سوال کا جواب دیتے دیتے اچانک مجھ سے پوچھا تھا اور میرا جی چاہا تھا چائے کا کپ اس کے منہ پر دے ماروں۔ وہ یوں پوز کر رہا تھا جیسے مجھ سے پہلی بار ملا تھا۔ اس بات کے جواب میں میں چائے کا کپ رکھ کر کھڑی ہوگئی۔

''اوکے سر! اب میں چلتی ہوں۔'' سرابرار نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''تمہارا ارادہ تو آج یہاں سہ پہر تک رہنے کا تھا اور تمہیں لنچ بھی میرے ساتھ کرنا تھا۔ اب منہ اٹھا کر کھڑی ہوگئی ہو۔'' سرابرار ناراض ہوگئے تھے۔

''سر! مجھے کچھ کام یاد آگیا ہے، اس لیے جانا چاہ رہی ہوں۔''

''تم شاید زارون کی وجہ سے جانا چاہ رہی ہو۔'' سرابرار اصل وجہ بھانپ گئے تھے۔

''نہیں سر! مجھے واقعی کچھ کام ہے۔'' میں نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

''بیٹھ جاؤ کشف! مجھے نہیں پتا تھا تم اتنی احمق ہو۔ میں تم دونوں کے درمیان وہ معاملہ ختم کروا چکا ہوں، اب تم لوگوں کو اچھے کلاس فیلوز کی طرح بی ہیو کرنا چاہیے بس اب بیٹھ جاؤ تم۔''

میں سرابرار کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے خاموشی سے بیٹھ گئی۔ زارون بڑے اطمینان سے چائے کے سپ لے رہا تھا۔ سرابرار نے ہم دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کروایا۔

''کالج کے بعد تو آج شاید پہلی بار ملاقات ہو رہی ہے۔''

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا اور اگر سرابرار وہاں نہ ہوتے تو میں کچھ نہ کچھ اس کے سر پر ضرور دے مارتی۔

''ہاں شاید۔'' میں نے ناگواری سے کہا تھا۔ کچھ دیر بعد جب سرابرار کھانے کے بارے میں پتا کرنے کے لیے اٹھ کر گئے تو ان کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے کرسی میری طرف گھمالی۔

''کیا حال چال ہیں آپ کے؟''

''میرے حال چال بالکل ٹھیک ہیں، خراب شاید تمہارے ہو جائیں اگر تمہارے یہی طور طریقے رہے تو۔''

وہ میری بات پر ہنس پڑا تھا۔ ''ویری فنی اچھی لگی مجھے آپ کی بات۔''

''تم نے تو مجھے ایسی طاقت دکھائی تھی۔ میں تو اس دن سے اپنی معطلی کے آرڈرز کے انتظار میں تھی۔''

میں نے اس پر طنز کیا تھا مگر وہ پھر ہنس پڑا۔

''یار! وہ بس غصے میں۔''

''مجھے یار مت کہو، اس قسم کی بے ہودہ گفتگو پسند نہیں ہے مجھے۔''

''او کے او کے۔'' اس نے مصالحانہ انداز میں ہاتھ اٹھائے تھے۔

''مس کشف مرتضیٰ بلکہ یور ایکسیلنسی مس کشف مرتضیٰ اب ٹھیک ہے؟''

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتی، سرابرار کمرے میں آ گئے تھے۔ لنچ کے بعد میں وہاں سے واپس آ گئی تھی۔

یہ شخص میری سمجھ سے بالاتر ہے اور اس کا رویہ اس سے بھی عجیب ہے کس قدر احمق اور بدقسمت ہے اس کی بیوی جسے ایسا شوہر ملا ہے مکمل کرپٹ اور بڑی حد تک کمینہ۔

......❀......

اپریل

آج کا دن بڑی ٹینشن میں گزرا اور اس کا آغاز اس وقت ہوا جب ناشتے کے بعد ماما میرے پاس آئیں تھیں۔ میں اس وقت ٹیرس پر بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔

''ہاں تو زارون! کیا سوچا ہے تم نے؟'' انہوں نے میرے پاس بیٹھتے ہی بات شروع کر دی تھی۔

''کس بارے میں؟'' مجھے حقیقتاً حیرت ہوئی تھی کہ وہ کس بارے میں بات کر رہی ہیں۔

''تمہاری شادی کے بارے میں اور کس چیز کے بارے میں' تمہارے سب دوستوں کی شادی ہو چکی ہے اب تمہاری بھی ہو جانی چاہیے، ویسے بھی ابھی تم پاکستان میں ہو اور شادی کے لیے اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔''

میں نے ایک گہری سانس لے کر اخبار سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

''ہاں واقعی اب مجھے شادی کر ہی لینی چاہیے۔''

''شکر ہے تمہیں بھی عقل آئی۔'' ماما میری بات سن کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

''کوئی لڑکی دیکھی ہے یا وہ بھی مجھے ہی دیکھنا پڑے گی۔'' انہوں نے پوچھا تھا۔

''ہاں دیکھ لی ہے۔''

''اچھا کیا نام ہے؟ تعلیم، شکل وصورت کے بارے میں بتاؤ، کس فیملی کی ہے؟'' انہوں نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔

''نام کشف ہے۔ میرے ساتھ ہی آئی آر میں ایم اے کیا ہے آج کل فیصل آباد میں اے سی ہے۔ عارف کے ماتحت کام کرتی ہے، جہاں تک شکل کا تعلق ہے تو ظاہر ہے مجھے تو خوبصورت ہی لگتی ہے آپ کو شاید نہ لگے، نارمل شکل وصورت ہے۔ اس کی فیملی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ وہ ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔''

میں نے بڑے آرام سے ان کے سارے سوالوں کا جواب دیا تھا۔ ماما کے تاثرات دیکھ کر مجھے حیرانی ہوئی۔ انہوں نے کہا۔

''میرا خیال ہے تم مذاق کر رہے ہو۔''

''میں بالکل سنجیدہ ہوں اور آپ نے یہ کیسے سوچا کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔''

''تو اس لڑکی کے لیے اتنے سالوں سے جوگ لے کر بیٹھے تھے۔'' مجھے ان کی بات بہت انسلٹنگ لگی۔

''میں نے کسی کے لیے جوگ نہیں لیا، پہلے میں نے شادی کے بارے میں سوچا نہیں تھا۔ اب سوچا ہے تو اپنی پسند بتا دی ہے۔''

''تم نے کہا اور میں نے سن لیا، اب تم میری سنو اگر میں تمہاری چوائس کو ریجیکٹ کر دوں تو؟''

آپ اسے اپنے لیے ریجیکٹ کر سکتی ہیں میرے لیے نہیں۔ مجھے ہر قیمت پر اسی سے شادی کرنا ہے۔'' میں نے حتمی انداز میں کہا۔

''دیکھو زارون! وہ خوبصورت نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں، اس کی تعلیم کم ہوتی تب بھی ٹھیک تھا مگر اس کا فیملی بیک گراؤنڈ بہت اچھا ہونا چاہیے۔''

انہوں نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''فیملی بیک گراؤنڈ کو مجھے کیا کرنا ہے۔ مجھے اس سے شادی کرنی ہے اس کی فیملی سے نہیں اور پھر شادی کے بعد وہ ہماری فیملی کا حصہ بن جائے گی۔''

''تمہیں اس کے فیملی بیک گراؤنڈ سے مطلب ہو یا نہ ہو مجھے ہے۔ ہمیں اسی سوسائٹی میں رہنا ہے۔ ہمارا ایک اسٹیٹس ہے۔ ایک سوشل سرکل ہے۔ اسے کیسے متعارف کروائیں گے ہم جب لوگ پوچھیں گے کہ اپنے ہونہار لائق سپوت کے لیے کون سا ہیرا پسند کیا ہے آپ نے اور جب لوگ تم سے پوچھیں گے کہ تم اس کی کون سی خوبی پر عاشق ہوئے ہو تو کیا کہو گے؟ اس کی معمولی شکل پر ''معمولی حیثیت پر یا مڈل کلاس پر؟ بتاؤ کیا کہو گے؟'' ماما کا لہجہ بہت خشک تھا۔

''اس کے بے داغ کردار پر۔'' میں نے اتنی ہی تیزی سے کہا تھا۔

''ہاہ! بے داغ ماضی اور بے داغ کردار پر۔ مڈل کلاس کی لڑکیاں اپنی پارسائی کے بس ڈھونگ ہی کرتی ہیں۔ کچھ اور نہیں ہوتا اس لیے تم جیسوں کو پھانسنے کے لیے یہ حربہ ہی استعمال کرتی ہیں۔ ارے کیسا بے داغ کردار ہے اس کا کہ تمہیں پھانس لیا۔ اگر اتنی ہی پارسا ہوتی تو تم سے ملنا تو ایک طرف تمہاری شکل بھی نہ دیکھتی کہاں یہ کہ رومانس فرما رہی ہے۔ کیا بے داغ کردار ہے۔''

''تب آپ کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ وہ آپ کے بیٹے کا منہ بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ آپ کے اس اعلیٰ وارفع بیٹے کا اور آپ کو یہ جان کر مزید خوشی ہو گی کہ وہ مجھے نہیں پھانس رہی ہے میں اسے پھانس رہا ہوں۔''

''جب وہ تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تو تم سے شادی کیسے کرے گی؟'' ماما نے مجھ پر طنز کیا تھا۔

''یہ آپ کا نہیں میرا مسئلہ ہے۔'' میں نے ان کے طنز کو نظرانداز کر دیا۔

''اس میں ایسا ہے کیا جو تم اس طرح پاگل ہو رہے ہو؟''

''جو پسند آیا تھا۔ وہ آپ کو بتا دیا ہے ویسے یہ سوال آپ نے کبھی میرے بھائیوں سے نہیں کیا جب انہوں نے لو میرج کی تھی۔''

''تم اپنے بھائیوں کا کشف کے ساتھ موازنہ مت کرو کیونکہ ان کے درمیان کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے اور تمہارے بھائیوں نے لو میرج کرتے وقت تمہاری طرح آنکھیں بند کر کے عشق نہیں فرمایا تھا۔ انہوں نے ہر چیز کا خیال رکھا تھا۔''

''انہوں نے محبت نہیں بزنس کیا تھا مگر میں بزنس نہیں کروں گا میں ہر قیمت پر کشف ہی سے شادی کروں گا۔''

وہ میری بات پر یک دم کھڑی ہو گئیں۔

''میرے خیال میں اس بارے میں تم اپنے ڈیڈی سے بات کرو تو ٹھیک ہے۔ شاید وہ تمہیں وہ سب سمجھانے میں کامیاب ہو جائیں جو میں نہیں سمجھا سکتی۔''

''کوئی مجھے کچھ بھی سمجھا نہیں پائے گا۔ میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔''

''ٹھیک ہے تم فیصلہ نہیں بدلو گے تو پھر اس لڑکی یا ہم میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کر لینا۔''

وہ بڑے غصے میں یہ کہہ کر میرے کمرے سے نکل گئیں۔

میں جانتا تھا کہ ماما آج ہی سب کچھ ڈیڈی کو بتا دیں گی اور ڈیڈی کو کسی صورت میں قائل نہیں کر سکتا تھا۔ صرف سرابرار تھے جو یہ کام کر سکتے تھے۔ میں سرابرار سے بات کرنے کالج چلا گیا۔ مجھے دیکھ کر وہ حیران ہوئے تھے۔

''سر! کیا آپ میرے ساتھ گھر چل سکتے ہیں؟''

''کیوں بھئی۔ ایسی کیا بات ہو گئی ہے؟''

''پلیز، یہاں مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔ میرے ساتھ چلیں، میں گاڑی میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔'' پتا نہیں میرے لہجے میں کیا تھا کہ وہ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے مگر گاڑی میں بیٹھتے ہی انہوں نے کہا۔

''ہاں بھئی! کیا معاملہ ہے؟''

''سر! میری شادی کا معاملہ ہے۔''

''تو اس میں تم مجھے کیوں انوالو کر رہے ہو؟ اور کیا اتنی معمولی سی بات کے لیے مجھے لے کر آئے ہو۔'' وہ کافی ناراض ہو گئے تھے۔

''سر! یہ اہم مسئلہ ہے۔ میں اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور ماما اس پر تیار نہیں ہیں۔ انہوں نے مجھے گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ آج لنچ پر ہی ڈیڈی سے بات کر لیں گی۔ اس لیے میں آپ کو لنچ سے پہلے لایا ہوں۔'' میں نے انہیں پوری بات بتا دی۔

''کس سے شادی کرنا چاہتے ہو تم کہ بھابھی تمہیں گھر سے نکال دینا چاہتی ہیں؟''

میں نے جھجکتے ہوئے کشف کا نام لے دیا۔

''کیا؟ کشف مرتضیٰ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے ان کے سوال پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اس کشف سے جس پر تم نے ہاتھ اٹھایا تھا، جو تمہارے نزدیک معمولی شکل وصورت کی عام سی لڑکی تھی۔ زارون! کیا تم مذاق کر رہے ہو؟'' انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ وہ سب ماضی کا حصہ ہے میں اسے واقعی پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''اور یہ پسندیدگی میرے گھر پر ہونے والی ملاقات کے بعد شروع ہوئی ہوگی۔'' انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا تھا میں ہنس پڑا۔

''اوہ نو۔ میں اس سے پہلے بھی دو بار مل چکا ہوں۔ آپ کے گھر پر تو تیسری ملاقات ہوئی تھی۔''

''واٹ؟'' وہ بے اختیار بول اٹھے۔ ''تم نے مجھے نہیں بتایا اور اس نے بھی ظاہر نہیں کیا۔ تم دونوں نے مجھے بے وقوف بنایا۔''

''نہیں، ایسا نہیں ہے وہ ملاقاتیں اتنی اچھی نہیں تھیں کہ ان کے بارے میں بتایا جاتا۔'' میں نے اپنی پوزیشن کلیئر کی۔

''تم نے کشف سے اس معاملے میں بات کی؟''

''پہلے اپنے والدین سے تو بات کر لوں پھر اس سے بھی کر لوں گا۔''

''اس کا مطلب ہے وہ تم سے شادی پر تیار ہے؟'' انہوں نے میری بات کا الٹا مطلب لیا۔

''شادی تو دور کی بات ہے، وہ تو میری شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی مگر ظاہر ہے اس کے والدین میرے جیسا پرپوزل کہاں رد کر سکتے ہیں۔'' میں نے ان کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دی تھی۔

''اگر وہ تمہاری شکل دیکھنے پر تیار نہیں ہے تو شادی کے لیے کیسے رضامند ہوگی، پھر تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہے کہ اس کے والدین تمہارا پرپوزل رد نہیں کر سکتے۔ وہ ماں باپ پر انحصار کرنے والی کوئی سولہ سترہ سال کی لڑکی نہیں ہے، میچور ہے، ایک اچھے عہدے پر فائز ہے، اس کے والدین اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی کہیں منگنی ہو چکی ہو۔ اس لیے بہتر ہے کہ پہلے تم کشف سے بات کر لو، یہ نہ ہو کہ تمہارے والدین تمہارا رشتہ لے کر جائیں اور اس کی شادی میں شرکت کر کے واپس آئیں۔''

وہ واضح طور پر میرا مذاق اڑا رہے تھے۔

''لیکن اب میں ماما سے بات کر چکا ہوں اور وہ ڈیڈی کو بھی بتا دیں گی اس لیے ابھی آپ ان سے تو بات کریں۔''

میں لنچ سے کچھ دیر پہلے سر ابرار کے ساتھ گھر پہنچ گیا تھا۔ ڈیڈی ابھی گھر نہیں آئے تھے اور ماما سر ابرار کو دیکھتے ہوئے پریشان ہو گئی تھیں۔ وہ جان گئی تھیں کہ میں انہیں کیوں لایا ہوں اندر سے وہ یقیناً پیچ و تاب کھا رہی ہوں گی مگر بظاہر انہوں نے بڑی خوش دلی سے سر ابرار کا استقبال کیا تھا۔

ڈیڈی سر ابرار کو دیکھ کر کافی حیران ہوئے تھے کیونکہ وہ کبھی بھی اس وقت ان سے ملنے نہیں آتے تھے، مگر انہوں نے وجہ نہیں پوچھی لنچ کے بعد سر ابرار نے ڈیڈی سے کہا تھا۔

''جنید! مجھے تم سے کچھ کام ہے۔'' ڈیڈی انہیں لے کر اسٹڈی میں چلے گئے اور میں اپنے کمرے میں، تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد ملازم مجھے بلانے آیا تھا۔

جب میں اسٹڈی میں گیا تو وہاں مکمل خاموشی تھی۔ کسی نے مجھے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔ میں خود ہی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''تو شادی سے انکار کی یہ وجہ تھی۔ اگر آج یہ وجہ بتا سکتے ہو تو سات سال پہلے بھی بتا سکتے تھے، اتنے انتظار کی کیا ضرورت تھی؟'' ڈیڈی نے میرے بیٹھتے ہی کہا تھا۔

''میں پچھلے سات سال سے اس کے بارے میں لاعلم تھا پھر میں نے کبھی اس کے بارے میں اس انداز میں سوچا بھی نہیں تھا۔ اب ایسا ہوا ہے تو میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔''

''میں تمہاری اس explanation (وضاحت) کو نہیں مان سکتا۔''

''مگر یہ سچ ہے۔''

''ہاں بہت سچے ہو تم! دنیا تمہارے سچ کی وجہ سے ہی تو چل رہی ہے مگر میں ایک بات واضح کر دوں میں قطعاً بھی شادی کے لیے رضامندی نہیں دوں گا۔ ہاں اپنی مرضی کرنا چاہتے ہو تو کر لو مگر ہم سے کوئی تعلق نہ رکھنا اور تمہیں ان سب آسائشات سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا۔'' انہوں نے یک دم ہی مجھے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ یہی چاہتے ہیں تو ایسا ہی سہی۔ میں ان آسائشات کے بغیر بھی رہ سکتا ہوں۔ اتنا حوصلہ ہے مجھ میں کہ مشکل وقت کا مقابلہ کر سکوں۔''

''کہنا بہت آسان ہوتا ہے کرنا اتنا ہی مشکل۔ مشکل وقت کا مقابلہ تم کرو گے؟ تم! تمہیں مشکل وقت صرف کہنا آتا ہے کبھی مشکل وقت دیکھا ہے تم نے؟ کبھی کوئی تنگی دیکھی ہے؟ کسی چیز کے لیے دل مارنا پڑا تمہیں۔ تمہیں معلوم ہے ایک سال میں کتنا خرچ کرتے ہو تم؟ یہ جو کپڑے ہیں نا تمہارے جسم پر یہ تمہاری دو ماہ کی تنخواہ کے برابر کی قیمت کے ہیں اور یہ جو گھڑی باندھی ہوئی ہے نا تم نے اس کی قیمت تمہاری چھ ماہ کی تنخواہ کے برابر ہے۔ بات کرتے ہو مشکل وقت گزارنے کی۔ ذرا اپنے ایک ماہ کے اخراجات کی لسٹ تو بناؤ اور دیکھو کہ تمہاری تنخواہ سے ان میں سے کون سے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں۔ اپنی تنخواہ سے تو تم ایک دن نہیں گزار سکتے آخر کون کون سی شاہ خرچیاں چھوڑو گے؟''

''ٹھیک ہے آپ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے مگر آپ نے یہی سب کچھ اپنی دوسری اولاد کو بھی دیا ہے۔ مجھے دوسروں سے زیادہ کچھ نہیں دیا اور پھر آپ کے پاس دولت تھی تو آپ نے مجھے آسائشات دیں نہ ہوتیں تو کبھی نہ دیتے اور کوئی اتنا بڑا احسان نہیں کیا آپ نے، سب ماں باپ اپنی اولاد کے لیے یہی سب کچھ کرتے ہیں، میں بھی کروں گا۔

لیکن میں آپ کو صاف صاف بتا رہا ہوں میں یہ فیصلہ اپنی مرضی سے کروں گا۔ میں اپنی زندگی کو اپنے طریقے سے گزاروں گا۔ آپ اگر......''

''ٹھیک ہے جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی ہوگا۔ اب یہاں سے چلے جاؤ۔'' ڈیڈی نے میری بات کاٹ کر بڑی درشتگی سے مجھ سے کہا تھا۔

''آپ مجھے......'' میں نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی مگر انہوں نے میری بات دوبارہ کاٹ دی۔

''تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری مزید بکواس سننے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ اب یہاں سے جاؤ۔''

میں بڑی خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آ گیا تھا۔

بہت عجیب سے جذبات ہیں اس وقت میرے، مجھے ان کی اس رضامندی کی ذرا سی خوشی نہیں ہے۔ میں نے انہیں بہت ہرٹ کیا ہے میں ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر پتا نہیں ایسا کیسے ہو گیا۔ شادی کے لیے کشف کیوں میرے ذہن میں آئی؟ مجھے یہ بھی پتا نہیں۔ بہت سی چیزیں، بہت سی باتیں، بہت سے فیصلے بس ایسے ہی ہو جاتے ہیں نہ جانتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے۔

❁

20اپریل

میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سات سال بعد یہ شخص زارون جنید میرے لیے دوبارہ عذاب بن جائے گا۔ اس قدر ڈھیٹ اور کمینہ آدمی میں نے پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔

آج میں بہت تھکی ہوئی تھی۔ ایک بڑے سیاسی لیڈر کی پبلک میٹنگ کے انتظامات کا جائزہ لے کر آئی تھی۔ جب غیر متوقع طور پر امی کا فون آ گیا۔ امی نے میری خیریت پوچھتے ہی مجھ سے کہا تھا۔

''تمہارے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہے۔''

ان کی بات مجھے غیر معمولی نہیں لگی۔ میں جانتی تھی کہ آج کل وہ میرے رشتے کے بارے میں کافی فکر مند رہتی ہیں۔

''وہ لوگ بہت اعلیٰ خاندان کے ہیں۔ میں تو حیران ہوں کہ ہمارے گھر آ کیسے گئے۔'' امی نے لمبی تمہید باندھنا شروع کی۔

''امی پلیز! مختصر بات کریں۔ تعریفوں کے اتنے لمبے پل مت باندھیں۔'' میں کھانا کھا کر جلد از جلد سو جانا چاہتی تھی۔

''وہ لوگ لاہور سے آئے ہیں۔ ان کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ یہ ان کا سب چھوٹا بیٹا ہے۔ تمہارے والے مضمون میں ہی ایم اے کیا ہے اس نے بھی اور آج کل وزارت خارجہ میں افسر ہے۔ اسلام آباد میں ہوتا ہے، وہ اپنا کارڈ بھی دے کر گئے ہیں اور لڑکے کا نام......''

''زارون جنید ہے۔ ہے نا؟'' میں تب تک جان چکی تھی کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔

امی حیران ہوئی تھیں۔ ''تمہیں کیسے پتا؟''

''آپ ایسا کریں کہ کارڈ سے اس کے گھر کا نمبر مجھے بتائیں اور اس رشتے کو بھول جائیں۔''

''کشف! تم کیا کرنا چاہتی ہو؟'' امی پریشان ہو گئی تھیں۔

''کچھ بھی نہیں، آپ بس نمبر مجھے لکھوا دیں۔''

کچھ توقف کے بعد انہوں نے مجھے فون نمبر لکھوا دیا تھا۔ پھر میں اس فون نمبر پر رنگ کرتی رہی۔ چند بار نمبر ملانے کے بعد نمبر مل ہی گیا تھا۔

کسی نے فون اٹھایا تھا میں نے نمبر دہرا کر پوچھا۔

''جی جہاں، آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟'' اس شخص نے کہا۔

''زارون اگر گھر پر ہے تو اسے بلا دیں۔''

''جی وہ گھر پر ہیں۔آپ کون ہیں؟''

''میرا نام صائمہ ہے، میں ان کی دوست ہوں۔''

وہ مجھے ہولڈ کرنے کا کہہ کر چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد ریسیور میں جو آواز ابھری تھی اسے سن کر پہچاننے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی وہ زارون تھا۔

''ہیلو۔آپ کون ہیں؟'' کچھ دیر کے لیے تو میں طیش کے مارے کچھ بول ہی نہیں پائی، پھر میں نے اس سے کہا۔

''تمہاری اتنی ہمت کیسے ہوئی کہ تم اپنے والدین کو میرے گھر بھیجو''

''اوہ یہ تم ہو۔'' اس کی آواز ایک دم آہستہ ہو گئی تھی، میں تمہارا فون آنے کی توقع تو کر رہا تھا مگر اتنی جلدی نہیں۔دیکھو، میں اس وقت کھانا کھا رہا ہوں۔تم کچھ دیر بعد مجھے رنگ کرنا۔''

''میں تمہیں دوبارہ فون نہیں کروں گی۔ مجھے صرف یہ بتانا تھا کہ آئندہ اپنے والدین کو ہمارے گھر مت بھیجنا۔''

''اس مسئلے پر کچھ دیر بعد بات کریں گے۔چلو میں خود تمہیں رنگ کر لوں گا۔''

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے فون بند کر دیا۔تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد اس نے مجھے فون کیا تھا۔

''تم نے فون کر ہی لیا ہے تو میں اپنی بات دہرا دیتی ہوں۔اپنے ماں باپ کو اب میرے گھر مت بھیجنا۔''

''کیوں؟''

''وہ میرا گھر ہے اور میں وہاں فضول لوگوں کا آنا جانا پسند نہیں کرتی۔''

''وہ تمہارا گھر نہیں ہے، تمہارا گھر وہ ہے، جو میرا گھر ہے جہاں تک والدین کو روکنے کی بات ہے تو وہ میں نہیں کر سکتا، انہیں میری شادی کرنا ہے اب یہ ان کی مرضی کہ وہ رشتہ لے کر کہاں جاتے ہیں۔''

مجھے اس کی بات پر بے تحاشا طیش آیا تھا۔

''اب اگر وہ ہمارے گھر آئے تو میں ان کی بہت انسلٹ کروں گی۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتیں۔''

''انہیں میرے گھر بھیج کر دیکھ لینا کہ میں ایسا کر سکتی ہوں یا نہیں۔''

میں نے فون بند کر دیا۔اس نے دوبارہ رنگ کرنے کی کوشش نہیں کی اور میں نے کم از کم اس بات پر سکون کا سانس لیا تھا۔

میں نہیں جانتی تھی کہ یہ شخص اس قدر ڈھیٹ ہے اور مجھے حیرت ہے کہ اس نے میرے گھر کا پتا کہاں سے لیا ہے۔ پہلے بھی مجھے اس کی وجہ سے پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔اب پھر وہ میرے لیے مصیبت بن گیا ہے، پتا نہیں خدا مجھے پر سکون کیوں نہیں رہنے دیتا۔ ہر آدمی کو کبھی نہ کبھی تو آرام مل

ہی جاتا ہے مگر میرے نصیب میں تو شاید یہ ہے ہی نہیں۔

25 اپریل

کچھ دن اتنے خوبصورت ہوتے ہیں کہ آپ کو ہمیشہ یاد رہتے ہیں حالانکہ آپ کو ظاہراً ان دنوں میں کچھ نہیں ملتا۔ آج کا دن بھی ایسا ہی تھا آج پہلی بار میں کشف کو جھکانے میں کامیاب ہوا ہوں اور اس خوشی کو، اس احساس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

آج سرابرار نے کشف کو اپنے گھر بلایا تھا۔ میں صبح سے ان کے پاس تھا کیونکہ کشف نے اپنے آنے کا وقت نہیں بتایا تھا۔ جب ملازم نے اس کے آنے کی خبر دی تو سرابرار نے مجھے ساتھ والے کمرے میں بھیج دیا۔ میں ایک چیئر اٹھا کر اس کمرے کے دروازے کے پاس لے آیا اور دروازے کو تھوڑا سا کھول دیا تاکہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن سکوں جہاں میں بیٹھا تھا وہاں سے اس کی پشت صاف نظر آ رہی تھی۔ لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی سو میں خاصا بے فکر تھا۔

رسمی بات چیت کے بعد سرابرار سے اس نے اس بلاوے کی وجہ پوچھی تھی۔

''کشف ایک دن پہلے زارون کے پیرنٹس تمہارے گھر گئے تھے؟''

سرابرار نے بات شروع کی۔ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اس کے بولنے سے اندازہ ہوا کہ وہ کافی حیران تھی۔

''سر! آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''انہیں میں نے ہی تمہارے گھر بھیجا تھا۔''

''تو پھر آج بھی آپ نے مجھے اسی لیے بلایا ہوگا۔''

''ہاں۔ میں نے تمہیں یہ جاننے کے لیے بلایا ہے کہ تم انکار کیوں کر رہی ہو؟''

''سر! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں انکار کیوں کر رہی ہوں اور مجھے آپ سے کم از کم یہ توقع نہیں تھی کہ آپ اس کی سفارش کریں گے۔''

اس کے لہجے میں شکایت کا عنصر نمایاں تھا۔

''دیکھو کشف! اگر تمہارے انکار کی وجہ صرف وہ واقعہ ہے تو یہ کوئی وجہ نہیں ہے۔ وہ سب ماضی کا حصہ ہے اور ماضی کو بھلا دینا بہتر ہوگا۔ پھر اس نے تب بھی تم سے معافی مانگی تھی اور اب بھی اگر تم چاہو تو وہ دوبارہ معذرت کرنے کے لیے تیار ہے اس ایک بات کے علاوہ تم کس بنیاد پر یہ پرپوزل ریجیکٹ کر رہی ہو؟''

سرابرار اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''سر! آپ اس کی طرف داری کیوں کر رہے ہیں؟''

''کیونکہ وہ میرا اسٹوڈنٹ ہے اور تم بھی اور ہر ٹیچر اپنے اسٹوڈنٹس کی بہتری ہی چاہتا ہے اور پھر میں اس سے زیادہ تمہاری بہتری کے

لیے سوچ رہا ہوں۔ تمہیں اس سے اچھا شخص نہیں ملے گا۔''

''آپ اسے اچھا کیوں کہہ رہے ہیں۔ کیا صرف دولت اور خوبصورتی کی وجہ سے؟ یہ دونوں چیزیں کبھی مجھے انسپائر کرتی تھیں، اب نہیں اب میری زندگی میں ان کی اہمیت کافی کم ہو چکی ہے اور اس پر پوزل سے انکار کی واحد وجہ وہ واقعہ نہیں ہے اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ سر! میں بہت عملی اور حقیقت پسند ہوں میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو صرف یہ دیکھ کر شادی کر لیتی ہیں کہ امیر بندے سے شادی کر کے وہ مڈل کلاس سے اپر کلاس میں چلی جائیں گی۔ میری بہنوں کی شادی وہاں ہوئی ہے جہاں بے تحاشا پیسہ نہیں ہے مگر وہاں ان کی عزت اور قدر ضرور کی جاتی ہے انہیں یہ فکر نہیں ہے کہ پتا نہیں ان کا شوہر کہاں ہوگا؟ کس کے ساتھ ہوگا کیا کر رہا ہوگا؟ انہیں یہ مسئلہ نہیں ہے کہ ان کے شوہر کے افیئر زہیں یا ایسی دوسری چیزیں اور آپ زارون کو لیں۔ میں ایسے بندے سے شادی کیسے کر سکتی ہوں جس کا ماضی میرے سامنے ہے، جو عورت کو وقت گزارنے کا ذریعہ سمجھتا ہے جو عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا، آپ کہیں گے وہ بدل گیا ہے میں کہتی ہوں وہ نہیں بدلا نہ بدل سکتا ہے پھر میرے اور اس کے خاندان کے درمیان کوئی میچ نہیں ہے یہ طبقاتی فرق میرے لیے ہمیشہ عذاب رہے گا۔

میں مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہوں اور وہ یہ بات کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔ میری ہر غلطی کو وہاں ایکسپلائٹ کیا جائے گا۔ ہر بات پر نکتہ چینی کی جائے گی۔ انسان اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے شادی کرتا ہے مزید مشکل بنانے کے لیے نہیں۔ سو میں زارون سے شادی نہیں کر سکتی۔''

وہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہوگئی۔ سر ابرار بھی چپ تھے۔ میں دروازہ کھول کر اسٹڈی میں آگیا۔

کشف نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

''کشف! کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم خود زارون سے بات کرلو۔'' سر ابرار مجھے دیکھ کر بولے تھے۔

''اب کسی بات کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سب کچھ سن چکا ہے اور وہ مجھے قائل نہیں کر سکتا۔''

میں اس کی بات پر حیران رہ گیا تھا وہ میری موجودگی سے باخبر تھی اور سر ابرار مجھ سے زیادہ حیران تھے۔ میں کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''ہاں میں تمہاری ساری باتیں سن چکا ہوں اور تم بھی مجھے قائل نہیں کر سکیں۔ تمہاری ساری وجوہات تمہارے ذاتی مفروضات پر مبنی ہیں اور زندگی مفروضات کے سہارے نہیں گزاری جاسکتی۔''

اس نے میری طرف دیکھا نہ میری بات کا جواب دیا بس کارکی رنگ سے ٹیبل کو کھرچتی رہی۔

''تم دونوں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔''

سر ابرار وہاں سے چلے گئے۔ ان کے باہر جاتے ہی اس نے کہا۔

''دیکھو جو میرا فیصلہ تھا، وہ میں سنا چکی ہوں پھر بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''دیکھو کشف! میں ویسا نہیں رہا جیسا پہلے تھا۔ میں واقعی بدل چکا ہوں۔ کسی کو بدلنے کے لیے ایک لمحہ بھی کافی ہوتا ہے تو کیا مجھے بدلنے کے لیے سات سال کافی عرصہ نہیں ہے؟ میں جانتا ہوں میں پرفیکٹ نہیں ہوں۔ تم بھی پرفیکٹ نہیں ہو، کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ بس کچھ لوگ

دوسروں سے بہتر ہوتے ہیں اور کچھ بدتر۔ تمہارے نزدیک میں بہتر نہیں ہوں، اپنی نظر میں میں بدتر نہیں ہوں اور تمہارے نزدیک کلاس کب سے اہم ہونے لگی؟ تم تو کہا کرتی تھیں کہ شرم اس بات پر آنی چاہیے اگر آپ برے کام کریں۔ آپ چور ہوں، کسی کو تکلیف پہنچائیں، کسی کو قتل کر دیں۔ اس پر نہیں کہ آپ غریب ہیں۔ تمہارے نزدیک تو میری کلاس عزت کے قابل بھی نہیں تھی پھر آج یہ تبدیلی کیوں؟''

''صرف میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے عزت کے قابل صرف تم لوگوں کو ہی سمجھا جاتا ہے۔'' اس کا انداز پھر وہی تھا۔

''لیکن میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''ایک پیدائشی فلرٹ کے منہ سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔'' وہ میری بات پر غرائی تھی۔

''ایسی لڑکیوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں تو سینکڑوں میں ضرور ہو گی جن سے تم یہی جملہ کہہ چکے ہو۔''

''لیکن تم سے میں سچی محبت کرتا ہوں۔''

''سچی محبت یہ بھی تم بہت لڑکیوں سے کر چکے ہو۔ تم جیسا شخص جب یہ بات کرتا ہے تو مجھے ہنسی آتی ہے۔ تم ہر لڑکی کو ایک ہی سبز باغ دکھانے بیٹھ جاتے ہو۔''

''میں اب بھی یہی کہوں گا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

میں نے بڑے اطمینان سے اپنی بات دہرا دی۔

''دیکھو میں کوئی ٹین ایجر نہیں ہوں، جسے تم ان باتوں سے بہلاؤ اور وہ بہل جائے۔ کیا ہوتی ہے یہ محبت اور بقول تمہارے سچی محبت۔ ہمارے مذہب اور معاشرے دونوں میں کہاں اس کی گنجائش ہے۔ ایک ڈھونگ رچایا ہوتا ہے تم لوگوں نے لڑکیوں کو فلرٹ کرنے کے لیے دھوکا دینے کے لیے اور تم انہیں بے وقوف بنانے میں کامیاب رہے ہو۔ لیکن اس قسم کی سچی محبت کی نہ مجھے ضرورت ہے اور نہ کوئی اہمیت ہے۔ سو بہتر ہے یہ ڈھونگ تم کسی اور کے سامنے کرو۔''

اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا مگر مجھے اس کی باتیں بری نہیں لگیں۔

''تم نے جو کچھ کہا میں اس سے انکار نہیں کرتا۔ سوائے اس بات سے کہ میں تم سے فلرٹ کر رہا ہوں۔ جو فلرٹ کرتے ہیں، وہ نہ تو اپنے پرپوزل بھیجتے ہیں اور نہ اس طرح اپنی انسلٹ برداشت کرتے ہیں، میرے بارے میں تم نے جو کچھ کہا وہ ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے تم میرے ساتھ پڑھتی رہی ہو سو میرے ماضی سے واقف ہو۔ تمہارے خیال میں میں نہ تو شریف ہوں نہ عورت کی عزت کرتا ہوں لیکن کیا تم یہ بات یقین سے کہہ سکتی ہو کہ جس شخص سے تم شادی کرو گی، وہ پارسا ہو گا اسے عورت کی عزت کرنا آتا ہو گا اس کا نہ تو کبھی کوئی افیئر رہا ہو گا نہ ہی اس نے کبھی کسی لڑکی کی طرف غلط نظر سے دیکھا ہو گا؟ نہیں کشف! تم کبھی بھی یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتیں۔ ہو سکتا ہے تمہارا شوہر تم سے اپنا ماضی چھپائے۔ تمہارے سامنے وہ خود کو بڑا اچھا ظاہر کرے۔ جیسے میں اپنی بیوی سے اپنا ماضی چھپاؤں گا اور وہ مجھے بہت اچھا سمجھے گی جب تک کہ میری کوئی غلطی اس کے سامنے نہ آ گئی۔ کیا تم بھی یہی نہیں کرو گی؟

مجھ پر تمہیں اس لیے اعتراض ہے کہ تم میرے ماضی سے واقف ہو، اپنے شوہر پر اس لیے اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ اس کا ماضی تم سے پوشیدہ ہوگا اور اگر کبھی اس کے خراب ماضی کے بارے میں جان گئیں تو پھر کیا کرو گی کیا اسے چھوڑ دو گی یا معاف کر دو گی؟ کیا اس وقت میں تمہیں یاد نہیں آؤں گا۔ کیا تم یہ نہیں کر سکتیں کہ میرے ماضی کی غلطیوں کے لیے مجھے معاف کر دو۔ میں غلطیوں سے سیکھنے والا آدمی ہوں اور جس عمر میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں وہ تو جذباتی بھی نہیں ہے اور تو بی وری فرینک میں نے کبھی کسی عورت کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں عورت کی عزت نہیں کرتا تھا اور اب بھی نہیں کرتا ہوں مگر میرا رومانس یا افیئر صرف یہیں تک ہوتا تھا کہ میں لڑکیوں کو تحائف دیتا، چند ڈائیلاگ بول لیتا، ڈرائیو پر لے جاتا یا کسی ہوٹل میں ڈنر کے لیے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میں نے کبھی آخری حد پار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ پابندیاں میں نے خود پر لگا رکھی تھیں اور وہ آج بھی ہیں۔ مجھے اپنا کیریئر بنانا تھا اور غلط چیزوں میں پڑ کر میں اسے تباہ کر بیٹھتا اور میں یہ نہیں چاہتا تھا ہو سکتا ہے تمہیں میری باتوں پر یقین نہ آئے لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں۔

لیکن اگر تم میرا پرپوزل ریجیکٹ کر دو گی تو کیا ہوگا یہ بیسویں صدی ہے جوگ لینے کا زمانہ تو نہیں ہے۔ شادی تو مجھے کرنا ہی ہے آج نہیں تو چند سال بعد سہی، تمہارے جیسی کوئی لڑکی مجھے مل ہی جائے گی کیونکہ تم دنیا میں واحد اچھی لڑکی نہیں ہو۔ ہاں مگر میں تمہیں مس ضرور کروں گا کیونکہ اس میں ہر خوبی سہی پھر بھی وہ کشف نہیں ہوگی۔ اپنے دل سے میرے خلاف میل دور کر کے دیکھو شاید تمہیں فیصلے میں آسانی ہو پھر اگر تم نے میرے حق میں فیصلہ نہ بھی کیا تب بھی میں تمہیں دوبارہ تنگ نہیں کروں گا لیکن ایک دفعہ پوری غیر جانبداری سے میرے بارے میں سوچو۔''

چار ملاقاتوں میں پہلی بار اس نے خاموشی سے میری بات سنی تھی۔ میں کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا مگر وہ چپ رہی۔ پھر اسے خدا حافظ کہہ کر میں باہر آ گیا۔ سرابرار نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''کیا کہا ہے اس نے؟''

''ابھی تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے اسے سوچنے کے لیے وقت دیا ہے۔''

پھر انہیں وش کرتا ہوا میں گھر آ گیا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد سرابرار نے مجھے فون کیا تھا۔

''زونی! اب تم آئندہ میرے گھر مٹھائی لے کر آنا۔'' انہوں نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

''مٹھائی کس لیے؟'' میں کچھ حیران ہوا۔

''بھئی کشف مان گئی ہے اس لیے۔''

''وہاٹ اتنی جلدی؟'' میں حیران رہ گیا تھا۔

''اتنی جلدی سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ پانچ دس سال کے بعد کچھ کہتی؟''

''سر! اس نے کہا کیا ہے؟'' میں کافی بے چین تھا۔

''اس نے کہا ہے کہ تم اپنا پرپوزل بھیجو، اگر اس کے والدین کو مناسب لگا تو ٹھیک ہے، وہ انکار نہیں کرے گی۔''

سر ابرار نے مجھے بتایا تھا، میں نے شکریہ ادا کر کے فون رکھ دیا۔ پھر شام کو میں نے کشف کو فون کیا تھا۔ وہ واپس فیصل آباد پہنچ چکی تھی۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میں اس سے کچھ اور باتیں کرنا چاہتا تھا مگر اس نے اپنی مصروفیت کا کہہ کر فون بند کر دیا اور اب ڈائری لکھتے ہوئے میں سوچ رہا ہوں کہ وہ اتنی بری بھی نہیں ہے۔

.......❁.......

25 اپریل

آج میں نے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کیا ہے۔ شادی کرنے کا فیصلہ اور وہ بھی اس شخص سے جو چند دن پہلے میرے لیے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا۔ کالج میں وہ مجھے کبھی کسی بات پر قائل نہیں کر سکا حالانکہ وہ ہمیشہ دلائل کے ساتھ بات کیا کرتا تھا مگر آج پہلی دفعہ اس کی باتوں نے مجھے قائل کیا ہے۔

آج جب میں سر ابرار کے گھر گئی تو نہ تو مجھے یہ توقع تھی کہ وہاں میری ملاقات اس سے ہوگی اور نہ ہی مجھے یہ اندازہ تھا کہ سر ابرار مجھ سے اس موضوع پر بات کریں گے۔ حیرت کا پہلا جھٹکا مجھے تب لگا جب ملازم نے مجھے لاؤنج میں بٹھایا اور کہا کہ میں سر ابرار کو بتا کر آتا ہوں۔ پہلے وہ مجھے ہمیشہ سیدھا اسٹڈی میں لے جایا کرتا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ مجھے لے کر اسٹڈی میں گیا۔ اسٹڈی میں داخل ہوتے ہی میں جان گئی تھی کہ زارون وہاں ہے کیونکہ کالج سے لے کر اب تک وہ ایک ہی پرفیوم استعمال کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی اسٹڈی میں اسی پرفیوم کی خوشبو تھی لیکن وہ مجھے اسٹڈی میں نظر نہیں آیا۔ پھر جب میں کرسی پر بیٹھی تو ٹیبل پر مجھے جو کار کی رنگ نظر آیا وہ اسی کا تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کیونکہ جب وہ میرے آفس آیا تھا تو اس نے یہی کی رنگ میری میز پر رکھ دیا تھا۔

ٹیبل پر کافی کے دو کپ تھے۔ ایک سر ابرار کے سامنے تھا اور دوسرا ان کے بالمقابل رکھی ہوئی کرسی کے سامنے اور وہ کپ کافی سے آدھا بھرا ہوا تھا۔ وہ یقیناً وہیں تھا اس لیے سر ابرار نے ملازم کو ہدایت کی ہوگی کہ پہلے مجھے لاؤنج میں بٹھائے تاکہ وہ زارون کو ادھر ادھر کر سکیں پھر میں نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ کہاں ہو سکتا ہے؟ یقیناً اسٹڈی کے ساتھ والے کمرے میں اور بعد میں میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا اور جب سر ابرار نے اس کے پرپوزل کے بارے میں بات کرنا شروع کی تو میں جان گئی کہ یہ سب ڈرامہ کیوں ہو رہا تھا۔

میں سر ابرار کی باتوں سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوئی۔ مجھے ان کے خلوص پر شبہ نہیں تھا مگر یہ بھی جانتی تھی کہ وہ زارون سے بہت محبت کرتے ہیں اور صرف اس کی خاطر مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں یہ جانتی تھی کہ زارون ہماری باتیں سن رہا ہے۔ اس لیے میں نے بہت واضح انداز میں اس کے بارے میں اپنے خدشات اور خیالات بتائے تھے۔ لیکن جب اس نے بولنا شروع کیا تو میں حیران ہو گئی تھی۔

وہ بہت سنجیدہ تھا اور مجھے اس کی باتوں میں کوئی کھوٹ نظر نہیں آیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا یہ ضروری تو نہیں کہ جس سے میں شادی کروں وہ واقعی پارسا ہو۔ میں اس قدر خوش قسمت کہاں ہو سکتی ہوں اور اگر ایسا ہی ہونا ہے تو پھر زارون میں کیا برائی ہے۔ اس دور میں فرشتہ تو کوئی بھی نہیں ہوتا پھر کیا یہ

بہتر نہیں ہے کہ میں اس کی باتوں پر اعتبار کروں۔ شادی تو ویسے بھی جوا ہوتی ہے۔ سو میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں جوا زارون پر کھیلوں گی۔ اس کے جانے کے بعد سر ابرار نے اس کے بارے میں مجھے بہت سی یقین دہانیاں کرائی تھیں وہ نہ بھی کرواتے تب بھی میں اپنی رضامندی ضرور دے دیتی۔

کچھ دیر پہلے اس نے شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا تھا، شاید وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر پتا نہیں یک دم مجھے کیوں اس سے اتنی بے زاری ہونے لگی تھی۔ میں نے فون بند کر دیا تھا میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن پر خدا مہربان رہتا ہے۔ اس لیے اگر یہ فیصلہ غلط ثابت ہوتا ہے تب بھی یہ میرے لیے شاک نہیں ہوگا۔ مجھے آزمائشوں اور مصیبتوں کی عادت ہے۔ ایک اور سہی۔

.....❀.....

16 اکتوبر

اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں اور میں غصہ سے بے حال ہو رہا ہوں۔ پتا نہیں کشف خود کو سمجھتی کیا ہے۔ اسے کس چیز پر اتنا زعم ہے۔ کبھی کبھی وہ مجھے ایبنارمل لگتی ہے۔ میں صرف اس کی خاطر فیصل آباد گیا تھا اور اس کا رویہ اتنا روڈ تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ایک بار پھر وہ مجھے پہلے کی طرح خود سر اور اکھڑ لگی۔

آج جب میں اس کے آفس گیا تھا تو مجھے توقع نہیں تھی۔ کہ وہ مجھ سے دوبارہ وہی سلوک کرے گی۔ کارڈ بھیجنے کے بعد مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا حالانکہ اس کا پی اے پریشان تھا کیونکہ اس کے ذہن میں پچھلی ملاقات کا نقشہ یقیناً تازہ ہوگا۔

''بیٹھیں۔'' میرے اندر جاتے ہی اس نے سپاٹ انداز میں کہا تھا۔

''فرمائیے۔ اب کیا کام ہے؟''

میرے بیٹھتے ہی اس نے پوچھا تھا۔ اس کا انداز میرے لیے حیران کن تھا۔

''میں کس کام کے لیے آ سکتا ہوں یار! تم مجھ سے اس طرح بات کر رہی ہو جیسے مجھے جانتی ہی نہیں یا پہلی بار دیکھا ہے۔''

''تم مجھ سے آفس میں ملنے آئے ہو اور آفس میں مجھ سے ملنے وہی لوگ آتے ہیں جنہیں کوئی کام ہوتا ہے۔'' اس کا رویہ اب بھی وہی تھا۔

''چلو پھر یہی سمجھ لو کہ مجھے تم سے کام ہے۔ اصل میں ایک کانفرنس کے سلسلے میں لاہور آیا تھا۔ سوچا فیصل آباد جا کر تم سے مل لوں۔'' میں نے اسے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

''ٹھیک ہے۔ اب تم مجھ سے مل چکے ہو، اس لیے جا سکتے ہو۔'' اس نے بڑے کورے انداز میں کہا تھا۔

''میں تو کل صبح جاؤں گا۔ آج عارف کے پاس ٹھہروں گا۔ تم اب اپنا کام ختم کرو اور میرے ساتھ چلو۔ کہیں لنچ کرتے ہیں پھر ڈرائیو پر چلیں گے مگر پہلے تم مجھے چائے پلواؤ کیونکہ میں لاہور سے سیدھا تمہارے پاس آیا ہوں کچھ کھائے پیئے بغیر۔'' میں تب کافی اچھے موڈ میں تھا۔

''ٹھیک ہے اگر تم چائے پینا چاہتے ہو تو میں پلوا دیتی ہوں لیکن اس کے لیے تمہیں وزیٹرز روم میں جانا پڑے گا۔ میں پی اے کو چائے کے بارے میں کہہ دیتی ہوں اور لنچ یا ڈرائیو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم نے یہ سوچا کیسے کہ تم مجھے آفر کرو گے اور میں منہ اٹھا کر تمہارے ساتھ چل پڑوں

گی۔تمہارے نام کی ایک انگوٹھی ہے صرف میرے ہاتھ میں اور انگوٹھی مجھے تمہارے ساتھ گھومنے پھرنے کا کوئی جواز فراہم نہیں کرتی۔تمہارا شکریہ کہ تم مجھ سے ملنے آئے مگر آئندہ ایسی زحمت نہ کرنا۔یہاں لوگ میری عزت کرتے ہیں اور میں چاہتی ہوں وہ کرتے رہیں۔‘‘

’’تم زیادتی کر رہی ہو۔اسی آفس میں ایک بار پہلے بھی تم نے میری انسلٹ کی تھی۔تب میں برداشت کر گیا تھا لیکن اب نہیں کر سکتا۔ تمہیں مجھ پر اس قدر بے اعتباری ہے کہ بات تک کرنا پسند نہیں اور میں بے وقوفوں کی طرح تمہارے دل سے ماضی کی غلط فہمیوں کو نکالنے کی کوشش کرتا پھرتا ہوں۔میں کوئی بیکار یا آوارہ آدمی نہیں ہوں۔اتنا ہی مصروف رہتا ہوں جتنی تم بلکہ شاید تم سے بھی زیادہ مگر پھر بھی تمہارے لیے وقت نکال کر آیا ہوں اور تم مجھے یوں ٹریٹ کر رہی ہو جیسے میں کوئی مصیبت ہوں۔میں اب یہ سب کچھ برداشت نہیں کروں گا کیونکہ میں ایسے رویوں کا عادی نہیں ہوں، تمہیں خود کو بدلنا پڑے گا۔مجھ سے یوں بی ہیو کر کے تم اپنے لیے اچھا نہیں کر رہی ہو۔‘‘

میں یہ کہہ کر دروازہ پٹخ کر عارف کے پاس چلا گیا تھا۔رات کا کھانا کھانے کے بعد میں کمرے میں سونے چلا گیا۔جب عارف نے مجھے بلوایا تھا۔

’’تمہاری منگیتر یعنی ہماری اے سی کشف مرتضیٰ کا فون ہے اگر یہاں بات کرنی ہے تو کر لو ویسے بہتر ہے کہ فون اپنے کمرے میں لے جاؤ۔کیونکہ ہو سکتا ہے تم میرے سامنے ڈائیلاگز بولتے ہوئے شرماؤ اور اگر تم نہ شرمائے تو میں تو ضرور شرماؤں گا۔‘‘

وہ مجھے چھیڑ رہا تھا مگر میں اتنے اچھے موڈ میں نہیں تھا کہ اس کی چھیڑ چھاڑ کا جواب دیتا۔اس لیے خاموشی سے فون لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید کشف معذرت کرنا چاہتی ہے اور اس خیال نے مجھے خوش کر دیا تھا۔

’’دیکھیں زارون جنید صاحب! آفس میں میں آپ سے زیادہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس لیے میں نے آپ کو روکا نہیں۔لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جو کلیئر ہو جانی چاہییں۔میں آپ کی غلط فہمیاں دور کرنا چاہتی ہوں۔میں شادی سے پہلے آپ کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے کہیں نہیں جا سکتی۔میں ایسے چونچلے افورڈ نہیں کر سکتی۔میں نہیں چاہتی کہ آپ کے ساتھ لنچ پر جاؤں اور اگلے دن کسی لوکل اخبار میں میری تصویر آ جائے کہ خاتون اسسٹنٹ کمشنر اپنے آشنا کے ہمراہ! ہر کوئی یہ نہیں جانتا کہ تم میرے منگیتر ہو اور میں تمہارے لیے اپنا کیریئر داؤ پر نہیں لگا سکتی اور اگر مجھے یہ مجبوری نہ ہوتی، تب بھی میں تمہارے ساتھ ہوٹلنگ نہیں کر سکتی تھی۔جو باتیں مجھے دوسروں کے لیے بری لگتی ہیں انہیں خود کرنا کیسے شروع کر دوں۔سب سے آخری بات یہ ہے کہ مجھ میں ایسی بہت سی باتیں ہیں جو تمہیں ناپسند ہیں اور رہیں گی اس لیے بہتر ہے کہ شادی کے فیصلے پر ایک بار پھر نظر ثانی کر لو اور مجھے بتا دینا تاکہ میں تمہاری چیزیں تمہیں واپس بھجوا سکوں۔‘‘

اس نے میری ساری خوش فہمیوں کو یک دم ختم کر دیا تھا۔

’’کشف! تم کس قدر قدامت پسند ہو۔کتنی تنگ نظر ہو۔کیا تم آج کی عورت ہو؟ تم ہر روز مردوں سے ملتی ہو مگر اپنے منگیتر کے ساتھ تمہیں لنچ تو دور کی بات ملنا تک پسند نہیں۔‘‘

’’ہاں میں قدامت پسند ہوں اور مجھے اس بات پر فخر ہے۔‘‘ اس کی بات پر غصہ کی ایک لہر سی میرے اندر اٹھی تھی۔

''تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟''

''میں چاہتی ہوں کہ تم اس منگنی کے بارے میں ایک بار پھر سوچو اور یقین رکھو کہ اگر تم یہ منگنی توڑنا چاہو گے تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔''

''تم نے مجھ سے بات کرتے ہوئے دو بار منگنی توڑنے کا کہا ہے۔ تمہارے نزدیک رشتے توڑنا کیا اس قدر آسان ہے؟ بہر حال جو ہوا سو ہوا۔ اب میں تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ میں اگلے ماہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس ہفتے تاریخ طے کرنے کے لیے اپنے والدین کو تمہارے گھر بھیجوں گا اور پلیز میں کوئی بہانہ سننا نہیں چاہتا۔'' میں نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

''لیکن اتنی جلدی شادی کیسے ہو سکتی ہے۔ میں ابھی اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' پہلی دفعہ اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''میں کل تو شادی نہیں کر رہا ہوں۔ تمہارے پاس کافی دن ہیں۔ تم اپنے لیے کچھ زیور اور کپڑے تیار کروا سکتی ہو اور اگر اس لیے زیادہ دن چاہتی ہو کہ کوئی جہیز وغیرہ تیار کر سکو تو فارگیٹ اباؤٹ اٹ۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس ضرورت کی ہر چیز ہے۔ آج میں اسلام آباد میں پوسٹڈ ہوں۔ کل کسی اور ملک میں چلا جاؤں گا تو کیا چیزیں اٹھا کر پھرتا رہوں گا۔ تم اپنے والدین کو بتا دینا۔''

اس کا جواب سننے سے پہلے ہی میں نے فون رکھ دیا تھا۔ میرے دل میں اس کے لیے بہت غصہ ہے۔ اسے اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو خود کو بدلنا پڑے گا۔ اس حد تک جس حد تک میں چاہوں ورنہ اسے بہت برے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں شادی کے بعد اس کی کسی غلطی کو معاف نہیں کروں گا۔

❀

9 نومبر

سو آخر میں نے کشف کو پا ہی لیا اور آج میری شادی کو تین دن گزر چکے ہیں۔ وہ اپنے گھر جا چکی ہے اور میں ڈائری لکھ رہا ہوں۔ بہت سی باتیں ہیں جو مجھے لکھنا ہیں کیونکہ تین دن پہلے میں اپنی زندگی کے سب سے خوبصورت دور میں داخل ہوا تھا۔

جب کالج میں میں نے اسے پہلی بار دیکھا تو میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ معمولی شکل و صورت کی اس لڑکی کے لیے کبھی میں اتنی دیوانگی میں مبتلا ہو جاؤں گا کہ اس سے شادی کر لوں گا۔

شادی کی رسومات کے دوران میں اسے ٹھیک طرح نہیں دیکھ سکا لیکن گھر آنے کے بعد جب میں نے اسے دیکھا تو وہ قیامت لگ رہی تھی۔ میں بہت دیر تک اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا پایا۔ شاید پہلی بار میں نے اسے اتنا سجا سنورا دیکھا تھا اس لیے ایسا ہوا تھا۔ پھر رات کو جب میں اپنے کمرے میں گیا تو وہ دلہنوں والے روایتی انداز میں بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ خوشی کا ایک عجیب سا احساس ہوا تھا مجھے۔ شاید میری انا کی تسکین ہوئی تھی۔ میں سیدھا ڈریسنگ روم میں گیا اور جب کپڑے بدل کر آیا تو وہ تب بھی اسی طرح بیٹھی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے مجھے اس پر ترس آیا تھا۔ کیا محسوس کر رہی ہوگی وہ اس وقت؟ وہ تو مجھے اپنے سامنے بات نہیں کرنے دیتی تھی اور اب وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ میں ڈریسنگ روم سے آ کر بھی اس کے پاس نہیں گیا بلکہ کمرے میں ایئر فریشنر کا اسپرے کرنے لگا، پھر میں نے ڈریسنگ ٹیبل سے اینٹنی اٹھا کر اپنی نائٹ شرٹ پر اس کا

سپرے کیا، پھر میں فریج سے چاکلیٹ اور پیپسی کین نکال کر پینے لگا۔ صوفے پر بیٹھے ہوئے میں اطمینان سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا اس لیے میں اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پایا۔ لیکن مجھے یقین ہے اس وقت وہ مجھے دل میں گالیاں دے رہی ہوگی اور اب مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ اس رات ساڑھے بارہ بجے یخ پیپسی میرے لیے کافی نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی، آفٹر آل یہ ہے بھی نومبر کا مہینہ لیکن بس میں اسے کافی انتظار کروانا چاہتا تھا۔

چاکلیٹ ختم کرنے کے بعد میں نے واش روم جا کر دانت برش کیے۔ واپس آنے کے بعد میں اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا اور آہستہ سے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔ زندگی میں پہلی بار وہ میرے اس قدر قریب بیٹھی تھی۔ اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر تک میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

''اگر میں کوئی انا پرست آدمی ہوتا تو آج تمہارے ساتھ میرا سلوک کچھ اور طرح کا ہوتا لیکن تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں۔''

اس نے میری بات پر نظر نہیں اٹھائی۔ میں نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے ڈائمنڈ رنگ نکال لی۔

''اپنا ہاتھ دو۔'' میں نے انگوٹھی نکال کر کہا اس نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں لرزش تھی۔ مجھے بے اختیار اس پر پیار آیا۔ کیا وہ مجھ سے خوفزدہ تھی، حالانکہ وہ تو ہمیشہ مجھے ڈرایا کرتی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنائی۔ انگوٹھی پہننے کے بعد اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑے رکھا۔

''کیسا لگ رہا ہے یہاں آ کر؟'' میں نے اسے بولنے پر اکسایا لیکن وہ چپ رہی۔

''کچھ بولو گی نہیں؟ کیا ہاتھ نہیں چھڑاؤ گی؟ میری طرف دیکھو گی بھی نہیں؟ آر یو آل رائٹ؟'' میں نے اسے چھیڑا۔

''اگر دوسرا ہاتھ پکڑ لوں تو بھی کچھ نہیں کہو گی؟''

میری بات پر اس نے بے اختیار اپنا دوسرا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ میں کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ وہ بے حد کنفیوز لگ رہی تھی اور مجھے اس کی کنفیوژن مزہ دے رہی تھی۔

''تم تھک گئی ہوگی۔ کپڑے چینج کر لو۔''

میں نرمی سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی اپنا لباس سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب وہ ڈریسنگ روم سے باہر آئی تو نائٹی میں ملبوس تھی۔ جب وہ بیڈ پر بیٹھی تو میں نے اس سے کہا۔

''کشف! پہلے تم مجھ سے محبت نہیں کرتی تھیں۔ کیا اب کرو گی؟'' وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولی۔

''ہاں۔'' اس کا صرف ایک لفظ میرے اندر جلتی ہوئی ذلت کی اس آگ کو بجھا گیا جو وہ اپنی باتوں سے لگاتی رہی تھی۔ میں نے پہلے کبھی خود کو اس قدر مطمئن اور پرسکون محسوس نہیں کیا۔ میں والہانہ انداز میں اس سے محبت کا اظہار کرتا رہا۔ لیکن وہ پہلے ہی کی طرح تھی۔ سنجیدہ اور شرمائی شرمائی۔

صبح جب میں سو کر اٹھا تو وہ پہلے ہی اٹھ چکی تھی اور کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ میں گاؤن کی ڈوری بند کرتا ہوا اس کے پاس چلا گیا۔

''گڈ مارننگ!'' میں نے ہولے سے اس کے بالوں کو چھوا۔

''مارننگ۔''

''تم روز اتنی ہی جلدی اٹھتی ہو۔''

''ہاں۔'' وہ ہنوز میری طرف متوجہ نہیں تھی۔

''کشف! کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم ایک نظر مجھے بھی دیکھ لو۔ باہر کا نظارہ ایک رات کی دلہن کے لیے اس کے نئے نویلے شوہر سے زیادہ پرکشش نہیں ہو سکتا۔''

میں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھما لیا۔

''میوزک سنتی ہو؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ہاں تھوڑا بہت۔'' وہ مجھ سے بات کرتے ہوئے نظر چرا رہی تھی اور میں اس انقلاب پر حیران تھا۔

''ٹھیک ہے۔ تم یہ ریکارڈ سنو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

میں اس سے یہ کہہ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد جب میں نہا کر تیار ہو کر آیا تو وہ صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ناشتہ ہم نے کمرے میں ہی کیا۔ وہ میری باتوں پر مسکراتی رہی مگر زیادہ نہیں بولی مگر میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ میرے پاس موجود تھی۔

پھر وہ بھابھی اور سارہ کے ساتھ گیارہ بجے بیوٹی پارلر چلی گئی تھی۔ دوبارہ میں نے اسے رات کو دیکھا اور مجھے وہ بہت پرسکون اور خوش نظر آئی۔ اسامہ اور فاروق کی چھیڑ چھاڑ پر وہ مسکراتی رہی اور مجھے بے چین کرتی رہی۔

آج صبح وہ اپنے گھر چلی گئی ہے اور اب جب میں ڈائری لکھ رہا ہوں تو بے حد تنہائی محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ گزاری ہوئی دو راتیں مجھے اس قدر بدل سکتی ہیں۔ یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرے بیڈروم کی سب سے قیمتی چیز غائب ہو گئی ہے۔ اس وقت میں اسے بہت شدت سے مس کر رہا ہوں اور اب تھوڑی دیر تک میں اسے فون کروں گا۔ اس سے مل نہیں سکتا مگر باتیں تو کر سکتا ہوں۔

9 نومبر

میری شادی ہو گئی ہے اور زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہو گیا ہے۔ گزرے ہوئے تین دن میری زندگی کے سب سے خوبصورت دن ہیں۔ میں جانتی ہوں، آنے والا ہر دن میرے لیے سب اچھا کی خبر نہیں لائے گا، بعد میں جو ہونا ہے وہ تو ہوتا رہے گا مگر میں زندگی کے کم از کم یہ چند دن خوش فہمیوں کے سہارے گزارنا چاہتی ہوں۔ میں شادی کے دن تک بہت پریشان تھی۔ کوئی چیز بھی مجھے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

جب زارون کی طرف سے آنے والے زیورات اور عروسی جوڑا کمرے میں لائے گئے تو میرا دل چاہا، میں انہیں آگ لگا دوں۔ میری کزنز اور فرینڈز ان چیزوں کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ ان کے نزدیک میں خوش قسمت تھی اور وہ میری کیفیات سے بے خبر ان چیزوں پر رشک کر رہی

تھیں اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ وہ سب چیزیں اس وقت مجھے پھانسی کے پھندے کی طرح لگ رہی تھیں۔

جب مجھے زارون کے کمرے میں پہنچایا گیا تو مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ وہ کمرے میں آنے کے بعد کچھ دیر تک مجھے نظر انداز کرتا رہا اور میرے اس خوف کو مستحکم کرتا رہا کہ میرے سارے خدشات ٹھیک تھے مگر پھر کیا ہوا کچھ بھی تو نہیں، اس کا رویہ بالکل نارمل تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔

''کیا تم مجھ سے محبت کرو گی؟''

میں نے ''ہاں'' کہا تھا اور اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک دیکھ کر میں حیران رہ گئی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ محبت نہیں تھی شاید وہ واقعی مجھ سے محبت کرتا تھا۔

صبح میں بہت جلدی اٹھ گئی تھی۔ جب میں نے آنکھیں کھولی تھیں اس وقت میں نے اٹھ کر اپنے اردگرد نظر دوڑائی تھی اور تب مجھے رات کی ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ زارون میرے بائیں جانب بڑے پرسکون انداز میں سو رہا تھا۔ میں کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ کمرے میں پھیلی ہوئی ہلکی سی روشنی میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ پھر میں نہانے کے بعد ٹیرس پر چلی گئی۔ اس وقت ملگجا اندھیرا تھا اور آسمان پر کافی گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ مجھے بہت سردی محسوس ہوئی اور میں واپس اندر آ گئی پھر میں بیڈ روم کی کھڑکی سے نیچے لان کو دیکھتی رہی جو اس وقت بہت عجیب سا نظر آ رہا تھا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا وہ کب بیدار ہوا مگر تب بھی اس کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا تھا۔

خوف کی وہ کیفیت جو پچھلے کئی دنوں سے مجھے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی تب تک غائب ہو چکی تھی۔

رات کو ولیمہ میں میں بہت مطمئن تھی۔ میری کزنز نے کہا تھا۔

''تم کل کی نسبت آج زیادہ خوبصورت لگ رہی ہو۔''

لیکن میں جانتی تھی کہ تب چونکہ میں خوفزدہ نہیں تھی، اس لیے فریش لگ رہی تھی۔

ڈنر کے بعد ایک میوزک پروگرام پیش کیا گیا تھا اور تقریباً دو بجے ہم ہوٹل سے واپس گھر آئے تھے۔ سارہ میرے ساتھ تھی اور زارون مہمانوں کو رخصت کرنے کے لیے ہوٹل ہی میں ٹھہر گیا تھا۔ واپس آنے کے بعد سارہ نے میری ساری پیکنگ کی۔ وہ بہت اچھی ہے۔ میرے کمرے کو اسی نے سیٹ کیا تھا اور وہی سب چیزیں سمیٹتی رہی۔ پیکنگ کروانے کے بعد وہ میرے ساتھ بیٹھی گپ شپ کرتی رہی تب ہی زارون آ گیا تھا۔

سارہ کے جانے کے بعد زارون نے کہا تھا۔

''میری فیملی میں جو سب سے زیادہ میرے قریب ہے، وہ میری بہن ہے۔ یہ جو اس قدر تمہارے آگے پیچھے پھر رہی ہے صرف اس لیے کیونکہ تم میری پسند ہو اور اسے مجھ سے وابستہ ہر چیز سے محبت ہے۔''

اس کے لہجے میں سارہ کے لیے محبت نمایاں تھی۔

''تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔''

اس نے یک دم بات بدل دی تھی۔ مجھے پہلی بار اس کا لہجہ اجنبی نہیں لگا۔ اس کے ہاتھوں کی گرمی، اس کا لمس، اس کی توجہ مجھے اچھی لگ رہی تھی کیونکہ وہ میری زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا۔ وہ میرے ہاتھوں کو چوم رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ یہ محبت کوئی خواب ہے یا حقیقت۔

آج صبح اسماء اور اظہر کے ساتھ میں گھر آ گئی تھی۔ زارون پہلے ہی مجھے بتا چکا تھا کہ ان کی فیملی میں سسرال جا کر رہنے کی کوئی رسم نہیں ہے اس لیے وہ میرے ساتھ نہیں جا پائے گا۔ میں نے اصرار نہیں کیا تھا۔

کچھ دیر پہلے زارون نے مجھے فون کیا تھا۔

''تم کیسی ہو؟'' میرے ہیلو کہتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے اس سے کہا تھا۔ وہ بہت دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا پھر میں نے ہی اسے فون بند کرنے پر آمادہ کیا تھا ورنہ تو شاید وہ ساری رات ہی باتیں کرتا رہتا۔ میں اس کے گھر صرف دو دن رہی ہوں لیکن آج مجھے اپنا کمرہ اجنبی لگ رہا تھا۔ شاید شادی کے بعد سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے اور میں کوئی دوسروں سے مختلف تو نہیں ہوں۔

........❁........

30دسمبر

کل زارون مجھے گجرات چھوڑ کر گیا تھا۔ ہم پرسوں لندن سے واپس آئے تھے۔ پچھلا ایک ماہ اتنا مصروف گزرا ہے کہ میں چاہتے ہوئے بھی ڈائری نہیں لکھ پائی اور اب جب فرصت ملی ہے تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ کل جب وہ مجھے گھر چھوڑنے آیا تھا تو راستے میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''کشف! تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے۔ تمہارا تبادلہ اسٹیبلشمنٹ ڈویژن میں کر کے تمہاری خدمات فیڈرل گورنمنٹ کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ اب تم بھی اسلام آباد میں کام کرو گی۔ میں ہر جگہ تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔''

میں اس کی بات پر حیران رہ گئی تھی۔

ہنی مون کے دوران میرے لیے اس طرح روپیہ خرچ کرتا رہا تھا جیسے وہ بہت بے کار سی چیز تھی اور میں سوچتی رہی تھی کہ کیا واقعی اس کے لیے میں باقی ہر چیز سے زیادہ اہم ہوں۔ میں سوچتی ہوں اس میں کون سی خوبی ہے جو خدا نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے۔ میں نے ایک بار بھی اسے نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور شاید اس نے عید کی نماز کے علاوہ کبھی نمازیں پڑھی بھی نہیں ہیں پھر بھی خدا نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کا فون آیا تھا اور وہ کافی ناراض تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''کیا ضرورت ہے تمہیں اپنے والدین کے گھر اتنا زیادہ رہنے کی۔''

میں اس کی بات پر حیران رہ گئی تھی۔ کیونکہ میں ابھی ہی تو آئی ہوں اور وہ کہہ رہا تھا کہ اتنا زیادہ رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ بہرحال میں اب پرسوں واپس چلی جاؤں گی۔ کیونکہ وہ میرے بغیر کچھ زیادہ ہی پریشان ہے۔

29جنوری

کل میرے اور کشف کے درمیان پہلی جھڑپ ہوئی۔ وہ ابھی تک اپنے پرانے انداز میں تھی اور کل میں نے اس کی طبیعت اچھی طرح صاف کی اور مجھے اپنے رویے پر قطعاً کوئی افسوس نہیں ہے اس کی اصلاح کے لیے یہ سلوک بہت ضروری ہے۔

کل ہمیں ایک ڈنر میں جانا تھا اور جب میں شام کو گھر آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ براؤن رنگ کے لیے میری ناپسندیدگی جاننے کے باوجود اپنے لیے اسی رنگ کی ساڑھی پریس کر رہی تھی۔ ڈریسنگ روم میں جانے سے پہلے میں نے اس سے کہا تھا۔

''کشف! اس ساڑھی کو واپس رکھ دو اور کسی دوسرے رنگ کا ڈریس پہنو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ کلر مجھے ناپسند ہے اور یہ بات میں تمہیں دوبارہ نہیں بتاؤں گا۔''

جب میں تیار ہو کر ڈریسنگ روم سے باہر آیا تو یہ دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی کہ اس نے وہی ساڑھی پریس کر کے بیڈ پر رکھی ہوئی تھی۔ یعنی اس نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ ساڑھی واپس رکھ دو۔تم یہ نہیں پہنو گی۔''

''زارون! جو چیز تمہیں پسند ہے میں تمہیں اس کے استعمال سے کبھی نہیں روکتی پھر تم مجھے کیوں روک رہے ہو۔ یہ کلر تمہیں پسند نہ سہی مگر مجھے پسند ہے اور میں یہی پہنوں گی۔''

میں اس کے لہجے پر کھول کر رہ گیا تھا وہ اسی ٹون میں بات کر رہی تھی جس میں وہ شادی سے پہلے بات کرتی تھی۔

''لیکن مجھے یہ کلر پسند نہیں ہے۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''اس کے جواب نے مجھے آگ بگولہ کر دیا تھا۔

''میں تمہیں بتاتا ہوں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''میں نے ساڑھی اٹھائی اور اسے بازو سے کھینچتا ہوا واش روم میں لے گیا۔ واش بیسن میں ساڑھی پھینکنے کے بعد میں نے لائٹر سے آگ لگا دی۔ وہ دم بخود جلتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہی تھی اور مجھے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھ کر سکون مل رہا تھا۔

''آج ایک بات تم کان کھول کر سن لو۔ تمہیں صرف وہی کرنا ہے جو میں چاہتا ہوں، وہی پہننا ہے جو مجھے پسند ہے اور تمہارے منہ میں جو زبان ہے، اسے کنٹرول میں رکھو ورنہ میں اسے کاٹ دوں گا۔ میں گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ پورے پندرہ منٹ بعد تم باہر ہو ورنہ......''

میں اپنی بات کو ادھورا چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ پورچ میں نمودار ہو گئی تھی۔ جب وہ کار میں آ کر بیٹھی تو میں نے بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ بے تاثر تھا اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی نہ ہی میں نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی۔

ڈنر سے واپسی پر سونے سے پہلے اس نے روز کی طرح مجھے دودھ کا گلاس لا کر دیا اور پھر خاموشی سے سونے کے لیے لیٹ گئی۔ آج صبح بھی ہر روز کی طرح اس نے مجھے بیڈ ٹی دی پھر آفس کے لیے تیار ہونے میں میری مدد کرواتی رہی لیکن اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ جب میں نے اسے اس کے آفس چھوڑا تو آج پہلی بار اس نے مجھے خدا حافظ نہیں کہا۔ مجھے اس بات پر بہت خوشی ہوئی کہ اس نے میری بات کو اتنا سنجیدگی سے لیا ہے۔ میں یہی چاہتا تھا۔ آج شام کو بھی اس کا رویہ نارمل تھا بس وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی تھی۔ شاید اس کا خیال تھا کہ میں اس سے معذرت کروں گا اور وہ بے حد احمق ہے میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ آج تک میں اس کی بے اعتنائی برداشت کرتا رہا اب اسے یہ سب برداشت کرنا ہوگا۔

........❁........

17 مارچ

شادی کے چار ماہ دس دن بعد کل میں نے اس کا گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ پتا نہیں میں نے غلط کیا یا صحیح مگر یہ سب ہونا ہی تھا۔ اگر میں خود اس کا گھر نہ چھوڑتی تو کچھ عرصہ بعد وہ خود مجھے گھر سے نکال دیتا۔ میرا اس سے شادی کا فیصلہ غلط تھا۔ ہم دونوں دو مختلف دنیاؤں کے لوگ ہیں۔ مگر افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ اسے میرے کردار پر شبہ ہے۔ ایک ایسا شخص جس کا اپنا کوئی کردار نہیں ہے۔ اس کا رویہ دن بدن عجیب ہوتا گیا تھا۔ پہلے وہ نرمی سے مجھے اپنی بات ماننے پر مجبور کرتا۔ پھر سختی کرنے لگا میں اس کی ہر ناجائز بات بھی صرف اس لیے مان لیتی کیونکہ میں اپنا گھر برباد نہیں

کرنا چاہتی تھی۔ لیکن کل کے واقعے کے بعد میرے لیے مزید کچھ برداشت کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔

کل رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ ایک کتاب لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی جب مجھے یوں لگا جیسے وہ بڑے غور سے مجھے دیکھ رہا تھا مگر میں نے اس بات کو نظر انداز کیا۔

''کشف! ایک بات پوچھوں؟'' اس نے اچانک مجھے چونکا دیا۔ میں نے بالوں میں برش کرنا روک دیا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ جو تمہارا بڑا بہنوئی ہے اظہر، سنا ہے اس کا پرپوزل پہلے تمہارے لیے آیا تھا اور وہ تمہیں کافی پسند کرتا تھا؟''

''وہ مجھے پسند کرتا تھا یا نہیں۔ یہ تو میں نہیں جانتی ہاں اس کا پرپوزل ضرور میرے لیے آیا تھا۔'' میں نے بلاتوقف جواب دیا۔

''ویسے تم اسے کافی پسند کرتی ہو۔ اکثر تعریفیں کرتی رہتی ہو۔'' اس کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔

''ہاں۔ میں اسے پسند کرتی ہوں کیونکہ وہ ایک اچھا آدمی ہے۔'' میری بات پر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا گزر گیا تھا۔

''پھر تم نے اس کا پرپوزل قبول کیوں نہیں کیا؟''

''کیونکہ اس وقت مجھے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مجھ پر بہت زیادہ ذمہ داریاں تھیں۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ اصل میں اس کی امی کو اسماء تم سے زیادہ پسند آ گئی تھی، کیونکہ وہ زیادہ خوبصورت ہے اس لیے انہوں نے اظہر کو اسماء سے شادی پر مجبور کر دیا۔ ویسے کشف! تم لاہور میں پڑھتی تھیں۔ اظہر بھی وہیں انجینئرنگ یونیورسٹی میں ہوتا تھا۔ تم لوگوں کی اکثر ملاقات ہوتی ہو گی۔''

میں اس کی باتوں پر بالکل سن ہو گئی تھی۔ میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی مجھ سے ایسی بات کرے گا۔ کچھ دیر تک میں بالکل بول ہی نہیں سکی۔ وہ مجھے اتنی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے میں کوئی مجرم تھی اور اس نے مجھے جرم کرتے ہوئے پکڑ لیا تھا۔

''زارون! تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا۔'' میں نے اسے کہا۔

''حالانکہ میں نے کوئی مشکل بات نہیں پوچھی۔ ویسے اگر میں تمہاری جگہ ہوتا اور کوئی میری انسلٹ کرتا اور پھر مجھے پرپوز کرتا تو میں کبھی اس سے شادی نہ کرتا۔ لیکن تم نے مجھ سے شادی کر لی سب کچھ بھول کر۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے؟ شاید نہیں۔ کیونکہ تمہاری جیسی عورتیں میرے جیسا مرد دیکھ کر سب کچھ بھول جاتی ہیں، چاہے وہ پرانا محبوب ہی کیوں نہ ہو۔''

''بہت ہو گیا۔ میں اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی۔ تمہیں جو کہنا ہے صاف صاف کہو معموں میں بات مت کرو۔''

میں کھڑی ہو گئی۔

وہ میری بات پر بڑے عجیب انداز میں مسکرایا۔

''کشف! یاد ہے جب میں نے تمہیں یونیورسٹی میں تھپڑ مارا تھا تو تم نے کہا تھا جو شخص جیسا ہو، اسے ویسی گالی دو تو وہ اسی طرح تڑپتا ہے جیسے میں تڑپ رہا ہوں۔ کیا آج تمہارا رویہ بھی ویسا ہی نہیں ہے جب میں نے ماما کے سامنے شادی کے لیے تمہارا نام لیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کشف میں ایسی کون سی بات ہے جو تمہیں متاثر کر رہی ہے اور میں نے کہا تھا اس کا کریکٹر، تب انہوں نے کہا تھا تم مڈل کلاس لڑکیوں کو نہیں جانتے یہ اتنی

پارسا ہوتی نہیں جتنا ظاہر کرتی ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ صحیح تھا۔''

مجھے اس کی بات گالی کی طرح لگی تھی اپنے شوہر کے منہ سے اپنے کردار کے بارے میں ایسی بات سننا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا تھا۔

''تو تمہارا خیال ہے کہ میں کرپٹ ہوں؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اپنے بارے میں تم زیادہ بہتر جانتی ہو۔''

اس نے سرد مہری سے کہہ کر کتاب کھول لی تھی۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے کتاب چھین کر دور اچھال دی۔

''تمہیں میرے کردار پر شبہ ہے مگر اپنے کردار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

میں چلائی تھی اور اس نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

''وہ کتاب اٹھا کر مجھے دو اور اپنی آواز آہستہ کرو۔ یہ میرا گھر ہے اور میں یہاں کسی کا چلانا پسند نہیں کرتا۔''

''مجھے نہ تمہاری پروا ہے نہ تمہارے گھر کی۔'' میں ایک بار پھر چلانے لگی۔ ''تم ایک فلرٹ ہو کر میرے بارے میں یہ کہہ رہے ہو کہ تمہیں میرے کردار پر شک ہے خود کیا ہو تم؟ کس کس کے ساتھ عیاشی کرتے رہے اور پھر بھی تمہیں مجھ پر شک ہے۔''

''بہتر ہے تم اپنا منہ بند کر لو۔ میں تمہاری بکواس برداشت نہیں کروں گا۔''

''میں اپنا منہ بند نہیں کروں گی۔ میری باتیں بکواس ہیں تو تمہاری باتیں کیا ہیں؟ تم واقعی ایک ذلیل انسان ہو اور تمہیں عورت کی عزت کرنا کبھی نہیں آئے گا۔''

میں شاید اسے اور بھی بہت کچھ کہتی مگر اس کا تھپڑ مجھے خاموش کروا گیا تھا۔ ''میں تم جیسی عورت کی عزت کرنا چاہتا بھی نہیں۔ اپنا منہ بند رکھا کرو ورنہ میں تم پر ہاتھ اٹھانے سے گریز نہیں کروں گا۔''

چند لمحے اسی خاموشی سے دیکھنے کے بعد میں ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ بیگ میں اپنی چیزیں رکھنے کے بعد میں جب دوبارہ بیڈ روم میں آئی تو وہ پھر کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔

''میں جا رہی ہوں۔''

''شوق سے جاؤ۔ میں تمہیں روکنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ ہاں یہ بات ضرور یاد رکھنا کہ اگر آج یہاں سے جاؤ گی تو دوبارہ واپس نہیں آ سکو گی۔ اگر پھر بھی جانا چاہتی ہو تو جاؤ، میں چند دن تک تمہیں طلاق بھجوا دوں گا۔''

اس نے کتاب سے نظر ہٹائے بغیر کہا تھا۔

''میں خود بھی دوبارہ یہاں نہیں آنا چاہتی اور یہ تمہاری مہربانی ہوگی اگر تم مجھے جلد از جلد طلاق بھجوا دو۔ تم نے حق مہر کے طور پر جو رقم مجھے

دی تھی۔ وہ بینک میں ہے میں نے چیک بک پر سائن کر دیے ہیں۔ تم اسے نکلوا سکتے ہو۔ ہر ماہ پندرہ ہزار تم مجھے دیا کرتے تھے، وہ بھی بینک میں جمع کروا دیتی تھی اسی اکاؤنٹ میں۔ یہ وارڈ روب کی چابیاں ہیں۔ دراز میں وہ سارے زیورات موجود ہیں جو تم نے مجھے دیئے تھے۔ میں اپنے ساتھ صرف وہی چیزیں لے کر جا رہی ہوں جو میرے ذاتی روپے سے خریدی گئی ہیں۔ تم چاہو تو میرا بیگ چیک کر سکتے ہو۔''

''دروازے کو ٹھیک سے بند کر کے جانا۔''

یہ وہ واحد فقرہ تھا جو اس نے میری باتوں کے جواب میں کہا تھا۔ اگر میں ایک لمحہ بھی وہاں مزید کھڑی رہتی تو پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتی۔

جس وقت میں وہاں سے نکلی تو یہ نہیں جانتی تھی کہ کہاں جاؤں گی۔ پھر میں اپنی کار میں ایم این اے ہاسٹل چلی گئی تھی۔ زارون نے ایک بار بھی مجھے رکنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ شاید وہ مجھے روکنا چاہتا ہی نہیں تھا۔ اگر وہ مجھے رکنے کے لیے کہتا تو شاید میں رک جاتی۔ میں اپنا گھر برباد نہیں کرنا چاہتی تھی، یا شاید میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں، اس لیے کہ وہ میری زندگی میں آنے والا واحد مرد ہے جو مجھے محبت کے خواب دکھاتا رہا جس نے مجھے میرے ہونے کا احساس دلایا۔ لاکھ چاہنے کے باوجود میں اس سے نفرت نہیں کر سکی نہ کبھی کر سکوں گی۔

مجھے نیکی کا بہت اچھا اجر ملا تھا۔ میں اظہر کے پرپوزل سے اپنی بہن کے حق میں اس لیے دست بردار ہوئی تھی تاکہ اس کی شادی کسی اچھی جگہ ہو جائے۔ لیکن اس ایثار کا مجھے یہ صلہ ملا کہ اظہر کا نام ایک داغ کی طرح میرے دامن پر لگا دیا گیا۔ خدا نے کبھی میرے ساتھ انصاف نہیں کیا اور مجھے اس سے اس کی توقع بھی نہیں ہے۔ زارون بھی خدا کے ہاتھوں میں ایک پتلی ہے۔ اس کی بھی کیا غلطی ہے۔ یہ تو خدا ہے جو مجھے رسوا کرنا چاہتا ہے۔ مجھے دیکھنا ہے وہ مجھ سے اور کیا چھینے گا۔

۞

17 مارچ

کل رات کشف مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور کل رات سے لے کر اب تک میں اپنی کیفیات کو سمجھ نہیں پا رہا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ان چند ماہ میں میں اس کے وجود کا اتنا عادی ہو جاؤں گا۔ کتنی آسانی سے وہ میرے گھر سے چلی گئی ہے۔ یوں جیسے اس کے نزدیک میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ میں نے اسے صرف ایک تھپڑ مارا تھا حالانکہ وہ زیادہ کی مستحق تھی۔ اس نے کل پھر میرے کردار کو ہدف بنانے کی کوشش کی تھی۔ شادی کی رات کو اس نے مجھ سے کہا تھا میں تم سے محبت کروں گی مگر ان چار ماہ میں ایک بار بھی میں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ اس نے کبھی مجھ سے محبت کا اظہار نہیں کیا اور وہ کرتی بھی کیسے جب اسے مجھ سے محبت تھی ہی نہیں۔ وہ تو کسی اور سے محبت کرتی تھی۔ کاش یہ بات میں پہلے جان جاتا تو کبھی اس سے شادی نہ کرتا۔

مجھے اس میں یہی چیز تو اٹریکٹ کرتی تھی کہ وہ بے داغ کردار کی مالک تھی۔ اس کا کوئی اسکینڈل نہیں تھا۔ مگر میں کیا جانتا تھا کہ یہ سب فریب ہے۔ وہ بھی میری سوسائٹی کی لڑکیوں کی طرح ہے۔ میں کل رات سے بہت پریشان ہوں۔ مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ دل چاہتا ہے جو

چیز سامنے آئے توڑ دوں۔ایک اس کے نہ ہونے سے مجھے ہر چیز ادھوری لگ رہی ہے۔آج صبح جب میں اٹھا تھا تو رات کا واقعہ بھول چکا تھا۔ کچھ دیر بعد میں انتظار کرتا رہا کہ وہ میرے لیے بیڈ ٹی لے کر آئے لیکن پھر ایک جھماکے کے ساتھ میرے ذہن میں رات کا واقعہ آ گیا تھا۔

شادی کے بعد پہلی بار میں نے خود آفس جانے کے لیے وارڈروب سے کپڑے نکالے اور تیار ہوا مگر ہر قدم پر مجھے اس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں ناشتہ کیے بغیر آفس چلا گیا اور زندگی میں پہلی بار بغیر کسی وجہ کے ماتحتوں پر برستا رہا۔ مجھے اپنے غصے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ واپس آنے کے بعد بھی میری بے چینی میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ صرف ایک دن اس کے بغیر رہنے سے پاگل ہو گیا ہوں ابھی تو پوری زندگی گزارنی ہے۔ ایک میں ہوں جس کے لیے اس کے بغیر خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا ہے اور ایک وہ تھی جو میری ہر چیز میرے منہ پر مار کر چلی گئی ہے، اگر اسے مجھ سے محبت ہوتی تو کیا وہ میرے سارے گفٹس اس طرح پھینک کر چلی جاتی۔ ایک بات تو طے ہے اب میں آئندہ اسے کبھی اس گھر میں نہیں لاؤں گا۔ میری زندگی سے وہ ہمیشہ کے لیے نکل گئی ہے۔ جتنی جلدی میں اس سے چھٹکارا حاصل کر لوں بہتر ہے میرا یہ فیصلہ بہت سے لوگوں کو ناراض کر دے گا۔ سرابرار تو شاید کبھی مجھے معاف نہیں کریں گے لیکن میں نے اب اگر اسے طلاق نہ دی تو شاید ساری عمر نہ دے پاؤں۔

❁

21 مارچ

چار دن پہلے میں نے لکھا تھا کہ میں نے زارون کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا لیکن کل میں دوبارہ اس کے گھر واپس آ گئی ہوں۔ گھر چھوڑتے وقت زارون نے مجھ سے کہا تھا اگر ایک دفعہ تم اس گھر سے چلی گئیں تو دوبارہ یہاں نہیں آ سکو گی اور کل وہ خود مجھے لے کر آیا تھا۔ یہ شخص زارون بھی عجیب ہے۔ جو کہتا ہے اس کے برعکس کرتا ہے۔

کل شام کو میں ہاسٹل کے کمرے میں تھی جب وہ آیا تھا، اسے وہاں دیکھ کر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ میرا خیال تھا وہ مجھے طلاق کے کاغذات دینے آیا ہے۔ اسی لیے میں نے اسے اپنے کمرے میں آنے دیا۔

''تم طلاق کے کاغذات لائے ہو؟'' میں نے اس کے اندر آتے ہی پوچھا تھا۔

''نہیں میں تمہیں لینے آیا ہوں۔'' اس کا جواب میرے لیے غیر متوقع تھا۔

''کیوں؟'' وہ میری بات کا جواب دینے کے بجائے ایک چیئر پر بیٹھ گیا اور کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تھا۔

''ہماری شادی کو صرف ساڑھے چار ماہ ہوئے ہیں اور ہم لوگ ایک دوسرے سے اتنے بیزار ہو گئے ہیں کہ طلاق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کشف! ہوسکتا ہے تمہارا خیال ہو کہ میں نے شاید تمہیں تنگ کرنے کے لیے تم سے شادی کی ہے لیکن یقین کرو ایسا نہیں ہے۔ میں اپنا گھر برباد کرنا نہیں چاہتا۔ مجھ سے پھر ایک غلطی ہو گئی ہے لیکن اس بار میں نے جان لیا کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے ساتھ چلو۔''

وہ دھیمے لہجے میں بات کر رہا تھا اور اس کا ہر لفظ میرے غصہ میں اضافہ کر رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں اسے جان سے مار دوں۔ وہ مجھے ذلیل کرنے کے بعد پھر مجھے اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

''میں ایک بدکردار عورت ہوں۔ تم جیسا شریف آدمی میرے ساتھ کیسے رہے گا؟ مجھے صرف یہ بتاؤ تم مجھے کیسے برداشت کرو گے؟ مجھے صرف طلاق چاہیے میں کمپرومائز کے سہارے زندگی گزارنا نہیں چاہتی۔''

''کشف! میں تمہیں تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا مگر پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔ لیکن تم مجھے ایک موقع اور دو۔''

''میں تمہاری ان باتوں میں نہیں آؤں گی۔ تم طلاق نہیں دو گے نہ دو مگر میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی۔ مجھے تم سے نفرت ہے میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔''

میری بات پر اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا تھا۔

''تم کو مجھ سے محبت تھی ہی کب۔ جب تم نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی تو نفرت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ محبت تو صرف میں کرتا تھا۔ تم مجھ سے جان چھڑانے کا موقع چاہتی تھیں۔ میں یہ سب نہ بھی کرتا تب بھی تم کسی نہ کسی بہانے مجھے چھوڑ کر ضرور چلی جاتیں۔''

مجھے اس کی بات پر بے اختیار رونا آ گیا۔ وہ سارا الزام میرے سر دھر رہا تھا۔

''تم نے کب یہ محسوس کیا کہ میں تم سے نفرت کرتی رہی ہوں؟ تمہاری ہر ضرورت کا خیال صرف اسی لیے رکھتی تھی کیونکہ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ اگر تم سے جان چھڑانا ہوتی تو اس سے پہلے بھی ایسے بہت سے مواقع آئے تھے جب میں تمہیں چھوڑ کر جا سکتی تھی۔ لیکن جب کوئی مرد اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اسے اپنی بیوی کے کردار پر شبہ ہے تو پھر بیوی کے پاس کیا رہ جاتا ہے کیا میں اس وقت کا انتظار کرتی جب تم دھکے دے کر مجھے گھر سے نکالتے؟ تمہیں اگر مجھ سے محبت ہوتی تو تم مجھے رکھنے کے لیے کہتے مگر تم نے ایک بار بھی یہ نہیں کہا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں ہی غلط تھا مگر اب میں تم سے معذرت کر رہا ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں کسی قیمت پر تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔''

''تم نہیں جاؤ گی؟''

''نہیں۔''

''ٹھیک ہے پھر میں بھی یہیں رہوں گا۔'' وہ یہ کہہ کر بڑے اطمینان سے بیڈ پر دراز ہو گیا۔

''تم یہاں سے جاؤ ورنہ میں کسی کو بلوا کر تمہیں زبردستی یہاں سے نکلوا دوں گی۔''

وہ میری بات پر مسکرانے لگا تھا۔

''تمہیں ساتھ لیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ میرے ساتھ چلو یا مجھے بھی یہیں رہنے دو اور کسی کو بلوانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ میں تمہارا شوہر ہوں اور تمہیں ساتھ لے جانے کا حق رکھتا ہوں۔ مجھے تمہاری عزت کا احساس ہے ورنہ میں تمہیں یہاں سے زبردستی بھی لے جا سکتا ہوں۔''

کافی دیر تک میں خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر میں نے اپنی چیزیں پیک کرنا شروع کر دیں۔ جب میں نے بیگ کی زپ بند کی تو اس نے کچھ کہے بغیر بیگ اٹھا لیا۔ گھر آنے کے بعد میں نے اس پر چلانا شروع کر دیا۔ وہ خاموشی سے میری باتیں سنتا رہا پھر اس نے مجھے کچھ خط لا کر دیئے۔

''کشف! اگر تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو تو تم انہیں پڑھ لو پھر تمہیں میری پوزیشن کا احساس ہو جائے گا۔ تم سے منگنی ہونے کے بعد سے یہ خط مجھے ملنا شروع ہوئے ہیں اور اب تک مل رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ خط کون بھیجتا ہے مگر یہ گجرات سے آتے ہیں اس لیے میرا اندازہ ہے تمہارے خاندان میں سے کوئی بھیج رہا ہے۔ شادی سے پہلے جب یہ خط ملتے تھے تو ان میں لکھا ہوا تھا کہ میں جس سے شادی کر رہا ہوں وہ ایک آوارہ لڑکی ہے اور اس کے کالج میں بہت سے لڑکوں کے ساتھ چکر تھے تب میں نے ان لیٹرز کی پروا نہیں کی کیونکہ شاید لکھنے والا یہ نہیں جانتا تھا کہ میں تمہارا کلاس فیلو رہ چکا ہوں اور تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن دو ماہ پہلے جو خط مجھے ملا اس میں لکھا تھا کہ تم شادی سے پہلے اظہر سے محبت کرتی تھیں اور اس سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر اس کی امی کو اسماء پسند آ گئی۔ میں اس خط کو نظر انداز نہیں کر سکا کیونکہ تم اظہر کی اکثر تعریفیں کرتی ہو۔ اگر میں غلط فہمی کا شکار نہ ہوتا تو کیا کرتا۔''

میرے خط پڑھنے کے دوران وہ بولتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ خط کون لکھتا ہے لیکن زارون سے میری ناراضگی قدرے کم ہو گئی۔

خط پڑھنے کے بعد میں نے اس کی طرف اچھال دیے۔

''ان لیٹرز کی بنا پر تم میرے کردار پر شک کر رہے ہو جنہیں لکھنے والے میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ وہ ان پر اپنا نام لکھ دیتا۔ تمہیں مجھ سے زیادہ ان بے نام خطوط پر یقین ہے۔ میری اظہر یا کسی کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہیں رہی۔ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ تم میری ایک نام نہاد غلطی برداشت نہیں کر پائے۔ جب کہ میں نے تمہارے سارے حقیقی افیئرز کو بھلا کر تمہیں معاف کیا ہے۔ تم تھوڑی سی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ بھی نہیں کر پائے۔''

وہ چند لمحے مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے بڑی سختی سے مجھے کہا تھا۔

''کشف! میں تمہارے منہ سے کسی دوسرے مرد کی تعریف برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر تم میری تعریف نہیں کرتیں تو کسی دوسرے کی بھی مت کرو۔''

میں اس میچور آدمی کی احمقانہ بات پر حیران رہ گئی تھی پھر میں نے اسے مزید کچھ نہیں کہا۔

آج صبح وہ مجھ سے یوں بات کر رہا تھا جیسے ہمارے درمیان کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ آفس سے واپسی پر وہ مجھے ڈنر پر لے گیا اور ابھی کچھ دیر پہلے وہ اسٹڈی میں گیا ہے تو میں ڈائری لکھ رہی ہوں۔

پتا نہیں میں نے گھر چھوڑ کر غلطی کی تھی یا واپس آ کر غلطی کی ہے لیکن بہر حال میں ایک بار پھر اسے آزمانا چاہتی ہوں۔ وہ میرے بارے میں پوزیسو ہے اور شاید اسی لیے میری کوئی غلطی، کوئی کوتاہی معاف نہیں کر سکتا مجھے اب پہلے سے زیادہ محتاط ہونا پڑے گا۔ میں کوشش کروں گی کہ اب اسے مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔

.........❁.........

17 اپریل

آج میں نے اپنی زندگی کی سب سے خوبصورت خبر سنی ہے۔ آج ڈاکٹر نے مجھے میرے پریگننٹ ہونے کی خبر سنائی تھی اور ابھی تک میں اپنی کیفیات کو سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ چند ماہ بعد میرے بازوؤں میں ایک بچہ ہوگا جو صرف میرا ہوگا۔ جو میری ہر تکلیف کو میری طرح محسوس کرے گا۔ اس کے اور میرے درمیان ایک رشتہ ہوگا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ میں نے ابھی زارون کو یہ خبر نہیں سنائی۔ پتا نہیں اس کا ردعمل کیا ہوگا مجھے یقین ہے وہ بھی میری طرح بہت خوش ہوگا کیونکہ اسے یہ تسلی ہو جائے گی کہ میں کسی طور اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ ہم دونوں کا تعلق اب پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گا کیونکہ اب ہمارے گھر ایک ایسا فرد آنے والا ہے جو ہماری تنہائی دور کر دے گا۔

14 اکتوبر

آج سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے میں نے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ جس رات میرا بیٹا پیدا ہوا تھا۔ اس رات زارون کو ایک ڈنر میں جانا تھا لیکن تیار ہونے کے بعد اچانک اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

''پتا نہیں یار! آج میری چھٹی حس کیوں مجھے بار بار گھر میں رہنے کو کہہ رہی ہے اور میرا خیال ہے مجھے اس کی بات مان لینی چاہیے۔''

اس کی چھٹی حس نے اسے ٹھیک گائیڈ کیا تھا۔ میری ڈلیوری ڈیٹ میں ابھی ایک ہفتہ تھا لیکن غیر متوقع طور پر اسی رات مجھے ہسپتال جانا پڑا تھا۔ میں اب یہ سوچ کر لرز جاتی ہوں کہ اگر زارون اس رات گھر پر نہ ہوتا تو بعد میں میرا کیا حال ہوتا کیونکہ میں کافی تکلیف میں تھی۔ زارون مجھے ہسپتال لے کر گیا تھا۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ تھامے رکھا تھا۔ وہ بار بار مجھے تسلیاں دے رہا تھا۔ اس وقت اس کے ہاتھ کی گرمی مجھے کتنا سکون پہنچا رہی تھی اگر وہ یہ جان جاتا تو شاید ساری عمر میرا ہاتھ تھامے رکھتا۔ لیبر روم میں جانے سے پہلے اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''کشف! گھبراؤ مت۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تمہارے لیے خدا سے دعا کروں گا۔''

اس کی بات پر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ بڑی سیکولر سوچ رکھنے والا آدمی تھا۔ شادی کے بعد سے میں نے کبھی اس کے منہ سے خدا کا ذکر نہیں سنا تھا۔ شاید یہ اس کی دعا ہی کا اثر تھا کہ میں سرجری سے بچ گئی تھی حالانکہ پہلے ڈاکٹر کا خیال تھا کہ شاید آپریشن کرنا پڑے۔ جب مجھے کمرے میں شفٹ کیا گیا تو وہ میرے پاس آیا تھا اور بہت دیر تک میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھا رہا۔ وہ بہت عرصے سے مجھے کہہ رہا تھا کہ اپنے بچے کا نام میں رکھوں گا لیکن تیمور کے پیدا ہونے کے بعد اس نے بغیر فرمائش کے یہ حق مجھے دے دیا تھا۔

''پہلے بچے کا نام تم رکھو گی، میں نہیں۔''

اس نے مجھ سے کہا تھا اور میں نے اپنے بیٹے کو تیمور نام دیا تھا۔ کل میں ہسپتال سے گھر شفٹ ہوئی تھی۔

اس ایک ہفتہ میں زندگی جیسے بدل گئی ہے۔ ہر چیز بہت خوبصورت، بہت روشن لگنے لگی ہے۔ میں خود کو بہت طاقتور محسوس کرنے لگی ہوں۔ تیمور مجھے دنیا کا خوبصورت ترین بچہ لگتا ہے۔ شاید ہر ماں اپنے بیٹے کے لیے ایسا ہی سوچتی ہے۔ کاش میری ساری زندگی یونہی گزر جائے، کسی تکلیف

کسی پریشانی کے بغیر۔

17 اکتوبر

آج تیمور کی پہلی برتھ ڈے تھی اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے، وہ بہت بڑا ہو گیا ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے وہ تو ابھی بہت چھوٹا سا ہے۔ کبھی کبھی مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے۔ ابھی کل وہ ہماری دنیا میں آیا تھا اور آج وہ ایک سال کا ہو گیا لیکن یہ ایک سال میری زندگی کا خوبصورت ترین سال تھا کیونکہ میں ایک نئے رشتے سے آشنا ہوا مجھے بچوں سے کبھی بھی بہت دلچسپی نہیں رہی لیکن اپنے بیٹے کے لیے پتا نہیں اتنی محبت میرے پاس کہاں سے آ گئی ہے۔ مجھے اس کی ہر بات اچھی لگتی ہے۔ اس کا رونا، اس کا ہنسنا، اس کی آواز، اس کی کھلکھلاہٹ ہر چیز مجھے اچھی لگتی ہے کیونکہ وہ میرا بیٹا ہے۔

گھر کیا ہوتا ہے یہ میں نے ان دو سالوں میں جانا ہے، ورنہ میں تو یہی سمجھتا تھا کہ گھر روپے اور اسٹیٹس سے بنتا ہے لیکن یہ اب سمجھ میں آیا ہے کہ روپیہ اتنا ضروری نہیں ہے جتنا ایک دوسرے کے لیے محبت اور توجہ ضروری ہے۔ میرے والدین مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اس کے باوجود ان کے پاس کبھی بھی میرے لیے وقت نہیں تھا صرف روپیہ تھا اور میں بھی گھر میں تنہا بیٹھنے کے بجائے دوستوں کے ساتھ پھرتا رہتا تھا۔ گرل فرینڈز بناتا تھا اور اسی کو زندگی سمجھتا تھا لیکن میں اب سارا وقت کشف اور تیمور کو دینا چاہتا ہوں صرف آفس ٹائم کے علاوہ۔ میں چاہتا ہوں میرا بیٹا یہ جانے کہ اس کے والدین واقعی اس سے محبت کرتے ہیں اور ان کے لیے اس کی ذات سب سے زیادہ اہم ہے۔ پھر جب وہ بڑا ہو گا تو وہ میری طرح آوارہ نہیں پھرے گا کیونکہ اسے پتا ہو گا کہ اس کے گھر میں اس کا انتظار کرنے کے لیے کچھ لوگ موجود ہیں جو اس کی پروا کرتے ہیں۔

اگر میں نے اپنی سوسائٹی کی کسی لڑکی کے ساتھ شادی کی ہوتی تو شاید میں آج بھی پہلے ہی کی طرح اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتا لیکن خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہوا۔ میری زندگی میں گھر کی کمی تھی اور وہ کشف نے پوری کر دی اگر وہ نہ ہوتی تو شاید میں آج اپنے آپ کو اتنا مکمل، اتنا پرسکون محسوس نہ کرتا، لیکن میرے گھر کو صحیح معنوں میں گھر بنانے والی وہی ایک ہے۔ جب سے میں خود باپ بنا ہوں مجھے اپنے والدین پہلے سے زیادہ اچھے لگنے لگے ہیں۔ ان کی ساری کوتاہیوں کے باوجود مجھے ان سے پہلے کی نسبت زیادہ محبت محسوس ہوتی ہے کیونکہ وہ میرے والدین ہیں۔ انہوں نے مجھے بہت کچھ دیا ہے اور اگر کچھ معاملات میں کوتاہی برتی ہے تو بہت ساری باتوں میں، میں بھی لاپروا رہا ہوں۔

آج کا دن اچھا گزر گیا اور میں اپنی باقی زندگی اسی طرح گزارنا چاہتا ہوں۔

چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے سہارے کسی بڑے صدمے کے بغیر۔

19 جون

آج زارون کو امریکہ گئے ہوئے پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے اور آج وہ مجھے بہت یاد آ رہا ہے۔ شاید اب میں اس کی عادی ہو گئی ہوں یا پھر

شاید میں اس کے بغیر خود کو اکیلا محسوس کرتی ہوں۔ مجھے اس کے بغیر رہنا بالکل اچھا نہیں لگتا حالانکہ اب تک مجھے عادی ہو جانا چاہتے تھا کیونکہ وہ جس پوسٹ پر ہے وہاں وہ زیادہ دیر تک ایک جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتا، پھر بھی پتا نہیں مجھے اس کی غیر موجودگی کیوں اتنی محسوس ہو رہی ہے وہ خود بھی تو باہر جانا زیادہ پسند نہیں کرتا۔ اب وہ باہر جا کر پہلے کی طرح لمبی لمبی کالز نہیں کرتا ہے۔ پہلے سے بہت سنجیدہ ہو گیا ہے۔ شاید یہ عمر اور وقت گزرنے کے ساتھ ضروری ہوتا ہے اسے بھی تو آخر میچور ہونا تھا اور اگر اب بھی نہیں ہوتا تو پھر کب ہوتا پھر اب اس پر کام کا بوجھ بھی بہت زیادہ ہے۔ اس لیے میں نے اس سے بہت زیادہ توقعات نہیں رکھیں۔

پھر اب مجھ پر بھی تو بہت ذمہ داریاں ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ان میں اور اضافہ ہوگا۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اب جاب چھوڑ دوں کیونکہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس اب روپے کی کوئی کمی نہیں اور اب تیمور کے ساتھ ساتھ ایک کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ دو بچوں کو جاب کے ساتھ سنبھالنا قدرے مشکل کام ہے لیکن پھر مجھے خیال آتا ہے کہ میں نے اس پوسٹ تک پہنچنے کے لیے بہت محنت کی تھی۔ اب کیا میں اسے صرف اپنے تھوڑے سے آرام کے لیے چھوڑ دوں اور یہی سوچ مجھے ریزائن کرنے سے روک دیتی ہے، شاید اس وقت میں دل کے بجائے دماغ سے کام لیتی ہوں اور زندگی میں ہمیشہ دماغ سے کیے گئے فیصلے ہی کام آتے ہیں۔

کیا لکھنا چاہ رہی تھی اور کیا لکھ رہی ہوں میں آج کافی غائب دماغی کا مظاہرہ کرتی رہی، کوئی بھی کام ٹھیک سے نہیں کر سکی اور یہ صرف اس لیے ہے کیونکہ میں زارون کو بہت مس کر رہی ہوں میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ میں جس شخص کو جان سے مارنا چاہتی تھی ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کی محبت میں مبتلا ہو جاؤں گی اور اس کی عدم موجودگی میرے لیے ناقابل برداشت ہوگی۔

وہ بہت خوبصورت بندہ ہے، صرف ظاہری طور پر ہی نہیں بلکہ اندر سے بھی وہ اتنا ہی خوبصورت ہے لیکن اس بات کو جاننے کے لیے وقت لگتا ہے۔ پتا نہیں اس وقت جب مجھے وہ اتنا یاد آ رہا ہے وہ خود کیا کر رہا ہوگا شاید کانفرنس ہال میں کوئی تقریر کر رہا ہوگا، یا کسی ریزولوشن کی ڈرافٹنگ میں مصروف ہوگا۔ جو بھی ہو کم از کم وہ اس وقت ہمیں یاد نہیں کر رہا ہوگا کیونکہ امریکہ میں اس وقت صبح ہوگی اور ورکنگ آورز میں اپنے کام کے علاوہ وہ کچھ اور نہیں سوچتا۔

---

21 جولائی

آج پانچ چھ سال بعد میں اسارہ سے ملا۔ ہم لوگ ایک ڈنر میں گئے تھے اور وہاں مجھے وہ نظر آئی وہ پہلے ہی کی طرح خوبصورت ہے بلکہ پہلے سے زیادہ گلیمرس اور اٹریکٹو لگ رہی تھی۔ وہ کشف کے پاس کھڑی تھی جب میں اس کے پاس گیا اور جب اسے ہمارے تعلق کا پتا چلا تو وہ حیران ہوئی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شاکڈ رہ گئی تھی پھر کشف کے جانے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔

"تو یہ تھی تمہاری چوائس؟ جب تم اس سے محبت کرتے تھے اور اسی سے شادی کرنی تھی تو کالج میں وہ سارے ڈرامے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

میں اس کی بات پر مسکرانے لگا تھا۔

''نہیں وہ سب ڈرامہ نہیں تھا۔اس سے محبت مجھے کالج چھوڑنے کے کئی سال بعد ہوئی تھی۔''

میری بات سننے کے بعد اس نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔

''مجھ میں کیا کمی تھی؟ کیا کشف مجھ سے زیادہ خوبصورت تھی کیا اس کے پاس مجھ سے زیادہ دولت تھی، کیا وہ مجھ سے زیادہ ذہین تھی پھر تم نے مجھے ریجیکٹ کیوں کیا؟''

''نہیں اسارہ! تم میں کوئی کمی نہیں، نہ ہی پہلے تھی۔تم بہت خوبصورت ہو، تم میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ پرابلم صرف یہ تھا کہ مجھے ان خوبیوں کی ضرورت نہیں تھی نو ڈاؤٹ حسن میں وہ تمہارے پاسنگ نہیں لیکن اس کی وجہ سے میں، میرا گھر اور میرے بیٹے خوبصورت ہیں اور یہ حسن تم سے بہت زیادہ ہے۔''

''فلاسفی مت بولو! مجھے لفظوں سے مت بہلاؤ۔''

اس نے میری بات بڑی تیز آواز میں کاٹی تھی اور میں مسکرانے لگا تھا۔

''اچھا چلو۔تمہارے لیے آسان زبان میں بات کرتا ہوں۔تم اپنے شوہر کے ساتھ یہاں آئی ہو، ذرا سوچ کے بتاؤ کہ یہاں آنے سے پہلے تم نے اپنی تیاری اور اپنے شوہر کو تیار کروانے میں کتنا وقت لیا تھا؟''

میرے سوال پر وہ کچھ متحیر ہوئی ''اپنی تیاری میں کافی وقت لگا تھا لیکن میرا شوہر کوئی بچہ نہیں جسے میں تیار کرواؤں، وہ خود سب کچھ مینج کر سکتا ہے۔''

''میں بھی کوئی بچہ نہیں ہوں لیکن پھر بھی یہاں آنے سے پہلے میری ٹائی کی ناٹ، کشف نے اپنے ہاتھوں سے لگائی تھی، میرے کوٹ کے کالر میں رومال بھی اس نے لگایا ہے میرے گھر میں ملازموں کی ایک لمبی قطار ہے اس کے باوجود جو شوز میں نے اس وقت پہنے ہیں، وہ اس نے پالش کیے ہیں، یہاں آنے سے پہلے وہ میرے بڑے بیٹے کو ہوم ورک کروا کر آئی ہے اور میرے چھوٹے بیٹے کو اس نے خود فیڈ کیا ہے حالانکہ اس کے لیے گورنس ہے اور اس کے بعد وہ یہاں آنے کے لیے ڈریس اپ ہوئی، اینڈ جسٹ لک ایٹ ہر کیا اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ اتنے بہت سارے کام کر کے آئی ہے اور یہ سب یہیں پر ختم نہیں ہوتا، ابھی یہاں سے جانے کے بعد وہ میرے لیے نائٹ سوٹ نکالے گی، دودھ کا گلاس دے گی، پھر صبح آفس جانے کے لیے میری ساری چیزیں تیار کرے گی میرا بریف کیس چیک کرے گی اور پھر وہ سوئے گی اور صبح میرے اٹھنے سے پہلے وہ بیدار ہو چکی ہوگی۔''

''یہ سب میں بھی کر سکتی تھی اگر تم مجھ سے شادی کرتے اور یہ سب کرنے کو کہتے۔'' اس کے لہجے میں کوئی نرمی نہیں آئی۔

''میں نے اسے کبھی بھی یہ سب کرنے کے لیے نہیں کہا وہ اپنی مرضی سے یہ سب کرتی ہے اور اگر مجھے ایک پرسینٹ بھی یقین ہوتا کہ تم یا میری سوسائٹی کی کوئی دوسری لڑکی یہ سب کر سکتی ہے تو میں کبھی کشف سے شادی نہ کرتا۔''

''اگر وہ یہ سب کرتی ہے تو اس میں کمال کی کیا بات ہے؟ وہ ایک ہاؤس وائف ہے، اس کی کوئی سوشل لائف نہیں اگر اسے یہ بھی نہیں کرنا

تو اور کیا کرنا ہے۔''

اس دفعہ میں اسمارہ کی بات پر ہنس پڑا تھا''وہ ہاؤس وائف نہیں ہے۔ شاید اس نے تمہیں بتایا نہیں وہ ایک سی' ایس' پی آفیسر ہے، اس وقت اسٹیبلشمنٹ ڈویژن میں کام کر رہی ہے۔''

میری بات کے جواب میں وہ پہلی دفعہ خاموش ہوئی تھی اور اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں پھر چند لمحوں کے بعد اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''اس کے باوجود میں یہی کہوں گی کہ اس میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ تم اس سے شادی کرتے۔''

پھر میں نے مزید کچھ کہنا بے کار سمجھا اور موضوع بدل دیا میں نے اس سے کہا۔

''چلو یار تم اتنے عرصے بعد ملی ہو تمہاری بات ہی مان لیتا ہوں۔ چلو کشف کو چھوڑو اور مجھے اپنے شوہر سے ملواؤ۔''

میں یہ بات اسے کبھی سمجھا نہیں سکتا کہ کشف میں کتنی خوبیاں ہیں۔ وہ میرے لیے ایک لگژری عورت ہے۔ پہلے میں اس سے محبت کرتا تھا اور اب میں اس سے امپریس ہوں۔ اس نے میرے لیے جو کیا کوئی دوسری عورت نہیں کر سکتی تھی کشف نے اپنے آپ کو میری مرضی کے مطابق ڈھالا ہے اور اگر میں اسمارہ سے شادی کرتا تو وہ مجھے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتی نتیجہ کیا ہوتا چند ماہ بعد علیحدگی کیونکہ میں اس کی بات نہیں مانتا اور وہ میری بات نہیں مان سکتی تھی۔ اسمارہ بھی ایک ڈپلومیٹ کی بیوی ہے لیکن اس کی ادائیں دیکھ کر سب کے دل ایک طرح سے ہی دھڑکتے ہوں گے۔ کشف اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے لیکن کم از کم لوگ اس کی عزت تو کرتے ہیں اسے ایسی ویسی نظروں سے تو نہیں دیکھتے اور مجھے یہی سب کچھ پسند ہے، ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جس طرح اسمارہ نے ڈنر میں اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے بھی مجھ سے ایسے سوال پوچھے تھے اگر میں اپنی سوسائٹی کی کسی لڑکی سے شادی کرتا تو ہو سکتا تھا وہ بھی ایسے کسی فنکشن میں اپنے کسی پرانے جاننے والے سے کچھ ایسی ہی گفتگو کر رہی ہوتی اور میں بے خبر ہوتا۔

جب ہم وہاں سے واپس آرہے تھے تو گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے میں مسلسل اسمارہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کشف نے میری خاموشی دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''زارون! کیا سوچ رہے ہو؟''

''اگر میں تمہیں بتادوں تو تم ناراض تو نہیں ہوگی؟'' میرے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اسمارہ مجھ سے کہہ رہی تھی، کشف میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ تم اس سے شادی کرتے اور میں نے اس سے کہا کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ بس غلطی ہوگئی۔''

میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا لیکن وہ میری بات پر ناراض ہونے کے بجائے مسکرانے لگی۔

''میں جانتی ہوں۔ تم ایسا کہہ ہی نہیں سکتے۔''

''اتنا اعتماد ہے مجھ پر؟'' میں نے اس سے پوچھا تھا اور اس نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''اگر اعتماد نہیں ہوتا تو آج تمہارے ساتھ نہیں ہوتی۔'' اس کے اس جملے پر مجھے کئی سال پہلے اس کی کہی گئی ایک بات یاد آ گئی جب ایک دن میں نے مذاق میں اس سے پوچھا تھا۔

''کشف اگر میں کبھی دوسری شادی کر لوں تو؟''

اور اس نے بڑی بے رخی سے کہا تھا۔ ''تم یہ کام کرنے والے دنیا کے پہلے یا آخری مرد نہیں ہو گے۔ مرد تو ایسے کام کرتا ہی رہتا ہے اور تم پر تو مجھے پہلے ہی کوئی اعتماد نہیں، اس لیے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' اس وقت وہ ایسے ہی منہ توڑ جواب دیا کرتی تھی اور آج وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہی تھی کہ اسے مجھ پر اعتماد ہے۔ عجیب چیز ہے یہ کشف۔ ہر وقت مجھے حیران کرتی رہتی ہے۔ مجھے وہ ہمیشہ ایک مسٹری ایک معمے کی طرح لگتی ہے جسے کوئی حل نہیں کر سکتا۔ شادی کے اتنے سال بعد بھی میں اسے پوری طرح جان نہیں سکا اور شاید کبھی نہیں جان سکوں گا کیونکہ وہ بہت گہری عورت ہے جو کبھی پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آتی اور شاید اس کی اسی مسٹری نے مجھے اس کا اسیر کر رکھا ہے۔ وہ بہت طاقتور ہے آج تک میرے سامنے اس کی کوئی کمزوری نہیں آئی، شاید اس کا کوئی ویک پوائنٹ ہے ہی نہیں اور اگر کوئی ہے تو شاید دوسروں کی طرح میں بھی ہمیشہ اس سے بے خبر رہوں گا۔ میں ہمیشہ اس کے ساتھ ہر بات شیئر کرتا ہوں، وہ آفس کا کوئی پرابلم ہو یا پھر کوئی پرسنل پرابلم۔

وہ ہمیشہ میری ہر بات سے واقف رہتی ہے لیکن آج تک کبھی اس نے مجھ سے اپنا کوئی پرابلم شیئر نہیں کیا، پھر بھی میں اسے پسند کرتا ہوں کیونکہ میں اپنی زندگی کو انجوائے کر رہا ہوں اور حقیقت میں زندگی ہے بھی یہی، جو کچھ میرے ماضی میں تھا وہ سب سراب تھا اور مجھے اس زندگی سے محبت ہے کیونکہ خدا نے مجھے ایک خوبصورت گھر دے رکھا ہے۔

❁

21 جولائی

آج ایک ڈپلومیٹک ڈنر میں میری ملاقات اسمارہ سے ہوئی اور میری طرح اس نے بھی فوراً مجھے پہچان لیا تھا۔ اس نے میری ہیلو کا جواب بڑے پھیکے انداز میں دیا تھا اور پھر پوچھا تھا۔

''تم یہاں کیسے؟''

پھر میرے جواب دینے سے پہلے ہی اس نے کہا۔

''لگتا ہے کسی کی سیکریٹری بن کر آئی ہو۔ ویسے تمہارے جیسی سیکریٹری کسی احمق کی ہو سکتی ہے۔ ذرا اپنے باس سے تو ملواؤ۔''

مجھے اس کی کسی بات پر غصہ نہیں آیا کیونکہ میں آج بہت اچھے موڈ میں تھی۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

''نہیں میں یہاں اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہوں۔''

''اوہ۔ لگتا ہے کوئی لمبا ہاتھ مارا ہے۔''

اس کا لہجہ اور انداز پہلے ہی کی طرح زہریلے تھے۔ میں نے اس کے کسی اگلے سوال سے بچنے کے لیے پوچھا۔

''تم یہاں اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہو؟''

''ہاں۔میرے شوہر ترکی میں چیف آف مشن ہیں۔آج کل چھٹیوں میں ہم لوگ یہاں آئے ہیں۔تم ذرا اپنے شوہر سے ملواؤ۔''

میری بات کا جواب دیتے ہی اس نے مجھ سے فرمائش کر دی، شاید وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ میرا شوہر کون ہے۔میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی زارون ہم لوگوں کے پاس آگیا۔شاید اس نے اسمارہ کو دیکھ لیا تھا۔اسمارہ بھی اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی پھر کچھ دیر تک وہ دونوں مجھے نظر انداز کر کے ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے رہے پھر اسمارہ نے ہی زارون کو میری طرف متوجہ کیا اور بڑے عجیب سے انداز میں پوچھا تھا۔

''زارون! تم نے انہیں نہیں دیکھا؟''زارون نے حیران ہو کر مجھے دیکھا اور پھر اسمارہ سے کہا۔

''انہیں تو میں دن میں دس دفعہ دیکھتا ہوں بلکہ رات کو سونے سے پہلے اور صبح اٹھنے کے بعد سب سے پہلے انہیں ہی تو دیکھتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''اس کی بات پر اسمارہ نے بڑے الجھے ہوئے انداز میں مجھے اور زارون کو دیکھا تھا۔

''مطلب یہ کہ یہ میری بیوی ہیں۔''

میک اپ کی گہری تہیں بھی اسمارہ کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ نہیں چھپا سکیں۔اس کی آنکھوں کی چمک ایک دم غائب ہو گئی تھی اور اس کے منہ سے صرف ایک جملہ نکلا تھا۔

''تم کشف کے شوہر ہو؟''

''آف کورس۔کیوں کشف! تم نے بتایا نہیں؟''

زارون نے اس کی بات پر حیران ہو کر مجھ سے پوچھا تھا۔

''میرے بتانے سے پہلے ہی تم آگئے تھے۔''

میں اس سے یہ کہہ کر معذرت کرتی ہوئی کچھ دوسرے لوگوں کی طرف چلی گئی۔میرے جانے کے بعد ان دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں یہ میں نہیں جانتی لیکن پھر پورے ڈنر میں اسمارہ میری طرف نہیں آئی اور مجھ سے بچنے کی کوشش کرتی رہی اور میں نے اس کا برا نہیں مانا کیونکہ میں جانتی ہوں وہ زارون کو پسند کرتی تھی اور مجھے ناپسند کرتی تھی۔آج یہ جان کر کہ میں زارون کی بیوی ہوں اسے یقیناً بہت تکلیف ہوئی ہو گی۔اس نے سوچا ہو گا کہ میں اور زارون کالج میں دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے جب کہ حقیقت میں ہم ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار تھے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔مجھ سے شادی زارون کا ذاتی فیصلہ تھا اور اس وقت میں نے بہت مجبور ہو کر شادی کی تھی۔مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے زارون سے کہا تھا۔

''کتنا اچھا ہوتا اگر ہم کالج میں دوست ہوتے۔تمہارے نوٹس اتنے اچھے ہوتے تھے۔ہوسکتا ہے میری بھی ایم اے میں فرسٹ ڈویژن آجاتی۔''

میری بات پر اس نے یک دم فائل کو بند کر کے ڈائریکٹ میری آنکھوں میں دیکھا تھا اور بڑے صاف اور مستحکم لہجے میں کہا تھا۔

''اگر تم کالج میں میری دوست بن جاتیں تو آج میری بیوی نہیں بنتیں۔''مجھے اس کی صاف گوئی اچھی لگی تھی۔

سونے سے پہلے اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ وہ بار بار مجھے تنگ کر رہا تھا پھر ایک کو کاٹ سے نکال کر اپنے پاس بیڈ پر لے آیا اور اس سے کھیلنے لگا اور جب میں ایک کو سلانے لگی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے اس سے کہا ''کہیں آج تم مجھے اسمارہ تو نہیں سمجھ رہے؟'' وہ میری بات پر ہنسنے لگا۔ ''یار تم کچھ زیادہ ہی سمجھدار نہیں ہوتی جا رہیں؟'' اس نے میرے ہی انداز میں کہا اور پھر میرے ہاتھ چومنے لگا۔ میں نے بہت عرصے بعد اسے اتنے رومانٹک موڈ میں دیکھا تھا۔ تمہارا اور اسمارہ کا کیا مقابلہ؟ تم سے میں عشق کرتا ہوں اور اسمارہ صرف ٹائم پاسنگ تھی، جس طرح گھر تک پہنچنے کے لیے آدمی بہت سے رستوں سے گزرتا ہے اسی طرح اسمارہ بھی ایک رستہ ہی تھی اور تم تو میری جان ہو۔'' بہت ساری باتیں کرنے کے بعد اب وہ مزے سے سو رہا تھا اور میں سوچ رہی ہوں کہ اس کے اچھے موڈ کے لیے اگر کبھی اس کی کوئی پرانی دوست مل جایا کرے تو یہ کوئی اتنا مہنگا سودا تو نہیں ہے۔

❁

17 فروری

آج مجھے میری پوسٹنگ کے آرڈرز مل گئے ہیں مجھے یو این او میں پاکستان کے مستقل نمائندے کی حیثیت سے کام کرنا ہے۔ ایک بہت نازک اور اہم جگہ پر ایک ایسی جگہ جہاں پوسٹ ہونے کے لیے فارن آفس کے مختلف آفیسرز کے درمیان کھینچا تانی ہوتی رہتی ہے لیکن جیت ہمیشہ اسی بندے کی ہوتی ہے جس کے تعلقات سب سے زیادہ ہوں اور میرے لیے اس جگہ پوسٹ ہونا کوئی پرابلم نہیں تھا کیونکہ رشتہ داروں کا کچھ فائدہ تو ہونا ہی چاہیے اور ویسے بھی پاکستان میں میرے اتنے لمبے قیام کے پیچھے رشتہ داروں کی کرم فرمائی ہی تو ہے ورنہ مجھے اتنا لمبا قیام کیسے ملا۔ اتنا لمبا عرصہ پاکستان میں صرف اس لیے رہا کیونکہ اپنی پرسنل لائف کو سٹیل کرنا چاہتا تھا، پھر کشف بھی جاب کر رہی تھی اور وہ ایک دم فارن سروس میں نہیں آ سکتی تھی۔ بہرحال اب سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے، اس لیے اب اپنے کیریئر پر توجہ مرکوز کرنا چاہتا ہوں۔

کشف، تیمور اور ایک میرے ساتھ جا رہے ہیں، اس لیے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے اور ویسے بھی کہیں بھی اپنی پوسٹنگ ہونے پر انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھوں گا کیونکہ میں ان کا عادی ہوں اور عادی ہی رہنا چاہتا ہوں۔ ان کے بغیر رہنا اب میرے لیے ممکن نہیں ہے اور ویسے بھی ماں باپ کی سب سے زیادہ ضرورت اس عمر میں ہوتی ہے۔ ایک تو ابھی کافی چھوٹا ہے لیکن تیمور کو ابھی میرے ساتھ کی ضرورت ہے۔ اسے میری محبت اور توجہ چاہیے اور یہ سب اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ میرے ساتھ رہے۔ میں چاہتا ہوں اب کشف جاب چھوڑ دے۔ لیکن یہ بات اس سے کہنے کی ہمت نہیں ہے، مجھے یہ ڈر ہے کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ میں دوبارہ پہلے جیسا ہو گیا ہوں، اس پر اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتا ہوں پھر مجھے یہ خوف بھی ہے کہ کہیں وہ خود کو مجھ سے کمتر فیل کرنا نہ شروع کر دے اسے کہیں ایسا نہ لگے کہ وہ میرے مقابلے میں کچھ نہیں ہے صرف بے کار اور بے مصرف ہے اور میں اسے گھر تک محدود کر دینا چاہتا ہوں حالانکہ میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں۔

میں صرف اس پر سے کام کا پریشر کم کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اس کے پاس اپنے لیے بھی کچھ وقت ہو، چند ایسے لمحے جنہیں وہ اپنی مرضی سے گزار سکے ابھی تو وہ ایک مشینی زندگی گزار رہی ہے، سارا دن آفس میں گزار کر گھر آتی ہے اور پھر وہی روٹین لائف۔ دوپہر اور رات کا کھانا تیار کروانا، میرے اور تیمور اور ایک کے دوسرے کام کرنا۔ وہ ہمارے گھر میں سب سے پہلے جاگتی اور سب سے آخر میں سوتی ہے۔ سو میں چاہتا ہوں

اسے تھوڑا آرام ملے۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں اس سے اپنے کام کروانے چھوڑوں۔

اس نے مجھے اپنا اتنا عادی بنالیا ہے کہ میں اس کے علاوہ کسی دوسرے سے اپنا کام کرواہی نہیں سکتا لیکن پھر بھی چاہتا ہوں کہ اس پر کام کا اتنا بوجھ نہ رہے لیکن میں اسے کسی بات پر بھی مجبور نہیں کروں گا۔ آخری فیصلہ اسی کا ہوگا کیونکہ میں اس عورت کا معترف ہوں۔ اب میں بار بار اس سے محبت کا اظہار نہیں کرتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اس سے محبت نہیں رہی اس کے اور میرے درمیان اب جو رشتہ ہے، اسے لفظوں کی ضرورت نہیں ہے۔

اب وہ جانتی ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں بالکل اسی طرح جس طرح مجھے یہ علم ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔

کشف میرے لیے بہت قیمتی چیز ہے۔ میں ہمیشہ کوشش کرتا ہوں کہ اسے مجھ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ایک بات پر مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ آج سے پانچ چھ سال پہلے میں نے ایک دفعہ اسے تھپڑ مارا تھا اور وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس وقت میں نے اسے طلاق دینے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا تھا تب وہ پریگنینٹ تھی اور یہ بات ہم دونوں نہیں جانتے تھے۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں اگر تب میں اسے طلاق دے دیتا اور بعد میں مجھے پتا چلتا کہ وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی تو میں تو شاید پاگل ہی ہو جاتا کیونکہ میرے پاس اس کی طرف واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہتا پھر زندگی میرے لیے عذاب کی طرح ہوتی اگر میں دوسری شادی کر بھی لیتا تب بھی میرا دل کشف اور اپنے بچے کے لیے تڑپتا رہتا۔ یہ تو صرف خدا ہی تھا جس نے اس وقت میرا گھر تباہ ہونے سے بچالیا جس نے میری زندگی میں آرام و سکون رکھا جس نے مجھے کشف جیسی بیوی اور تیمور اور ایک جیسے بیٹے دیئے میں تو اس کی اتنی بہت ساری نعمتوں کا مستحق ہی نہیں تھا پھر بھی اس نے مجھ جیسے آدمی پر اتنی عنایات کیں۔ میں کبھی بھی ان سب چیزوں کے لیے اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا یقیناً وہی سب سے زیادہ رحیم و کریم ہے، میری اس سے صرف یہی دعا ہے کہ وہ میرے گھر کو ہر مصیبت سے بچائے رکھے اور میری باقی زندگی بھی اسی طرح امن اور سکون سے گزار دے۔

⁂

27 فروری

آج پاکستان میں میرا آخری دن تھا اور پورے سات گھنٹے بعد میں زارون کے ساتھ امریکہ چلی جاؤں گی اور واپسی بہت جلد نہیں ہوگی۔

اس وقت زارون سو رہا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ لمبی فلائٹ سے پہلے ضرور سوتا ہے میں اس وقت اکیلی ہوں اور پتا نہیں میرا دل کیوں چاہ رہا ہے کہ پاکستان میں گزارے ہوئے اپنے پچھلے سالوں کے بارے میں کچھ لکھوں۔ شاید ایسا اس لیے ہے کیونکہ آج میں نے اپنے پچھلے سالوں کی تمام ڈائریاں پڑھی ہیں اور پھر انہیں دوسرے ڈاکومینٹس کے ساتھ بینک لاکر میں رکھوا دیا ہے کیونکہ میں ان سب کو اپنے ساتھ لے کر نہیں جا سکتی۔

تین بجے کی فلائٹ سے مجھے جانا ہے اور ابھی بہت وقت ہے یہاں سے جانے سے پہلے میں سارے اعتراف کرنا چاہتی ہوں بہت کچھ لکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ آج میں کتھارسس کے موڈ میں ہوں۔

چار دن پہلے میں زارون کے ساتھ اپنی فیملی کو خدا حافظ کہنے گجرات گئی تھی کیونکہ اب ان سے دوبارہ ملاقات بہت عرصے کے بعد ہوگی۔

وہاں میں اپنے باقی رشتہ داروں سے بھی ملی۔ مجھے ہمیشہ یہ شکایت رہتی تھی کہ میری امی کو ان کی اچھائیوں ان کی نیکیوں کا کوئی صلہ نہیں ملا اور نہ ہی کبھی ملے گا لیکن آج جب میں اپنی امی اور اپنی ممانیوں کا موازنہ کرتی ہوں تو یہ بات بالکل صاف نظر آتی ہے کہ میری یہ سوچ غلط تھی۔ ایسا کیا ہے جو آج میری امی کے پاس نہیں ہے؟ ان کی چاروں بیٹیاں اچھے گھروں میں بیاہی گئی ہیں اور بہت آرام سے ہیں، ان کے دونوں بیٹے اچھے عہدوں پر ہیں ان کی بہوان کی عزت کرتی ہے، ان سے محبت کرتی ہے انہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی لاحق نہیں یہ ٹھیک ہے کہ ان کے پاس بے تحاشا دولت نہیں ہے لیکن اچھی اور پرسکون زندگی گزارنے کے لیے کسی کے پاس جتنا روپیہ ہونا چاہیے، وہ ان کے پاس ہے اور زیادہ کی ہوس تو انہیں کبھی تھی ہی نہیں۔ کیا یہ سب ان کی نیکیوں کا صلہ نہیں ہے؟

پہلے امی کا صبر شکر، ان کی قناعت مجھے زہر لگتی تھی اور آج میں جو یہ سمجھتی تھی کہ دولت ہر مسئلے کا حل ہے۔ اب اپنی اس سوچ پر شرمندہ ہوں۔ کوئی انقلاب نہیں آیا نہ کوئی معجزہ ہوا نہ ہی ایک رات میں کایا پلٹی مگر پھر یہ کیسے ہوا کہ جن کے پاس پہلے دولت تھی وہ آج دولت کی موجودگی میں بھی خوش نہیں سکون سے محروم ہیں اور جو کبھی اچھے لباس اور اچھی خوراک کے لیے ترستے تھے آج ان کے پاس خوشی اور سکون کے ساتھ ساتھ وہ سب کچھ ہے جو کبھی ان کی خواہش تھا۔

فرق صرف اچھائیوں کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کس نے زندگی کو کیسے برتا۔ اپنے سے کمتر لوگوں کی بھی کوئی عزت نفس ہوتی ہے دنیا میں دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی روپے کے بل بوتے پر آپ دوسروں کو کوڑا کرکٹ نہیں سمجھ سکتے۔ جن لوگوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا ان کی زندگیاں آسان بنانے میں کچھ کردار پیسے والے لوگوں کو بھی ادا کرنا ہوتا ہے۔

میں پہلے ہر بات میں خدا کو موردالزام ٹھہرایا کرتی تھی اور مجھے اس بات پر ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں نے خدا کو غلط سمجھا شاید ہم سب ہی خدا کو غلط سمجھتے ہیں۔ اس کی طاقت کا غلط اندازہ لگاتے ہیں، ہمیں خدا پر صرف اس وقت پیار آتا ہے جب وہ ہمیں مالی طور پر آسودہ کردے اور اگر ایسا نہ ہو تو ہم اسے طاقتور ہی نہیں سمجھتے۔ ہم نماز کے دوران اللہ اکبر کہتے ہیں، اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور نماز ختم کرتے ہی ہم روپے کو بڑا سمجھنا شروع کر دیتے ہیں مجھے ہمیشہ ایسا لگتا تھا کہ خدا مجھ سے نفرت کرتا ہے۔

حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ خدا تو ہر ایک سے محبت کرتا ہے اسی لیے تو اس نے مجھے آزمائشوں میں ڈالا اور وہ اپنے انہیں بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے اگر خدا واقعی مجھ سے نفرت کرتا ہے اور وہ میرے مسائل ختم نہ کرنا چاہتا تو مجھے مشکلات سے لڑنے کا حوصلہ بھی نہ دیتا۔ میں نے سی ایس ایس کو الیفائی کیا اور اس میں اچھی پوزیشن لی۔ خدا کی رضا کے بغیر یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ رزلٹ اناؤنس ہونے کے فوراً بعد مجھے اکیڈمی کال کر لیا گیا اور سب سے بہترین ڈیپارٹمنٹ میں بھیجا گیا کیا یہ سب خدا کی مرضی کے بغیر ہو سکتا تھا؟ مجھے اپنی بہنوں کی شادیوں کے لیے رشتوں کی تلاش میں ہاتھ پاؤں مارنے نہیں پڑے نہ ہی جہیز کے لمبے چوڑے مطالبے سننا پڑے۔ کیا تب خدا میرے ساتھ نہیں تھا؟ اور پھر میرے دونوں بھائیوں کو کسی سفارش کے بغیر آرمی میں لیا گیا، کیا یہ بھی خدا کی مرضی کے بغیر ہو سکتا تھا؟ پھر میں بھی جو بری طرح احساس کمتری کا شکار تھی جس کا خیال تھا کہ اگر کسی کے پاس دولت اور خوبصورتی ہے تو وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے اور جس کے پاس یہ چیزیں نہیں وہ دنیا میں کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

خدا نے میرے اس خیال کو بھی غلط ثابت کیا۔ میں خوبصورت نہیں تھی پھر بھی زارون نے مجھے پسند کیا۔ میرے پاس دولت بھی نہیں تھی پھر بھی میں اتنے بڑے خاندان کی بہو ہوں سو ثابت ہوا کہ میری ہر سوچ، ہر خیال غلط تھا اور شاید احمقانہ بھی۔ خوبصورتی اور دولت خدا دیتا ہے سوا سے ان چیزوں کی کیا پرواجو اسی کی دین ہیں پر یہ سب میں پہلے نہیں جان پائی۔ شاید میں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ خدا چاہتا تو مجھے ان سب غلط نظریات کی سزا دیتا جو میں خدا کے بارے میں رکھتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ یہ اس کا رحم اور کرم ہی تھا کہ اس نے سچ مچ مجھ سے منہ نہیں موڑا وہ مجھ سے بے پروا نہیں ہوا۔ اس نے میری نادانیوں کو معاف کر دیا۔

میں نے سخت محنت کی اور اس نے مجھے اس کا اجر دیا۔ شاید محنت کے بغیر وہ مجھے کبھی کچھ نہ دیتا۔ یہ بیسویں صدی ہے۔ اس میں ہاتھ پاؤں مارے بغیر کچھ نہیں ملتا کیونکہ اب خدا پلیٹ میں کوئی چیز رکھ کر ہمیں پیش نہیں کرے گا۔ اس نے ہمارے مقدر میں جو لکھا ہے وہ ہمیں اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک ہم اسے پانے کے لیے محنت نہ کریں۔

اگر آج اپنے ماضی پر نظریں دوڑاؤں تو مجھے اپنے آپ پر رشک آتا ہے کیونکہ میں نے اپنی شخصیت خود بنائی ہے، میں سیلف میڈ ہوں، میرے راستے میں کسی نے آسانی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن بہت سارے کمپلیکسز، ڈھیروں مخالفتوں اور ہزاروں خامیوں کے باوجود ایک چیز جو میں نے کبھی ترک نہیں کی وہ محنت تھی اور شاید ایک لڑکی ہوتے ہوئے جتنی محنت میں نے کی، کوئی دوسرا نہ کرتا۔ میری فیملی کچھ نہیں تھی اور اس کچھ نہیں سے میں نے کبھی کمپرومائز نہیں کیا۔ میں نے وہ سب پانے کے لیے جدوجہد کی جو ہم کھو چکے تھے اور پھر آہستہ آہستہ سب پا لیا بلکہ شاید اس سے زیادہ ہی پایا جتنا ہم نے کھویا تھا۔

ان دنوں میرے دل میں بس ایک ہی خیال رہتا تھا کہ مجھے کچھ بننا ہے اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی فیملی کے لیے۔ اپنی تحقیر مجھے اس وقت اتنی بری نہیں لگتی تھی جتنا اپنی فیملی کا نظر انداز کیا جانا برا لگتا تھا۔ اپنے رشتہ داروں کے طنزیہ جملے ان کے طعنے ان کی نظریں ہر چیز نے مجھے آگے بڑھنے کے لیے اکسایا۔ جو لوگ میرے ساتھ خراب سلوک کرتے تھے وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ آگے بڑھنے میں مجھے کس قدر مدد دے رہے ہیں شاید ان کے اس سلوک کے بغیر میں کبھی اس مقام پر نہیں پہنچ پاتی جس پر آج میں ہوں۔

ان دنوں زندگی اس لیے مشکل نہیں لگتی تھی کہ گرمیوں میں پیدل کالج آتے جاتے پیروں میں چھالے پڑ جاتے تھے، اچھا کھانے، اچھا پہننے کے لیے روپے نہیں ہوتے تھے، نہ ہی آج زندگی اس لیے آسان لگتی ہے کہ کہیں جانے کے لیے ایک نہیں تین تین گاڑیاں ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں جو میری دسترس سے باہر ہو، تب زندگی شاید اس لیے بوجھ لگتی تھی کیونکہ مجھے اپنے وجود سے نفرت تھی۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ میں بے کار ہوں میں کچھ نہیں کر سکتی مجھ میں ظاہری اور باطنی کوئی خوبی نہیں۔ میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح خدا نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اگر ان دنوں مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ خدا میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑے گا تو شاید مجھے اپنی ذات سے محبت ہوتی اور میں ساری تکلیفیں آسانی سے بغیر شکوہ شکایت کے برداشت کر لیتی اگر آج مجھے اپنے وجود سے محبت ہے تو صرف اس لیے کیونکہ اب مجھے خدا کے ساتھ پر یقین ہے۔

میں سوچتی ہوں اگر اس وقت میں تعلیم چھوڑ دیتی اور یہ توقع رکھتی کہ خدا سب کچھ ٹھیک کر دے گا تو کیا ہوتا؟ سب کچھ اسی طرح رہتا اور زندگی ویسے ہی ٹھوکریں کھاتے ہوئے ختم ہو جاتی۔ اگر میں محنت نہ کرتی تو میں اور میری فیملی آج بھی وہیں کھڑی ہوتی میں اور میری بہنیں آج بھی ایک ایک چیز کے لیے ترستے لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری اور خدا نے مجھے میری اچھائیوں کا بدلہ دیا۔

ہاں مجھ میں اچھائیاں تھیں۔ تب میں یہ تسلیم نہیں کرتی تھی لیکن یہ حقیقت ہے کہ خدا نے مجھے جو آسائشیں دی ہیں۔ وہ میرے ایثار اور قربانیوں کا صلہ ہیں۔ یہ کیوں کہوں کہ میں نے کوئی اچھا کام کیا ہی نہیں، میں نے تو اپنے بساط سے بڑھ کر ایثار کیا تھا۔ اپنے مفاد کے لیے تو کبھی کچھ سوچا ہی نہیں، سی ایس پی آفیسر بننے کے بعد بھی مجھ میں کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں آئی نہ ہی میں نے اپنے آپ پر غرور کیا اور شاید یہ سب باتیں ہی خدا کو پسند آ گئیں۔

آج لوگ مجھے خوش قسمت سمجھتے ہیں۔ میرے رشتہ دار یہ دعا کرتے ہیں کہ ان کی بیٹیوں کی قسمت بھی میرے جیسی ہو۔ ان کا خیال یہ ہے کہ مجھے تو سب کچھ بس ایسے ہی مل گیا ہے ان میں سے کسی نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی ہو گی کہ یہ سب کچھ پانے کے لیے میں نے کیا کھویا، کیا کچھ قربان کیا اور کیا کچھ قربان کر رہی ہوں، تب کہیں جا کر ایک گھر بنا پائی ہوں۔ پردے کے پیچھے کی حقیقت جاننے کی کوشش کوئی نہیں کرتا۔ خدا کسی کو کوئی چیز ہمیشہ کے لیے نہیں دیتا جب وہ کسی کو کوئی نعمت دیتا ہے تو صرف آزمائش کے لیے وہ چاہتا ہے کہ ہم اس چیز کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کے لیے جدوجہد کریں۔

وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل ثابت کریں اور ہم اکثر اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ جب زارون مجھے ملا تھا تو شروع میں مجھ سے کچھ حماقتیں سرزد ہوئی تھیں لیکن پھر آہستہ آہستہ میں محتاط ہو گئی کیونکہ میں جانتی تھی ایک دفعہ میں نے اسے کھو دیا تو پھر دوبارہ میں کچھ نہیں پا سکوں گی۔

میں نے زارون کی ہر بات برداشت کی۔ وہ بہت اچھا تھا لیکن مرد تھا جس کے اپنے احساسات تھے اور جو انہیں ہرٹ ہوتا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ایسا مرد جسے کوئی مجبوری لاحق نہیں تھی کہ وہ ضرور میرے ساتھ ہی زندگی بسر کرے۔ سو اپنے گھر کو برقرار رکھنے کے لیے میں نے اپنے جذبات قربان کیے۔ بہت سی باتیں ناپسندیدہ ہونے کے باوجود صرف اس لیے اپنائیں کیونکہ وہ زارون کو پسند تھیں۔ اپنے بہت سے پسندیدہ کام صرف اس لیے چھوڑ دیئے کیونکہ وہ زارون کو ناپسند تھے۔

میں نے زارون پر کبھی کوئی تجربہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی فیملی کا رویہ شروع میں میرے ساتھ بہت خراب تھا اور اس کی ماما ابھی تک مجھے ناپسند کرتی ہیں۔ بہت دفعہ انہوں نے میرے بارے میں دوسروں کے سامنے ریمارکس دیئے اور میں جو کسی کی کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ سب صرف اس لیے برداشت کر گئی کیونکہ وہ زارون کی ماں تھیں اگر میں ان سے الجھتی تو زارون مجھے ناپسند کرتا بہر حال وہ اس کی ماں تھیں جسے بدلا نہیں جا سکتا اور میں صرف بیوی جسے وہ جب چاہے بدل سکتا تھا اور میری یہ خاموشی بے کار نہیں گئی۔

اگر اب اس کی ماما دوسروں کے سامنے پہلے کی طرح میرے بارے میں ریمارکس نہیں دیتیں تو صرف اس لیے کیونکہ زارون میرے

خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا اور وہ بہت سختی سے انہیں ایسی باتوں سے روک دیتا ہے اور میرے لیے یہ کافی ہے۔ اگر میں زارون کے گھر والوں کے ساتھ جھگڑتی، اس سے بدتمیزی کرتی یا اس کی مرضی کے خلاف ہر کام کرتی تو وہ لازمی طور پر مجھے طلاق دے چکا ہوتا اور اگر ایسا ہوتا تو کیا پھر بھی میں خدا سے شکوہ کرسکتی تھی کہ اس نے مجھ سے انصاف نہیں کیا اور مجھے دوبارہ اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ یقیناً نہیں۔

یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میں اپنی مرضی سے ہر غلط کام کرنے کے بعد بھی یہ توقع رکھتی کہ خدا میری مدد کرتا رہے۔

جب زارون سے میری شادی ہوئی تھی تو میں اس کے لیے ایک راز کی طرح تھی۔ اس نے میری ظاہری شخصیت سے محبت کی تھی جو بظاہر بڑی مضبوط، طاقتور اور پرکشش تھی اگر وہ یہ جان جاتا کہ یہ تو صرف ایک ماسک ہے جو میں نے خود پر چڑھایا ہوا ہے ورنہ تو میں بھی دوسری عورتیں کی طرح ہوں تو مجھ میں اس کی دلچسپی ختم ہوجاتی۔ یہ بات میں بہت جلد سمجھ گئی کہ یہ زندگی تھی کوئی افسانہ نہیں جس میں ہیرو، ہیروئن کے مسائل، اس کی پریشانیاں جان کر اس سے مزید محبت کرتا اور اس کی ساری محرومیوں کو اپنے پیار سے ختم کردیتا۔ میں جانتی تھی کہ زارون کے پاس نہ تو اتنا وقت ہے اور نہ ہی اسے ضرورت ہے کہ وہ میری نفسیات کو جاننے کی کوشش کرتا۔ میرے ماضی کے مسائل کو جانتا اور وہ سب جان کر بھی مجھ سے محبت کرتا رہتا۔

سو میں نے کبھی اپنے ماضی کو اس کے سامنے رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اپنا کوئی ذاتی مسئلہ اس سے ڈسکس نہیں کیا۔ میں نے کبھی جذبات کی رو میں بہہ کر اسے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ مجھے تعلیم حاصل کرنے کے لیے کتنی جدوجہد کرنا پڑی یا یہ کہ مجھے کیسے مالی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے اسے زندگی کا ساتھی ضرور سمجھا لیکن اپنی سابقہ زندگی کو اپنے دل کے اندر ہی محفوظ رکھا کیونکہ میں اس کی نظروں میں بے وقعت ہونا نہیں چاہتی تھی۔

اور اس بات نے مجھے ہمیشہ فائدہ پہنچایا۔ میں نے اپنی نفسیات اس کو سمجھانے کے بجائے اس کی سائیکالوجی سمجھنے کی کوشش کی۔ اسے ایک گھر کی ضرورت تھی۔ وہ اپنے سے وابستہ لوگوں کی پوری توجہ چاہتا تھا کیونکہ وہ اس سے محروم رہا تھا اور میں نے اس کی یہ ضرورت پوری کی۔ اسے اس حد تک گھر اور بچوں میں انوالو کیا کہ اس کے لیے اب ان کے بغیر رہنا ممکن نہیں۔

پہلے میرا خیال تھا کہ زارون میں کوئی اچھائی نہیں پھر بھی اس کے پاس سب کچھ ہے لیکن کیا واقعی اس میں کوئی خوبی نہیں تھی؟ اپنی ساری بشری کمزوریوں کے باوجود بعض معاملات میں اس کی اپروچ بڑی صاف اور واضح تھی۔ اس نے کبھی مجھے اپنی فیملی کی مالی مدد کرنے سے نہیں روکا، اس نے کبھی اس بات کو طنز کے طور پر استعمال کیا اور نہ ہی اس بناء پر اس نے میری فیملی کے احترام میں کوئی کمی کی۔

اس نے کبھی مجھے جاب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا۔ سماجی حیثیت میں اپنے سے کمتر ہونے کے باوجود اس نے مجھ سے شادی کی اور اس معاملے میں اس نے اپنے گھر والوں کی مخالفت کی بھی پروا نہیں کی۔ اس نے کبھی کسی سے میرے فیملی بیک گراؤنڈ کو چھپانے کی کوشش نہیں کی اور جب بھی کسی نے میری فیملی کے سوشل اسٹیٹس کے بارے میں جاننا چاہا تو اس نے ان کے بارے میں کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی اور اس نے مجھے بہت دفعہ کہا۔

"کشف! جب کالج میں ہمارا جھگڑا ہوا تھا تو تم نے کہا تھا شرم اس بات پر نہیں آنی چاہیے اگر آپ کے پاس روپیہ نہیں، آپ غریب ہیں، شرم تو اس بات پر آنی چاہیے اگر آپ قاتل ہیں چور ہیں یا ایسی کوئی دوسری برائی آپ کے اندر موجود ہے۔ تمہاری وہ بات میرے دل پر نقش ہوگئی

تھی۔ واقعی غربت یا کم روپیہ شرمندگی کی بات نہیں۔''

آیا یہ ساری خصوصیات کسی عام مرد میں ہو سکتی ہیں۔ یقیناً نہیں۔ وہ ایک عام مرد ہے بھی نہیں۔ اگر خدا نے اسے شروع سے آسائشوں میں رکھا تھا تو شاید یہ اس کے لیے انعام یوں تھا کیونکہ اسے بعد میں میرے جیسی ایک عورت کو اعتماد اور عزت دینی تھی۔ ایک عورت کا خدا پر یقین مضبوط کرنا تھا۔ سوان سب باتوں کے لیے خدا نے اسے پہلے ہی نواز دیا اور اب میں یہ کیسے چاہ سکتی ہوں کہ اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔

اس کی ذات سے میں اور میرے دونوں بیٹے وابستہ ہیں۔ اسے پہنچنے والی کسی تکلیف سے سب سے زیادہ ہم متاثر ہوں گے۔ وہ ایک انعام ہے جو اتنی صعوبتوں کے بعد خدا نے مجھے دیا ہے اب میں اسے کیسے کھو سکتی ہوں۔ خدا نے ایک دفعہ پھر ثابت کر دیا ہے کہ جن لوگوں کی آسائشوں سے ہم حسد کرنے لگتے ہیں کہ ان میں تو کوئی خوبی ہی نہیں یہ تو کسی چیز کے مستحق ہی نہیں پھر انہیں خدا نے اتنا سب کچھ کیوں دے رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ سب نعمتیں انہیں کسی دوسرے کی دعاؤں کے عوض ملی ہوں۔ پتا نہیں وہ کسی کی کتنی ریاضتوں کا صلہ ہوں۔ جیسے کہ زارون میرے لیے ہے۔

ماضی میں اگر میں خدا سے اتنے شکوے شکایتیں کرتی رہتی تھی تو اس کی ایک وجہ لوگوں کا رویہ بھی تھا۔ لوگ جان بوجھ کر ہمیں اس طرح ٹریٹ کرتے تھے کہ ہمیں ہماری حیثیت کا اندازہ ہوتا رہے۔ لوگوں کے رویے کی وجہ سے ہی میں خدا سے بددل ہو گئی تھی۔ کاش لوگ کبھی یہ جان پاتے کہ ان کے رویوں کی وجہ سے کوئی خدا سے برگشتہ ہونے لگتا ہے۔

آج میرے پاس بھی کسی چیز کی کمی نہیں لیکن اپنا گھر' دولت' عہدہ' بچے یا شوہر دیکھ کر میں آپے سے باہر نہیں ہوتی، بہت متوازن ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتی ان چیزوں کے بل بوتے پر میں کسی کی دل آزادی کا باعث بنوں۔ کوئی میری آسائشیں دیکھ کر اپنے وجود سے نفرت کرے کسی کو میرا رویہ خودکشی کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دے۔ نہیں مجھے اس سب سے خوف آتا ہے میں وہ سب نہیں کرنا چاہتی جو کل تک میرے ساتھ ہوتا رہا۔ اسی لیے خود کو بڑا نارمل رکھا ہے۔

میں جب بھی گجرات جاتی ہوں تو کسی فنکشن میں کسی کے روپے کی بناء پر اسے غیر معمولی توجہ نہیں دیتی، ہر ایک کو ایک جیسے ٹریٹ کرتی ہوں قطع کہ اس کی مالی حیثیت کیا ہے۔ میں قیمتی لباس افورڈ کر سکتی ہوں لیکن سادہ لباس پہنتی ہوں۔ میرے پاس روپیہ ہے یہ سب جانتے ہیں پھر کیا ضروری ہے کہ میں شو آف کروں دوسروں کو احساس کمتری میں مبتلا کروں۔

پھر یہ چیزیں مجھے خوش بھی نہیں کرتیں۔ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے بہت ساری خوبیوں سے نوازا اور اچھا اور بہتر انسان بنایا۔ اس نے میرے ظاہر کے بجائے میرے باطن کو خوبصورت بنایا تھا لیکن یہ میں اب جان پائی ہوں۔ کاش میں پہلے بھی اپنی ان خوبیوں کو جان پاتی اور ان پر شرم محسوس نہ کرتی مگر ٹھیک ہے ہر کام وقت گزرنے کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

میری زندگی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ میں نہیں جانتی ہر آنے والا دن میرے لیے کیا لائے گا۔ مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ اب میری زندگی میں ہمیشہ خوشیاں ہی رہیں گی۔ مجھے یہ زعم بھی نہیں ہے کہ زارون ہمیشہ میرا ہی رہے گا یا میرے بیٹے بھی زندگی میں بہت کامیاب رہیں گے۔ یقین اگر کسی بات پر ہے تو صرف اس بات پر کہ اب میں کسی مصیبت پر پہلے کی طرح خدا کو مورد الزام نہیں ٹھہراؤں گی۔ میں نے صبر اور برداشت سیکھ لی ہے۔ اب

میں خدا کے ایک فرمانبردار اور صابر بندے کی طرح اس کی ہر رضا پر راضی رہوں گی کیونکہ ہر خوشی کے بعد غم اور غم کے بعد خوشی آتی ہے۔ خدا سے میرا تعلق اب بہت مضبوط ہو چکا ہے اور اب میں پہلے کی طرح اپنے مستقبل سے خوفزدہ نہیں ہوں لیکن پھر بھی ہر معاملے میں سمجھداری سے کام لیتی رہوں گی تاکہ ہر مصیبت سے بچی رہوں۔

اپنے سروس کے سال پورے ہونے کے بعد میں جاب چھوڑ دوں گی تاکہ اپنے بیٹوں کو پوری توجہ دے سکوں تاکہ ان کی شخصیت میں کوئی خامی، کوئی کمی نہ رہے۔

جب میں پہلے دن کالج گئی تھی تو زارون سے میری بحث ہوئی تھی، میں نے اس سے کہا تھا ایک ووٹ کی جیت کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور اپنے اس پوائنٹ کو ثابت کرنے کے لیے پتا نہیں کیا کیا دلیلیں دی تھیں پر آج اپنی ڈائری میں اس دن کا حال پڑھ کر میں سوچ رہی تھی کہ تب میں غلط تھی۔

جیت تو جیت ہی ہوتی ہے چاہے وہ ایک ووٹ کی ہو یا ایک لاکھ ووٹوں کی۔ زندگی بھی تو ایک ووٹ کی جیت ہے۔ واضح اکثریت سے اس میں بھی کوئی فتح یاب نہیں ہوتا بس یہ ہوتا ہے کہ کسی کو چند خوشیاں زیادہ مل جاتی ہیں اور کسی کو چند غم۔ ایک کے رونے کی آواز آ رہی ہے، زارون اٹھ گیا ہوگا اور یقیناً مجھے تلاش کر رہا ہوگا اس لیے آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے ویسے بھی بہت لمبی فلائٹ ہے کچھ دیر مجھے بھی سو جانا چاہیے۔

ابھی تومات باقی ہے

رابیل نے چلتے چلتے اچانک عثمان کو بڑبڑاتے سنا۔اس نے کچھ حیرانی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔وہ ہونٹ بھینچے ہوئے زیرلب کچھ کہہ رہا تھا۔اس کے ماتھے پر پڑی ہوئی شکنوں نے اسے کچھ اور حیران کیا۔

''کیا بات ہے؟ کیا ہو گیا ہے؟''اس نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''جن مردوں کو اپنی نظروں پر قابو نہیں ہوتا انہیں اندھا کر دینا چاہیے۔''وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے غرایا تھا۔

رابیل نے کندھے اچکاتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔عثمان کے ایسے ریمارکس اس کے لیے نئے نہیں تھے۔اس کی شادی کو آٹھ سال ہونے والے تھے اور ان آٹھ سالوں میں عثمان کئی دفعہ اسی طرح بھڑکتا رہا تھا۔

ایک ہلکی سی مسکراہٹ رابیل کے چہرے پر نمودار ہوئی۔

''بھئی، یہاں ایسا کون ہے جسے تم اندھا کر دینا چاہتے ہو؟''اس نے ایک نظر سامنے دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''یار! یہ کارڈیالوجی ڈیپارٹمنٹ کے داخلی دروازے پر جو آدمی کھڑا ہے یہ تب سے تمہیں گھور رہا ہے، جب ہم وہاں کھڑے میجر شفقت سے باتیں کر رہے تھے۔مجال ہے ایک لمحہ کے لیے بھی اس نے نظر ہٹائی ہو۔اسے پتا بھی چل گیا ہے کہ میں اس کی اس سرگرمی سے واقف ہو چکا ہوں مگر تم اس کی ڈھٹائی دیکھو کہ یہ پھر بھی کوئی پروا کیے بغیر اسی طرح تم پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔اپنی عمر دیکھنی چاہیے اس کمینے کو۔تم اس کی بیٹی کے برابر ہو گی اور یہ پھر بھی۔''

وہ کسی پر نظریں جمائے بولتے ہوئے چلتا جا رہا تھا۔رابیل نے متلاشی نظروں سے کارڈیالوجی ڈیپارٹمنٹ کی طرف دیکھا تھا۔وہ دونوں اب اس شخص کے کافی قریب آ گئے تھے۔ایک لمحہ کے لیے وہ جیسے منجمد ہو گئی تھی۔اس شخص نے رابیل کو اپنی طرف دیکھتے پا کر فوراً ہی نظریں ہٹا لی تھیں۔رابیل کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔اس آدمی کے چہرے سے نظریں ہٹا کر وہ تیز قدموں کے ساتھ عثمان کے ساتھ چلتے ہوئے سی ایم ایچ کے گیٹ سے باہر آ گئی تھی۔وہ جانتی تھی، وہ شخص اب بھی اسے گھور رہا ہو گا۔اب بھی اس کی نظریں اس کے وجود پر مرکوز ہوں گی اور شاید تب تک رہیں گی جب تک کہ وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتی۔

بعض چہروں کو پہچاننے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی چاہے ان سے ہمارا کوئی رشتہ ہو یا نہ ہو۔چاہے انہیں ہم آٹھ منٹ بعد دیکھیں یا آٹھ سال بعد۔چاہے انہیں ہم نے محبت سے دیکھا ہو یا نفرت سے مگر ایک بار دیکھنے کے بعد وہ چہرے دماغ میں فیڈ ہو جاتے ہیں۔پھر دوبارہ کبھی ذہن سے

اوجھل نہیں ہوتے۔ آٹھ سال پہلے اس نے بھی اس شخص کو تین بار دیکھا تھا۔ صرف تین بار اور آج پہلی ہی نظر میں تین سیکنڈ سے بھی کم وقت میں وہ اسے پہچان گئی تھی اور پھر آٹھ سال پہلے اسے وہ چھ ماہ یاد آنے لگے تھے جو اسے آسمان سے زمین پر لے آئے تھے۔ جب اس نے اپنی ہستی کو برزخ میں محسوس کیا تھا جب اپنے وجود کو پاتال میں دیکھا تھا اور پھر اس برزخ کی آگ کو بجھانے اور اس پاتال سے نکلنے میں اسے بہت وقت لگا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' اس کے چہرے پر کوئی ایسی کیفیت ضرور ابھری تھی۔ جس نے عثمان کو چونکا دیا تھا جو گیٹ سے باہر نکلتے ہی نارمل ہو گیا تھا شاید یہ سوچ کر کہ وہ اب اس آدمی کی نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے۔

''کچھ نہیں۔ مجھے کیا ہونا ہے۔ بس اس بچے کے کیس کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔''

اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ عثمان خاموش رہا۔ وہ دونوں جیپ کے پاس پہنچ گئے تھے۔ ڈرائیور نے اس کے لیے جیپ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر بیٹھ گئی۔ عثمان فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اسامہ لپکتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔

''ماما! اب پہلے آئس کریم کھانے جائیں گے۔''

اس نے اس کی گود میں آتے ہی فرمائش کی تھی۔ ''ہاں' آئس کریم کھانے چلیں گے، مگر پہلے آئزہ کو سکول سے لے لیں پھر۔ ٹھیک ہے نا؟'' اس نے اسامہ کا گال چومتے ہوئے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے مگر پھر میں دو کون کھاؤں گا۔'' اس نے اپنی ایک اور شرط پیش کر دی تھی۔

''بس دو؟'' رابیل دماغ سے اس چہرے کو جھٹکنے میں مصروف تھی۔

''ہاں بس دو مگر اگر آئزہ دو کھائے گی تو پھر میں تھری کھاؤں گا۔'' ایک اور دو کے بعد اس کی اردو کی گنتی ختم ہو جاتی تھی۔ اب وہ رابیل کو انگلیاں دکھا کر تھری کہہ رہا تھا۔

''اور اگر میں آئزہ کو ایک فیملی پیک لے دوں تو؟'' عثمان اپنے چار سالہ بیٹے کو چھیڑ رہا تھا۔

''اور اگر میں۔'' عثمان اور اسامہ کے درمیان اب باقاعدہ بحث شروع ہو گئی تھی۔ اس نے خاموشی سے سیٹ کی پشت سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ایک بار پھر وہی چہرہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔

❁

''میں سیریس ہوں؟ کم آن یار! میں تو سیریس نہیں ہوں۔ یہ بیماری اسی طرف سے ہے۔ اوئے تو سمجھتا کیوں نہیں ہے۔ میرے جیسے بندے کے پاس اتنی ہمت کہاں۔'' وہ یونیفارم تبدیل کیے بغیر اوندھے منہ بیڈ پر لیٹے تکیے پر بازو ٹکائے فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔

''اچھا اچھا۔ تجھے بھی جانتا ہوں میں' بڑا سورما ہے نا تو۔ تیس مار خاں سامنے آنا پھر ایسی باتیں کرنا، تیرا منہ نہ توڑ دیا تو پھر کہنا۔'' وہ اب کچھ جھنجھلا رہا تھا۔ دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کے انہماک کو توڑا تھا۔

''جسٹ اے منٹ خبیث۔'' اس نے فون پر اظفر سے کہا تھا اور پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''یس کم ان۔'' اس نے بلند آواز سے کہا تھا۔

''سر! آپ کے کپڑے پریس کرلایا ہوں اور چائے یہیں پئیں گے یا باہر لان میں؟'' روم سروس والا دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ ہینگر میں لٹکے ہوئے کپڑوں کو کرسی کی پشت پر لٹکاتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ حسن نے ایک نظر رسٹ واچ پر ڈالی اور پھر اسی طرح ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے ہوئے کہا۔

''نہیں اسے اب رہنے ہی دو۔ مجھے باہر جانا ہے۔''

''میجر یاور علی آپ کا پوچھ رہے تھے۔'' وہ ماؤتھ پیس سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے چونکا تھا۔

''وہ کب آئے تھے؟''

''دوپہر کو آئے تھے، یہیں میس میں ہی ٹھہرے ہیں۔''

''اس وقت کمرے میں ہی ہیں؟''

''نہیں، وہ تو اسی وقت باہر چلے گئے تھے لیکن کہہ رہے تھے کہ آپ آئیں تو آپ کو بتا دوں۔''

''اچھا وہ آئیں تو ان سے کہہ دینا کہ مجھے کسی ضروری کام سے جانا تھا۔ میں رات کو ان سے ملوں گا۔ اب تم جاؤ۔'' اس نے اسے ہدایات دیں اور پھر ماؤتھ پیس سے ہاتھ اٹھا کر باتوں میں مصروف ہو گیا۔

''اچھا میں تو بس تھوڑی دیر میں نکلنے والا ہوں، بس چھ بجنے ہی والے ہیں۔ مجھے زرقا کو بھی پک کرنا ہے۔ تم کب کلب پہنچو گے؟'' وہ اظفر سے اس کا شیڈول پوچھ رہا تھا۔

''نہیں کلب سے ہوتے ہوئے گیریژن سینما چلے جائیں گے۔''

''نہیں یار! وہاں تو ضرور جانا ہے۔''

''بس سمجھا کرو یار۔''

''زیادہ دیر نہیں رکیں گے۔''

''ہاں، زرقا بھی فلم دیکھنے چلے گی۔ یار! اس سے پہلے ہی پروگرام طے کیا ہوا تھا۔ تمہارا مسئلہ بھی حل کر دوں گا۔ تم کلب تو چلو۔ ایک کے بجائے دس لڑکیاں ساتھ چلیں گی۔ تم بات کر کے تو دیکھنا۔ اچھا تم نہ کرنا۔ میں کروں گا۔ تم بس یہ مسئلہ مجھ پر چھوڑ دو۔ میں آٹھ بجے تک کلب انتظار کروں گا تمہارا۔ وہاں نہ آئے تو دوبارہ شکل مت دکھانا مجھے۔'' اس نے اظفر کو دھمکاتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

سیٹی پر ایک انگلش نمبر کی دھن بجاتے ہوئے وہ کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں گھس گیا۔

لاہور میں پوسٹڈ ہوئے اسے ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا اور یہاں آتے ہی اس کی سرگرمیاں پھر سے شروع ہو گئی تھیں۔ وہ جنرل بابر کریم کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اس سے بڑے ایک بھائی اور ایک بہن تھے دونوں شادی شدہ تھے۔ اس کا بڑا بھائی اور بہنوئی دونوں فوج میں تھے اور یہ سلسلہ

یہیں پر ختم نہیں ہوتا تھا۔ اس کے چچا اور تایا کے علاوہ ان کی اولادیں بھی کسی نہ کسی حوالے سے آرمی سے وابستہ تھیں اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا آ رہا تھا۔

حسن دانیال کا خاندان ان خاندانوں میں سے نہیں تھا جو آرمی کا کھاتے ہیں۔ وہ ان خاندانوں میں سے تھے جو آرمی کو کھاتے ہیں۔ اس کے خاندان کے لوگ فوج اور بیوروکریسی میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے اور پھر باہمی گٹھ جوڑ سے وہ اپنے عہدوں سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے تھے۔ حسن کا دادا انگریزوں کی فوج میں کرنل کے عہدے تک پہنچا تھا تو اس کی بنیادی وجہ کوئی پروفیشنل مہارت نہیں تھی۔ بلکہ اس کے دادا کی انگریز بیوی تھی جو لیسٹر کے کسی ارسٹوکریٹ کی بگڑی ہوئی بیٹی تھی۔ اسے حسن کے دادا سے طوفانی قسم کا عشق ہوا تھا اور اس عشق کا نتیجہ شادی کی صورت میں نکلا تھا۔ اس شادی نے حسن کے دادا کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ ازابیلا اس قدر خوبصورت تھی کہ اس پر پہلی نظر ہمیشہ دیکھنے والے کے لیے کافی سنگین ہوتی تھی اور ازابیلا نے اپنے شوہر کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی خوبصورتی کا بڑے اچھے طریقے سے استعمال کیا تھا اور اس استعمال پر حسن کے دادا کو کبھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ ان کے نزدیک زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ان کی آئندہ آنے والی نسلیں ایک کرنل کی نسل کہلائیں گی۔ انگریزوں نے انہیں صرف عہدہ ہی نہیں دیا تھا بلکہ جاگیر سے بھی نوازا تھا اور اس جاگیر نے ان پر دو آتشہ کا کام کیا تھا۔ ان کے یہی تعلقات بعد میں ان کے بیٹوں کے کام آئے تھے۔ ان کے دو بیٹوں نے آرمی جوائن کی تھی اور دونوں جنرل کے عہدے پر پہنچے تھے۔ باقی دونوں بیٹوں میں سے ایک میڈیکل کور میں گیا تھا اور پھر وہاں سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر لندن چلا گیا اور سب سے چھوٹا والا بیٹا بھی لاء کرنے کے بعد باہر ہی سیٹل ہو گیا تھا۔ بابر کریم تیسرے نمبر پر تھے اور انہوں نے ماں باپ سے تمام گر سیکھے تھے جو ان کے خاندان کے شجرہ نسب کو اور مضبوط کرتے۔ ان کے باپ نے ان کی شادی بھی ایک جنرل کی بیٹی سے کی تھی اور اس رشتے نے ان کے سوشل اسٹیٹس کو اور بڑھا دیا تھا اور یہ سلسلہ صرف یہیں ختم نہیں ہوا تھا بابر کریم نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی بھی ایک ایسے ہی خاندان میں کی تھی جو ان ہی کی طرح کئی نسلوں سے آرمی سے وابستہ تھا اور اپنی بیٹی کی شادی بھی انہوں نے اپنے سب سے بڑے بھائی کے بیٹے سے کی تھی۔

حسن دانیال ان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور سب سے لاڈلی اولاد بھی اور اس بات کا اس نے بچپن سے ہی فائدہ اٹھایا تھا۔ اس میں بھی اپنے خاندان کی تمام خوبیوں اور خامیوں کا عکس نظر آتا تھا۔ باپ اور بڑے بھائی کی طرح وہ شوقیہ ڈرنک بھی کرتا تھا اور ان باقی تمام مشاغل سے بھی لطف اندوز ہوتا تھا۔ جن سے اس کے خاندان کے تمام لوگ لطف اندوز ہوتے تھے۔ سادہ لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے مردوں کی طرح رنگین مزاج تھا۔ جانتا تھا کہ اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون حلال کی کمائی کے اجزا نہیں رکھتا کیونکہ وہ رزق حلال کی پیداوار نہیں تھا۔

بابر کریم جس جس عہدے اور پوسٹنگ پر بھی رہے تھے۔ انہوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ فوج کے زیر استعمال پیٹرول پمپوں میں پیٹرول کی سپلائی میں ہیرا پھیری سے لے کر کینٹ کے علاقے میں زمینوں اور پلاٹوں کی خاص لوگوں کو الاٹمنٹ کرنے تک وہ ہر قسم کے اسکینڈل میں ملوث رہے تھے۔ مگر ان کے خلاف ہونے والی ہر انکوائری کے بعد نہ صرف انہیں ایک عدد اچھی پوسٹنگ سے نوازا جاتا رہا تھا۔ بلکہ انہیں پروموشن بھی دی جاتی رہی تھی۔ ان تمام حربوں سے حسن دانیال بھی واقف تھا اور جانتا تھا کہ آگے بڑھنے کے لیے اور اپنے باپ دادا کی طرح ساکھ بنانے کے لیے یہ سب بے حد ضروری ہوتا ہے۔

ساڑھے چھ بجے زرقا کو اس کے گھر سے پک کرنے کے بعد وہ سروسز کلب پہنچ گیا تھا۔ زرقا سے اس کی پرانی واقفیت تھی۔ اس کے والد فارن آفس میں ہوتے تھے اور حسن کے والد سے ان کی اچھی خاصی سلام دعا تھی۔ وہ اپنے والدین کے ہمراہ کئی بار راولپنڈی اس کے گھر بھی آ چکی تھی۔ لاہور میں پوسٹنگ ہوتے ہی اسی نے سب سے پہلے اس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ خوبصورت لڑکیاں اس کی کمزوری تھیں۔ خوبصورت، تعلیم یافتہ، بہت ماڈ۔ حسن کی طرح وہ بھی بہت سوشل تھی۔ اس کی طرح سموکنگ اور ڈرنک بھی کرتی تھی اور حسن کی طرح وہ بھی اپنے بوائے فرینڈز بدلتی رہتی تھی۔

''تو بہر حال تم آ ہی گئے ہو۔'' وہ اور زرقا ڈرنکس لے کر اپنی ٹیبل پر واپس آئے ہی تھے جب اظفر بھی کرسی کھینچ کر آن موجود ہوا تھا۔

''تم جس طرح دھمکاتے ہو، کیا اس کے بعد یہ ممکن ہے کہ بندہ گھر بیٹھا رہے۔ ہیلو مائے نیم از اظفر۔ کیا میں آپ کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟''

حسن نے کچھ تیکھی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر دونوں کا تعارف کروایا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔'' زرقا نے بڑے سٹائلش انداز میں اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ same here (مجھے بھی) حسن سے اکثر آپ کا ذکر سنا ہے۔ دیکھ کر زیادہ خوشی ہوئی۔'' اظفر نے شوخ انداز میں کہا۔

زرقا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ واضح طور پر اس نے اظفر کے جملے کو انجوائے کیا تھا۔

"Should I take it as a compliment?" (میں اسے اپنی تعریف سمجھوں) اس نے جواباً اظفر سے کہا تھا ''آف کورس'' ایک ہلکے سے قہقہے کے ساتھ اظفر نے کہا تھا۔

''تم کیا لو گے؟'' حسن نے فوراً مداخلت کی تھی۔

''وہی جو تم لے رہے ہو شیمپین۔'' اس نے ایک ہلکی سی سیٹی بجا کر کہا تھا۔

''تم جم خانہ میں نہیں بیٹھے ہو۔ جانتے ہو، یہاں کیا مل سکتا ہے۔ بیئر، برانڈی یا وہسکی مگر تم برانڈی مت لینا۔ تم سوڈا استعمال کرو گے نہیں اور ہمیں ابھی سینما بھی جانا ہے۔ میں نہیں چاہتا مجھے تمہیں اٹھا کر گھر لے جانا پڑے۔'' زرقا نے حسن کی بات پر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔

''ایسا بھی ہوتا ہے؟'' اس نے اظفر کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''اس کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔'' اظفر نے حسن کی بات پر اس کے بازو پر ایک ہلکا سا گھونسہ مارا تھا اور پھر بار کی طرف چلا گیا تھا۔

حسن زرقا سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ اظفر چند منٹوں بعد گلاس ہاتھ میں تھامے واپس لوٹ آیا تھا۔

''حسن! باہر کیوں نہ چلیں۔ یہاں بیٹھنے سے بوریت ہو رہی ہے۔'' اس نے آتے ہی اظفر سے کہا تھا۔

''کیا خیال ہے، باہر چلا جائے؟'' حسن نے زرقا سے پوچھا۔ اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"As you wish."

''ٹھیک ہے چلو لان میں بیٹھتے ہیں۔''

حسن نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''تم دونوں چلو میں ایک پیگ اور لے کر آتا ہوں۔''

اس نے زرقا اور اظفر سے کہا تھا۔ وہ دونوں بار روم سے باہر چلے گئے۔ بار سے نیا پیگ لینے کے بعد اس نے کچھ شناسا چہروں سے ہیلو ہائے کی تھی، پھر وہ بار سے باہر آ گیا تھا۔ لان میں تمبولا کھیلا جا رہا تھا۔ قہقہوں اور تالیوں کا شور برپا تھا۔ اس نے لان میں داخل ہونے سے پہلے برآمدے میں کھڑے ہو کر متلاشی نظروں سے اظفر اور زرقا کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں لان کے ایک کونے میں کرسیوں پر براجمان تھے۔ وہ ان کی طرف جانے کے بجائے وہیں کھڑا لان پر طائرانہ نظر دوڑاتے ہوئے بیئر کے سپ لینے لگا۔ پھر اچانک وہ سپ لیتے لیتے رک گیا۔

سفید شیفون کی ساڑھی میں ملبوس کمر تک کھلے سیاہ بالوں والی ایک لڑکی پر اس کی نظر ٹھہر گئی تھی۔ وہ اس کے کچھ فاصلے پر کھڑی تمبولا کا کھیل دیکھتے ہوئے تالیاں بجا رہی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت خوبصورت تھی۔ مگر اسے جس چیز نے اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ اس کی دلکش مسکراہٹ تھی۔ حسن کوشش کے باوجود بھی اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ اسے دیکھتے ہوئے ایک بار پھر وہ بیئر کے سپ لینے لگا۔ زرقا اور اظفر اب دونوں اس کے ذہن سے غائب ہو چکے تھے۔ گلاس خالی کرنے کے بعد اس نے پاس سے گزرتے ہوئے ویٹر کو دیا تھا اور پھر اس لڑکی کی طرف آ گیا تھا۔

''ہیلو!'' اس نے پاس جا کر اس لڑکی کو متوجہ کیا تھا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

اس کے ہونٹوں سے اب وہ مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

''میرا نام کیپٹن حسن دانیال ہے۔ کیا آپ سے دو منٹ بات کر سکتا ہوں؟'' اس لڑکی نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھ کھڑی اس عورت کی طرف نظر دوڑائی جو حسن کو دیکھ رہی تھی۔

''کریں، آپ کو کیا بات کرنی ہے؟'' چند لمحوں بعد اس نے حسن سے کہا تھا۔

''لیکن میں آپ سے یہاں بات نہیں کرنا چاہتا۔ کیا آپ اکیلے میں بات سن سکتی ہیں؟''

''دیکھیں، میں نے آپ کو پہچانا نہیں ہے۔'' اس بار اس لڑکی نے الجھی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔

''اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے پہلے مجھے کبھی دیکھا ہی نہیں۔'' حسن نے بڑے پرسکون انداز میں کہا تھا۔

''تو پھر آپ مجھ سے اکیلے میں کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟''

''اکیلے میں بات کرنے کے لیے کیا جان پہچان کا ہونا ضروری ہوتا ہے؟'' وہ اس بار مسکرایا، اس لڑکی نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہے، آئیں۔'' وہ یہ کہہ کر آگے چل پڑی۔ وہ اسے لان سے نکال کر برآمدے میں لے آیا۔

''کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟'' برآمدے کے ایک قدرے سنسان گوشے میں آتے ہی حسن نے اس سے پوچھا۔

''کیا آپ یہ پوچھنے کے لیے یہاں لائے ہیں؟'' وہ اب مکمل طور پر پرسکون ہو چکی تھی۔ حسن دلکش انداز میں مسکرایا۔

''نہیں یہ تو صرف تمہید ہے۔''

''میرا نام سنبل ہے۔ اب آپ بات کریں۔''

''آپ کا نام بھی آپ کی طرح خوبصورت ہے۔'' حسن نے پہلا حربہ استعمال کیا۔

جواب غیر متوقع تھا ''میں جانتی ہوں پھر؟'' وہ اسی پرسکون انداز میں بولی تھی۔

حسن نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''کیا آپ میرے ساتھ فلم دیکھنے چلیں گی؟''

''جی نہیں۔''

''وجہ جان سکتا ہوں۔''

''مجھے فلموں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''تو پھر آپ کو کس چیز میں دلچسپی ہے؟''

''آپ کو یہ بتانا ضروری نہیں ہے'' وہ بڑے مطمئن انداز میں کسی اشتعال کے بغیر اس سے بات کر رہی تھی۔ حسن کچھ دیر تک گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''کیا آپ مجھے اپنا ایڈریس دے سکتی ہیں؟''

''نہیں۔'' جواب ایک بار پھر واضح تھا۔

''آپ یہاں روز آتی ہیں؟'' حسن کی ثابت قدمی اپنے عروج پر تھی۔

''نہیں۔''

''تو پھر دوبارہ یہاں کب آئیں گی؟''

''شاید کبھی نہیں۔'' حسن نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کچھ دیر سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

''کوئی اور سوال؟'' اس بار اس لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''اس کا مطلب ہے میں جا سکتی ہوں۔''

''آف کورس۔'' حسن اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ جانے لگی۔

''لیکن سنیں۔'' وہ اس کی آواز پر ایک لمحے کے لیے مڑی۔

''میں آپ سے دوبارہ بھی ملنا چاہوں گا۔''

حسن مسکرایا۔

پہلی بار اس لڑکی کے ماتھے پر شکن ابھری تھی۔ پھر وہ تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر لان میں چلی گئی۔ حسن بھی اس کے پیچھے ہی لان میں چلا گیا۔ اس بار اس کا رخ زرقا اور اظفر کی طرف تھا۔ اظفر اسے رستے میں ہی مل گیا تھا، وہ شاید پہلے ہی اسے بلانے کے لیے آ رہا تھا۔

''کہاں تھے تم یار؟'' اظفر نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

''میں ایک پری کے ساتھ تھا۔'' حسن نے شوخ انداز میں کہا تھا ''اور زرقا کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' اظفر نے اس سے کہا تھا۔

''مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' حسن نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''مگر مجھے بھی دکھاؤ۔ایسی بھی کیا چیز دیکھ لی ہے تم نے؟'' اظفر نے دلچسپی ظاہر کی تھی۔

''فی الحال تو نہیں دکھاؤں گا پھر کبھی سہی۔آؤ ابھی زرقا کے پاس چلیں، وہ گالیاں دے رہی ہوگی۔'' حسن کہہ کر زرقا کی طرف چل پڑا تھا۔اظفر بھی اس کے پیچھے آ گیا۔

سروسز کلب سے وہ سیدھا سینما گئے تھے۔لیکن حسن کی ساری دلچسپی ختم ہو چکی تھی۔اس کی نظروں کے سامنے بار بار وہی لڑکی آ رہی تھی۔وہ زرقا اور اظفر کی باتوں میں بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ساڑھے دس کے قریب وہ فلم ادھوری چھوڑ کر ہی واپس آ گیا تھا۔اس نے زرقا کی ناراضگی کی بھی زیادہ پروا نہیں کی تھی۔جو اس کے اس طرح آنے پر خاصی برہم ہو گئی تھی۔وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا جب کسی لڑکی میں دلچسپی ختم ہو جاتی تو وہ پھر دوبارہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔بس فوراً جان چھڑا لینا چاہتا تھا۔فریق مخالف پر اس کا کیا اثر ہوتا تھا۔اس بات کی اس نے کبھی پروا نہیں کی تھی۔اس وقت زرقا میں بھی اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی اور وہ اس سے بھی جان چھڑا لینا چاہتا تھا اور زرقا کے لیے یہ سلوک کافی نیا تھا۔آج سے پہلے وہ اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ ایسا کرتی تھی پہلی بار وہ خود اس صورتحال کا شکار ہوئی تھی۔اظفر کے اصرار کے باوجود وہ بھی فلم چھوڑ کر آ گئی تھی۔حسن دانیال کے بارے میں سارے اچھے تاثرات اس رات کے بعد ختم ہو گئے تھے۔وہ دوبارہ کبھی اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔

اس رات وہ ٹھیک سے سو نہیں سکا تھا۔بار بار وہ چہرہ، مسکراہٹ وہ آواز اس کے ذہن میں گونجتی رہی۔وہ کئی گھنٹوں تک مسلسل اسی کے بارے میں سوچتا رہا تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔عام طور پر وہ لڑکیوں کو دل کے ساتھ ساتھ ذہن سے جھٹکنے میں بھی ماہر تھا۔لیکن اس رات وہ پہلی بار اس لڑکی کے خیالات سے نجات حاصل نہیں کر سکا۔نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت دیر سے سویا۔صبح جاگنے کے بعد ایک بار پھر پہلا خیال اسی لڑکی کا ہی آیا تھا۔

اگلے کئی ہفتوں تک وہ ہر شام سروسز کلب جاتا رہا صرف اس امید میں کہ شاید وہ دوبارہ کبھی وہاں آئے لیکن وہ تو جیسے اپنے کہے پر عمل کر رہی تھی۔اس ایک شام کے علاوہ وہ دوبارہ اسے وہاں نظر نہیں آئی وہ تھک ہار کر اپنی روٹین پر واپس آ گیا تھا۔ایک بار پھر اس نے نئے سرے سے گرل فرینڈز کی تلاش شروع کر دی تھی۔ایک بار پھر سے ڈیٹس کا وہ سلسلہ وہیں سے شروع ہوا تھا جہاں اس نے چھوڑا تھا۔مگر نئی گرل فرینڈز کے باوجود وہ لڑکی اس کے دماغ سے غائب نہیں ہوئی تھی۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ چہرہ اس کے دماغ پر پہلے سے زیادہ گہرا نقش چھوڑ رہا تھا۔

❀

ان ہی دنوں وہ دو دن کی چھٹی لے کر اپنے گھر گیا تھا۔جب وہاں سے واپس آیا تو اسے پتا چلا کہ میجر جنرل رضوان ایک حادثے میں زخمی ہو گئے تھے۔انکی ٹانگ میں فریکچر تھا اور وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے۔وہ ان کے اے ڈی سی کے طور پر کام کر رہا تھا۔اس لیے اطلاع ملتے ہی سی ایم ایچ ان کی عیادت کے لیے چلا گیا۔ٹانگ میں فریکچر کے علاوہ میجر جنرل رضوان کو اور کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی تھی۔وہ ان کے کمرے میں ان سے

باتیں کر رہا تھا۔ جب بریگیڈیر ڈاکٹر حسین کمرے میں آئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک نرس بھی تھی۔ اس نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی تھی اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس چہرے کو پہچان گیا تھا۔ اس نے بریگیڈیر حسین کو سیلوٹ کیا تھا۔

''یہ میرے اے ڈی سی ہیں کیپٹن حسن دانیال' جنرل بابر کریم کے بیٹے ہیں۔'' میجر جنرل رضوان نے اس کا تعارف بریگیڈیر ڈاکٹر حسین سے کروایا تھا۔

انہوں نے بڑی گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔

''جنرل بابر کریم کو تو اچھی طرح جانتا ہوں میں ان کی پچھلی پوسٹنگ لاہور میں ہی تھی۔ یہ اتفاق ہی ہے کہ حسن سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ ایک دوبار جنرل بابر میرے گھر بھی آئے تھے اپنی فیملی کے ساتھ۔''

''میری پوسٹنگ ان دنوں کھاریاں میں تھی سر۔''

حسن نے بریگیڈیر حسین کی باتوں کے جواب میں کہا۔

کچھ دیر تک وہ اس کی فیملی کا حال احوال پوچھتے رہے پھر میجر جنرل رضوان کو دیکھنے لگے۔ حسن میجر جنرل رضوان سے اجازت لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔ لیکن اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ اسے توقع نہیں رہی تھی کہ وہ اس لڑکی کو دوبارہ کبھی دیکھ سکے گا مگر آج وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اس شام کے برعکس آج یونیفارم میں ملبوس وہ بہت سوبر لگ رہی تھی۔ کمرے سے باہر آنے کے بعد اس نے واپس جانے کے بجائے ریسیپشن پر جا کر اس کے بارے میں مزید معلومات لی تھیں۔ وہ وہیں ہاسٹل میں رہتی تھی اور آج کل اس کی ڈیوٹی میجر جنرل رضوان کے کمرے میں لگی ہوئی تھی۔

وہ اس شام سی ایم ایچ سے واپسی پر بے حد مسرور تھا۔ بغیر وجہ کے وہ سیٹی بجاتا رہا، رات کو پہلی بار کسی لڑکی کے بغیر سینما فلم دیکھنے چلا گیا اور وہاں سے واپسی پر خلاف توقع بہت گہری نیند سویا۔

اگلے دن اس کی شفٹ شروع ہونے سے پہلے سی ایم ایچ پہنچ گیا تھا۔ کوریڈور میں ٹہلتے ہوئے وہ اس کا انتظار کرتا رہا تھا اور پھر وہ اسے نظر آ گئی تھی۔

''ثابت ہوا کہ دنیا گول ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ دل سے نکلنے والی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔'' اس کے ساتھ چلتے ہوئے حسن نے کہا تھا۔

وہ چلتے چلتے ٹھٹھک کر رک گئی۔ ایک گہری سانس لے کر وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

''یہ مت کہیے گا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ ہم پہلی بار کہاں ملے تھے۔ آپ کو اچھی طرح یاد ہو گا یا پھر میں یاد کراؤں؟'' حسن نے اس کی خاموشی دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''یاد کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کمزور یادداشت کی مالک نہیں ہوں۔ لیکن فی الحال آپ اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔'' اس نے اپنی خاموشی توڑ دی تھی۔

''نہیں، میں وقت ضائع نہیں کیا کرتا۔''

''لیکن اس وقت کر رہے ہیں۔''

''آپ کا وقت ضائع ہو رہا ہو گا میرا نہیں۔''

''آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''یہ تو میں آپ کو بہت پہلے بتا چکا ہوں آپ میرے ساتھ فلم دیکھنے چلیں۔''

اور میں نے آپ کو تب یہ بتا دیا تھا کہ مجھے فلموں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر آپ میرے ساتھ ڈنر پر چلیں۔'' حسن نے اس کی بات مانتے ہوئے فوراً اپنے مطالبے میں تبدیلی کر دی تھی۔

''بھئی، کیوں آپ کے ساتھ ڈنر پر چلوں؟ میں آپ کو جانتی نہیں ہوں اور آپ منہ اٹھا کر اس طرح میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔'' وہ اس بار جھنجھلا گئی تھی۔

حسن کا چہرہ کچھ سرخ ہو گیا تھا، ایسا اس کے ساتھ پہلی بار ہوا تھا کہ اسے اس طرح کسی لڑکی کی منت سماجت کرنی پڑی تھی۔ ورنہ ہمیشہ اس کے ایک بار کہنے پر لڑکیاں اس کی بات مان لیتی تھیں اور اگر کوئی انکار کرتی تو وہ دوبارہ اپنی بات پر اصرار نہ کرتا مگر یہاں مسئلہ ہی کچھ دوسرا ہو چکا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ آج جانا نہیں چاہتیں مگر کسی اور دن تو جا سکتی ہیں؟''

''نہیں، میں کسی دن بھی نہیں جا سکتی۔ میں اس طرح کے کام نہیں کرتی ہوں۔'' وہ اس بار کہہ کر تیزی سے میجر جنرل رضوان کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ حسن کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر وہاں سے واپس آ گیا۔

اسے امید نہیں تھی کہ اس شام کے بعد دوبارہ کبھی اس کی ملاقات اس بندے سے ہو گی۔ اس شام وہ میجر یزدانی کی بیوی کے اصرار پر ان کے ساتھ کلب چلی گئی تھی۔ عالیہ یزدانی ایف ایس سی میں اس کی کلاس فیلو تھی بعد میں اس نے اے ایم سی جوائن کر لیا جبکہ وہ اپنے حالات کی وجہ سے نرسنگ کی لائن میں آ گئی عالیہ کی پوسٹنگ چند ہفتے پہلے ہی لاہور میں ہوئی تھی اور اس شام میجر یزدانی کے آؤٹ آف اسٹیشن ہونے کی وجہ سے اس نے سنبل کو اپنے ساتھ کلب چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ویک اینڈ تھا اس لیے سنبل انکار نہیں کر سکی۔ عالیہ بھی تمبولا کھیلنے والوں میں شامل تھی۔ وہ اس کے ساتھ کھڑی فنکشن کو انجوائے کر رہی تھی۔ جب ایک آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس کم از کم چھ فٹ لمبا ایک وجیہہ نوجوان تھا۔ کروکٹ بالوں نے اس کے تیکھے نقوش اور ڈارک براؤن آنکھوں کی خوبصورتی کو اور بڑھا دیا تھا۔ جس بے تکلفی کے ساتھ اس سے مخاطب تھا اس نے سنبل کو قدرے پزل کر دیا تھا۔

وہ کلب میں پہلی بار نہیں آئی تھی۔ اس سے پہلے بھی دو تین فنکشنز میں وہ وہاں آ چکی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہاں کے ماحول کے مطابق حسن کا مطالبہ کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ کوئی بندہ اس طرح بے باکی سے اسے اپنے ساتھ فلم دیکھنے کی آفر کرے یا اس کے حسن کی تعریف کرے۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پا لیا تھا۔ عالیہ نے واپسی پر اس سے پوچھا تھا کہ حسن اس سے کیا

کہہ رہا تھا لیکن اس نے بہانا بنا کر ٹال دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایسی کوئی بات عالیہ کے ذریعے کسی دوسرے کے علم میں آئے اس شام کے بعد وہ دوبارہ کلب نہیں آئی تھی مگر کئی دن تک اس کے ذہن میں اس ملاقات کا خیال آتا رہا۔

حسن ایسا بندہ نہیں تھا جسے دیکھ کر کوئی لڑکی آسانی سے ذہن سے نکال پاتی اور پھر اگر ایسا بندہ آپ سے اپنے التفات کا اظہار کر رہا ہو تو یہ کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ سنبل کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ کئی دن تک اسے حسن کا خیال آتا رہا اور ہر دفعہ وہ زبردستی اس کے تصور کو ذہن سے جھٹک دیتی۔ وہ ایسی کوئی حماقت نہیں کرنا چاہتی تھی، جو بعد میں اس کے لیے کسی پریشانی کا باعث بنے اور کچھ دن گزر جانے کے بعد وہ واقعی اسے بھلانے میں کامیاب رہی تھی۔ وہ اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا۔

ان ہی دنوں اس کی ڈیوٹی میجر جنرل رضوان کے کمرے میں لگائی گئی تھی۔ اس دن بھی وہ معمول کے مطابق بریگیڈیر ڈاکٹر حسین کے ساتھ میجر جنرل رضوان کے کمرے میں گئی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے پر اس نے میجر جنرل رضوان کے پاس یونیفارم میں ملبوس کسی کو کھڑے دیکھا۔ دروازے کی طرف اس بندے کی پشت تھی۔ اس لیے اس نے فوری طور پر اس کا چہرہ دیکھا تھا پہلی ہی نظر میں وہ اسے پہچان گئی تھی اور اس نے فوراً اس کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں۔ اس کا دل اس وقت جیسے سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دھڑکنے لگا تھا۔

وہ بریگیڈیر حسین سے باتوں میں مصروف رہا اور وہ وقتاً فوقتاً اس کا جائزہ لے کر یہ تسلی کرنے میں مصروف رہی کہ اس نے اسے پہچانا تو نہیں ہے مگر اس وقت وہ پوری طرح بریگیڈیر حسین کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ سنبل کو قدرے اطمینان ہوا کہ شاید وہ اسے پہچان نہیں سکا ورنہ اس کی آنکھوں میں تھوڑی بہت شناسائی تو جھلکتی مگر اس کی آنکھوں میں ایسا کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ یہی اطمینان لیے وہاں رکی رہی۔

اگلے روز دوپہر کو وہ اپنی شفٹ شروع ہونے پر ہاسپٹل آئی تھی۔ وہ میجر جنرل رضوان کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ جب اس نے ایک بہت شناسا سا آواز اپنے قریب سنی تھی۔

''ثابت ہوا کہ دنیا گول ہے یہ بھی ثابت ہوا کہ دل سے نکلنے والی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔''

اس کے دل کی دھڑکن جیسے ایک لمحے کے لیے رک گئی تھی۔ وہ آواز پہچان چکی تھی۔ اس سے چند قدم پیچھے وہی کھڑا تھا۔ اپنی اسی مخصوص مسکراہٹ اور آنکھوں کے ساتھ۔ اس نے ایک بار پھر سنبل سے وہی مطالبہ کیا تھا اور وہ اس کی مستقل مزاجی پر قدرے حیران ہوئی تھی۔ اسے توقع تھی کہ اس شام کے انکار اور بے رخی کے بعد وہ دوبارہ کبھی اس سے اس طرح کا مطالبہ نہیں کر سکتا لیکن اس کی یہ خوش فہمی ہی ثابت ہوئی تھی وہ اپنے اسی مطالبے کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اس سے جان چھڑائی تھی اور اس روز وہ کافی دیر تک میجر جنرل رضوان کے کمرے میں موجود رہی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ اس کا انتظار کر کے واپس چلا جائے اور ایسا ہی ہوا تھا۔

کافی دیر بعد وہ جب باہر نکلی تو وہ اسے وہاں نظر نہیں آیا۔ اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ وقتی طور پر بلا ٹل گئی تھی۔

وہ ہر روز میجر جنرل رضوان کے پاس آیا کرتا تھا اور ہر روز وہ ان سے ملنے کے بعد اس کے پاس ضرور جایا کرتا تھا۔ وہ ہر روز اس سے ملتے ہی اپنا وہی مطالبہ دہراتا اور سنبل ہر بار انکار کر دیتی۔ یہ سلسلہ کئی روز تک اسی طرح چلتا رہا۔ پھر ایک دن وہ تنگ آ گئی تھی۔

''دیکھیں کیپٹن! میں آپ کو بہت زیادہ برداشت کر چکی ہوں، اب اور نہیں کر سکتی۔ آپ مجھے اس طرح تنگ کرنا چھوڑ دیں۔''

''میں نے آپ کو تنگ نہیں کیا۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' اس نے سنبل کی بات کاٹ دی تھی۔

''تو پھر آخر اس طرح کی باتیں کیوں کرتے ہیں آپ؟ جب میں ایک بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ فلم دیکھنے جانا ہے نہ کہیں اور تو پھر آپ اس طرح میرے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں، بار بار وہی باتیں کیوں کرتے ہیں؟''

''آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔''

''میں جو سمجھ رہی ہوں۔ بالکل ٹھیک سمجھ رہی ہوں اگر آپ اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو میں میجر جنرل رضوان سے آپ کی شکایت کر دوں گی۔''

سنبل نے اسے دھمکایا تھا مگر اس کا ردعمل اس کے لیے غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔

''بڑے شوق سے شکایت کریں۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ وہ کیا کر سکتے ہیں آپ جانتی ہیں۔ میں ایک جنرل کا بیٹا ہوں۔ میرے خلاف ایک نرس کی شکایت پر تو کبھی کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی۔ بہر حال آپ اپنا شوق پورا کر لیں۔''

وہ اس کے جملے سے زیادہ اس کے لہجے پر حیران ہوئی تھی۔ وہ پہلی بار بڑی ترشی سے بات کر رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر وہاں سے چلی آئی۔ وہ جانتی تھی۔ حسن دانیال نے جو کہا تھا، وہ بالکل ٹھیک تھا۔ اس کے خلاف واقعی کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ خود بھی کسی اسکینڈل میں انوالو نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اسے میجر کا رینک ملے ابھی بہت تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایسے کسی اسکینڈل سے اس کا سروس ریکارڈ خراب ہو۔ اس رات اس نے طے کیا تھا کہ وہ جس قدر ہو سکے گا حسن سے بچنے کی کوشش کرے گی۔

❁

اگلے دن وہ پھر وہاں موجود تھا۔ ''آئی ایم سوری سنبل! میں کل کچھ تلخ ہو گیا تھا۔''

اسے دیکھتے ہی اس نے معذرت کی تھی۔ سنبل کو ایک بار پھر حیرانی ہوئی تھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ اگلے ہی دن وہ اس سے معذرت کر رہا ہو گا۔ ''نہیں آپ تلخ نہیں تھے۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ ایک نرس کے کہنے پر کسی جنرل کے بیٹے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی اور میں آپ کو یہی چیز سمجھانا چاہتی تھی کہ آپ میں اور مجھ میں بہت فرق ہے۔ جو چیزیں آپ تفریحاً کرتے ہیں۔ میں انہیں افورڈ نہیں کر سکتی۔''

''میں آپ سے معذرت کر چکا ہوں پھر آپ دوبارہ یہ بات کیوں دہرا رہی ہیں؟''

''میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ مجھے وہ کام کرنے پر مجبور کیوں کر رہے ہیں جو میں نہیں کرنا چاہتی۔ آپ کی اور بھی بہت سی فرینڈز ہوں گی، آپ ان میں سے کسی کو ڈنر پر لے جا سکتے ہیں۔''

''ہاں میری بہت سی فرینڈز ہیں لیکن آپ میں اور ان میں بہت فرق ہے۔''

''اور آپ اسی فرق کو مٹانا چاہتے ہیں۔ مجھے اسی کیٹیگری میں لانا چاہتے ہیں۔''

وہ سنبل کی بات پر لاجواب ہو گیا تھا۔ ''ٹھیک ہے۔ آپ میرے ساتھ کہیں باہر نہ جائیں لیکن دوستی تو کر سکتی ہیں۔'' اس نے اپنے مطالبے میں اب ترمیم کر دی تھی۔

''نہیں، میں دوستی بھی نہیں کر سکتی۔ آپ براہ مہربانی اس کام کے لیے بھی کسی اور کو تلاش کریں۔'' وہ یہ کہہ کر وہاں سے آ گئی تھی۔

جتنے ہفتے میجر جنرل رضوان وہاں تھے۔ وہ بھی وہاں آتا جاتا رہا تھا اور ہر بار وہاں آنے پر وہ اس سے ملے بغیر واپس نہیں جاتا تھا مگر اب اس کے مطالبات کی نوعیت میں تبدیلی آ چکی تھی۔ وہ اس سے دوستی کا خواہاں تھا یا دوسرے لفظوں میں اسے اپنی گرل فرینڈز کی فہرست میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ سنبل اس بات سے اچھی طرح واقف تھی کہ اس جیسے کیپٹن آفیسرز جو اس طرح کی بااثر فیملیز سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لیے اس طرح کی سرگرمیوں میں انوالو ہونا کوئی نئی بات تھی نہ ہی اسے معیوب سمجھا جاتا تھا مگر خود اس کے لیے اس کے مطالبات ماننا خاصا مشکل کام تھا۔ وہ ایک لوئر مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی تھی۔ اپنے باپ کی بیماری کی وجہ سے اسے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر نرسنگ کی طرف آنا پڑا۔ باپ کی وفات کے بعد سے وہ اپنی فیملی کو سپورٹ کر رہی تھی۔ اپنی دونوں چھوٹی بہنوں کی شادی کی ذمہ داری سے بھی فارغ ہو چکی تھی۔ پچھلے سال اس کے اکلوتے بھائی کو فوج میں کمیشن ملا تھا اور اب اس کی امی اس کے لیے رشتہ کی تلاش میں تھیں اور اس تلاش سے پہلے ہی حسن دانیال اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

جہاں تک حسن دانیال کا تعلق تھا تو سنبل اس کے لیے صرف ایک ایڈونچر تھی۔ لڑکیوں کے بارے میں سیریس ہونا اس کی عادت میں شامل نہیں تھا۔ وہ انہیں صرف وقت گزاری کا ایک ذریعہ سمجھتا تھا مگر پہلی دفعہ ایک لڑکی پر اسے واقعی محنت کرنی پڑ رہی تھی اور وہ جیسے اس کی ضد بن گئی تھی۔ اس کے لیے یہ بات قابل قبول نہیں تھی کہ وہ کسی لڑکی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے اور وہ اس طرح جھٹک دے ایسے بھی نہیں تھا کہ سنبل کے سامنے آنے کے بعد اس نے اپنی ساری مصروفیات ترک کر دی تھیں اور وہ صرف اسی کے آگے پیچھے پھرتا رہتا تھا۔ اس کی ساری مصروفیات ابھی بھی پہلے ہی کی طرح جاری تھیں۔ لڑکیوں کے ساتھ ڈیٹس پر جانا بھی اسی طرح جاری تھا۔ ہاں فرق اگر آیا تھا تو یہ کہ وہ ان تمام مصروفیات کے دوران بھی سنبل سے ملنا نہیں بھولتا تھا۔ یہ جیسے اس کے معمولات میں شامل ہو چکا تھا۔ میجر جنرل رضوان کے ہاسپٹل سے فارغ ہونے کے بعد بھی سی ایم ایچ اس کے چکر اسی شدت سے جاری رہے بلکہ ان میں اضافہ ہو گیا اور سنبل کی یہ خوش فہمی ایک بار پھر غلط ثابت ہوئی تھی کہ شاید میجر جنرل رضوان کے چلے جانے کے بعد اس کے ان چکروں سے اسے نجات مل جائے گی۔ اسے جیسے ہر روز اب اس کا چہرہ دیکھنے کی عادت ہو چکی تھی۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر ہاسپٹل آتا پھر کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچ ہی جاتا۔ وہ جیسے اس کے تمام معمولات سے باخبر رہتا تھا۔ حتیٰ کہ شفٹس میں ہونے والی تبدیلیوں سے بھی لیکن ابھی تک اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو رہی تھی اور اس کی ضد نے حسن کے جنون کو کم کرنے کے بجائے اور بڑھا دیا تھا۔ اس سے دوستی اب جیسے اس کی انا کا مسئلہ ہو چکا تھا۔

اس سہ پہر وہ اپنی شفٹ ختم کر کے سی ایم ایچ سے نکل رہی تھی۔ جب ایک بار پھر اس کا سامنا حسن سے ہوا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو۔ تنگ نہیں آتے ہو اس طرح بار بار یہاں آ کر۔''

"Winners never quit , quitters never win"

ایک ہلکے سے قہقہے کے ساتھ اس نے کہا تھا وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

''ویسے بھی اگر آپ آگے بڑھنے پر تیار نہیں ہیں تو میں پیچھے کیوں ہٹوں۔'' اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔''

''وہ تب ہوگا' جب میں آپ سے ملنا چھوڑ دوں گا'' وہ بلا کا حاضر جواب تھا۔

''تم آخر میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟'' وہ تنگ آ چکی تھی۔

''آپ آخر مجھ سے دوستی کیوں نہیں کر لیتیں؟''

''نہیں۔ دوستی نہیں ہو سکتی۔''

''ٹھیک ہے دوستی نہیں ہو سکتی۔ شادی تو ہو سکتی ہے پھر آپ مجھ سے شادی کر لیں۔''

وہ اس کی بات پر جیسے ہکا بکا ہو گئی تھی۔ وہ اس کے بعد زیادہ دیر وہاں نہیں رکا۔

''میری بات پر غور کیجئے گا۔ میں کل جواب لینے آؤں گا۔'' وہ چلا گیا تھا

سنبل اس رات سو نہیں سکی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے۔ کئی ماہ سے حسن کا پیچھا کرنا' پہلے ڈیٹ پر اصرار پھر دوستی کا مطالبہ اور اب یہ شادی کا پرپوزل۔ وہ اسے ایک مکمل احمق لگ رہا تھا۔ مگر احمقوں میں ایسی مستقل مزاجی قابل حیرت تھی۔

⁂

اگلے دن وہ ایک بار پھر اس کے مقابل تھا۔

''میرا خیال ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم کچھ چیزوں پر بات کریں۔ تم باہر لان میں چلو۔ میں وہیں پر آتی ہوں۔''

آج اس نے حسن کو دیکھتے ہی بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر باہر چلا گیا۔ وہ آفس سے کچھ وقت کی رخصت لے کر باہر آ گئی۔

وہ لان میں چہل قدمی میں مصروف تھا۔ اسے آتا دیکھ کر رک گیا۔ وہ اسے ساتھ لے کر ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔

''آپ نے میرے پرپوزل پر غور کیا؟'' اس نے بینچ پر بیٹھتے ہی پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ یہ قابل غور تھا ہی نہیں۔''

وہ کچھ کہنے لگا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''مجھے بات کرنے دو۔ تمہاری عمر کتنی ہوگی۔ چوبیں پچیس سال اور میری عمر بتیس سال ہے۔ تم سے سات آٹھ سال بڑی ہوں۔''

اس نے سنبل کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ ''اس سے کیا ہوتا ہے اور یہ میرے لئے کوئی سرپرائز نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں آپ میچور ہیں اور اس لحاظ سے آپ کو تیس میں ہی ہونا چاہیے۔ مگر مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''ابھی فرق نہیں پڑتا۔ کچھ سالوں بعد پڑے گا جب تک تیس میں آؤ گے اور میں چالیس سے اوپر کی ہو جاؤں گی۔ آدمی کیلئے نہ سہی مگر چالیس کے بعد عورت کیلئے بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے' تب تم پچھتاؤ گے۔''

''میں نہیں پچھتاؤں گا۔ آپ اب بتیس کی ہیں لیکن بتیس کی نہیں لگتیں تب بھی چالیس کی نہیں لگیں گی اور مجھے آپ کی عمر سے فرق نہیں پڑتا۔''

''میں لگتی نہیں ہوں یہ اور بات ہے لیکن نہ لگنے سے عمر میں کمی نہیں آتی۔ آج تمہیں میں بتیس کی نہیں لگتی ہوں۔ کل لگنے لگوں گی۔''

''میں نے آپ سے کہا ہے نا کہ مجھے عمر سے فرق نہیں پڑتا۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔''

''پہلے مجھے تمہارے احمق ہونے کا شک تھا۔ اب یقین ہو گیا ہے کہ تم عقل سے پیدل ہو۔ تمہارا اور میرا کوئی جوڑ ہی نہیں نہ ہم عمر۔''

''عمر کی بات نہ کریں اگر آپ کو کوئی اور اعتراض ہے تو وہ بتائیں۔'' حسن نے اس بار پھر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''ٹھیک ہے عمر کی بات نہیں کرتی۔ تم میں اور مجھ میں اور بھی بہت سے فرق ہیں۔ تم ایک جنرل کے بیٹے ہو اور میرا باپ فوج میں ایک بیٹ مین تھا۔ تم جس خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ ہماری سات پشتیں بھی اس کی برابری نہیں کر سکتیں۔'' وہ اسے بڑے ٹھنڈے انداز میں سمجھا رہی تھی۔

''سات پشتوں کا انتظار کیوں ہے آپ کو؟ مجھ سے شادی کر کے آپ میرے خاندان کا ایک حصہ بن سکتی ہیں۔''

وہ اس کی بات پر ایک بار پھر خاموش ہو گئی تھی۔

''سنبل! ایک بات تو طے ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور مجھے شادی بھی آپ سے ہی کرنی ہے۔ آج نہیں تو کل سہی۔ کل نہیں تو پرسوں۔ کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور آئے گا۔ جب آپ کو میری بات ماننا پڑے گی۔ مجھ میں انتظار کرنے کا حوصلہ ہے۔ آپ کو یہ اندازہ تو ہو ہی گیا ہوگا کہ میں مستقل مزاج ہوں' جو چیزیں مجھے اچھی لگتی ہیں وہ میں حاصل کر کے ہی رہتا ہوں چاہے آپ ایسی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لیں۔ میں اپنے فیصلے خود کرتا ہوں۔ بہت سوچ سمجھ کر کرتا ہوں پھر انہیں بدلتا ہوں نہ ان میں ترمیم کرتا ہوں۔ آپ کی دلیل بھی میرا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔ مجھے صرف آپ سے شادی کرنی ہے۔''

وہ حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ پہلی بار کسی میچور مرد کی طرح بات کر رہا تھا۔ بڑے پرسکون انداز میں۔ بہت ٹھہر ٹھہر کر۔ وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی بس خاموشی سے اٹھ کر اندر آ گئی۔

اگلے دن ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا تھا۔ وہ ہاسپٹل نہیں آیا تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ پورا دن وہ لاشعوری طور پر اس کا انتظار کرتی رہی اور شام کو جب وہ واپس ہاسپٹل گئی تھی تو اس پر ایک عجیب سی بے چینی طاری تھی۔ ''آخر اس کے نہ آنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟'' بار بار اس کے ذہن میں

ایک ہی سوال آ رہا تھا۔

دوسرے روز بھی وہ ہاسپٹل نہیں آیا تھا اور سنبل کی بے چینی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ جیسے اس کے وجود کی عادی ہو چکی تھی۔ اب وہ چہرہ نہ دیکھنا وہ آواز نہ سننا اس کیلئے کس قدر تکلیف دہ ہو سکتا تھا یہ اسے اب اندازہ ہو رہا تھا۔

''اچھا ہے وہ نہ آئے میری جان تو چھوٹ جائے گی' دوبارہ پہلے جیسی ٹینشن تو نہیں ہو گی۔'' اس نے جیسے اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی ور پھر وہ سارا دن خود کو ایسی ہی تسلیوں سے بہلاتی رہی رات کو سونے سے پہلے جو آخری چہرہ اس کے تصور میں آیا تھا۔ وہ حسن دانیال کا چہرہ تھا۔

پھر وہ ایک ہفتہ تک نہیں آیا تھا اور چوتھے دن ہی وہ اپنے آپ سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ وہ بھی حسن کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے اور یہ اعتراف بے حد تکلیف دہ تھا۔ ایک ایسے شخص کی محبت میں گرفتار ہونا جو آپ سے سات آٹھ سال چھوٹا ہو اور جس کا حصول آپ کے لئے ناممکن ہو' بے حد تکلیف دہ ہوتا ہے' خاص طور پر تب جب آپ نے اس محبت سے بچنے کیلئے اپنی پوری کوشش کی ہو۔ وہ پورا ہفتہ جیسے ایک شاک کے عالم میں رہی تھی۔ ہر چہرے پر اسے حسن دانیال کے چہرے کا گمان ہوتا تھا۔ ہر آواز اسے چونکا دیتی تھی۔

............❁............

''ہیلو سنبل کیسی ہیں؟'' آٹھویں دن شام کو ہاسپٹل سے نکلتے ہوئے اس نے اپنے عقب میں وہ آواز سن لی تھی۔ اس کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ بعض آوازیں بھی جسم میں جان ڈال دیتی ہیں' وہ رک گئی تھی۔ حسن اس کے سامنے آ گیا۔ پہلی دفعہ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کے چہرے پر نظر ڈال سکے۔ وہ یونیفارم میں ملبوس تھا۔ وہ اس کے سینے پر لگے ہوئے نام کو پڑھتی رہی۔

''آپ کیسی ہیں؟'' وہ سوال ایک بار پھر دہرایا گیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا تھا۔

''کبھی تو میرے بارے میں بھی پوچھا کریں کہ میں کیسا ہوں۔'' وہ اس کا چہرہ نہ دیکھنے کے باوجود جانتی تھی کہ وہ مسکرا رہا ہو گا۔

''مجھ سے پوچھیں گی نہیں کہ میں ایک ہفتہ کہاں رہا؟ آپ کے پاس کیوں نہیں آیا؟'' وہ کہہ رہا تھا۔

''مجھے جانا ہے۔'' اس نے بمشکل کہا تھا۔

''سنبل! آپ پتھر نہیں ہو سکتیں۔ پتھر میں بھی دراڑ آ جاتی ہے آپ تو۔''

''مجھے جانا ہے۔ آپ سامنے سے ہٹ جائیں۔'' اس نے حسن کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

''آپ نے میرے بارے میں کیا سوچا؟'' وہ اب بھی راستہ روکے کھڑا تھا۔

سنبل نے چلنا شروع کر دیا۔

''میری بات کا جواب دیئے بغیر آپ کیسے جا سکتی ہیں؟'' وہ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

''آپ جانتی ہیں۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں پھر آپ میرے ساتھ ایسا سلوک کیسے کر سکتی ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

''آپ نے کبھی کسی کو مرتے دیکھا ہے۔ ضرور دیکھا ہوگا۔ آپ نرس ہیں۔ آپ کے سامنے بہت سے بیمار اور زخمی لوگ مرے ہوں گے مگر کسی تندرست آدمی کو اپنے ہی ہاتھوں مرتے نہیں دیکھا ہوگا۔ اب آپ حسن دانیال کو مرتے دیکھیے گا۔''

اسے جیسے ٹھوکر لگی تھی۔ حسن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سہارا دیا اور وہ سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مطلب بہت واضح ہے۔ میں آپ کی وجہ سے خودکشی کرلوں گا۔'' اس کا لہجہ بہت سرد تھا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

''تم یہ کیسے کرسکتے ہو؟''

''کیوں نہیں کرسکتا آپ مجھے قتل کرسکتی ہیں۔ میں خودکشی نہیں کرسکتا؟''

''میں نے تمہیں کب قتل......''

''جو آپ کر رہی ہیں' وہ قتل سے کم نہیں ہے۔ میں نے کوئی گناہ تو نہیں کیا' مجھے آپ سے محبت ہے۔ اس لئے میں نے آپ کو شادی کی آفر کی۔ اس میں غلط چیز کیا ہے؟ آپ دوستی نہیں کرسکتیں' شادی تو کرسکتی ہیں۔''

وہ ابھی تک اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ سنبل نے غیر محسوس انداز میں ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ اس کی گرفت اور سخت ہوگئی۔

''میرا ہاتھ چھوڑو۔''

''پہلے آپ مجھے میری بات کا جواب دیں۔''

''میں سوچوں گی' اب تم ہاتھ چھوڑو۔''

''کتنا وقت چاہیے آپ کو؟ ایک دن' دو دن' دس دن۔ آپ یہ بتائیں؟'' اس نے ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔

''دس دن۔''

حسن نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ ''ٹھیک ہے اب میں دس دن بعد آؤں گا گڈ بائے۔''

وہ وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''اوہ خدایا اب کیا پھر میں اسے دس دن تک نہیں دیکھوں گی۔'' اس نے ہاسٹل کی طرف جاتے ہوئے سوچا تھا۔

''کیا تمہارے ماں باپ اس شادی پر رضامند ہوجائیں گے؟'' دسویں دن وہ پھر آگیا تھا سنبل نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

''کبھی نہیں۔'' اس نے بڑے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

''تو پھر یہ پرپوزل دینے کا کیا مطلب ہے؟''

''شادی مجھے کرنا ہے میرے ماں باپ کو نہیں۔ میں ماں باپ کا محتاج نہیں ہوں شادی کرسکتا ہوں اور گھر بھی چلا سکتا ہوں اور جب ایک

بار شادی ہو جائے گی تو کچھ عرصہ کے بعد وہ یہ شادی قبول کر لیں گے۔''

''اس طرح تو میں شادی نہیں کر سکتی۔ تمہارے گھر والوں کی مرضی کے بغیر یہ سب نہیں ہو سکتا۔ میرے گھر والے اس طرح کا رشتہ کبھی قبول نہیں کریں گے۔''

''دیکھو سنبل! میرے بھائی نے بھی اسی طرح اپنی مرضی سے شادی کی تھی۔ کچھ عرصہ تک ممی اور پاپا ناراض رہے پھر بعد میں انہوں نے اس شادی کو قبول کر لیا۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ میچور آدمی ہوں تمہیں میری بات پر اعتبار کرنا چاہیے۔''

وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

''مگر میرے گھر والے کبھی اس رشتہ پر رضامند نہیں ہوں گے۔''

''تم ان سے بات تو کرو۔ اگر وہ رضامند ہو گئے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ ہم دونوں ان کی مرضی کے بغیر شادی کر لیں گے۔'' وہ حسن کے جواب پر حیران ہوئی تھی۔ وہ بہت مطمئن تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کر سکتی۔''

''میرے بغیر رہ سکتی ہو؟'' اس نے سنبل کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''رہ سکتی ہوں۔'' اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

''اچھا!'' حسن نے عجیب سے انداز میں کہا تھا۔ ''ایک بار پھر سوچنا کیا واقعی میرے بغیر رہ لوگی۔ میرا خیال ہے' نہیں تم یہ بات مانو یا نہ مانو' بہرحال تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔ اتنی محبت نہ سہی جتنی میں کرتا ہوں مگر محبت ضرور کرتی ہو۔''

اس نے تھکے ہوئے انداز میں سر جھکا لیا تھا۔

''اپنے گھر والوں سے بات کرو۔ ہو سکتا ہے وہ مان جائیں ورنہ شادی تو ان کی مرضی کے بغیر بھی ہو ہی سکتی ہے۔'' وہ چلا گیا تھا۔

''واقعی میں اس شخص کے بغیر کیسے رہ سکتی ہوں۔ مگر جو یہ کہہ رہا ہے وہ......'' وہ بہت دیر تک اسی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔

حسن کو کچھ دن ضرور لگے مگر پھر وہ مکمل طور پر اس کی گرفت میں آ چکی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی برین واشنگ کرتا رہا مگر عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ وہ آہستہ آہستہ خود بھی اس کی محبت میں گرفتار ہوتا گیا تھا مگر جب تک اسے اس بات کا احساس ہوا' تب تک بہت دیر ہو چکی تھی اب وہ چاہتا بھی تو اس حقیقت سے نظریں نہیں چرا سکتا تھا کہ وہ سنبل سے محبت کرتا ہے وہ جانتا تھا کہ اس کے ماں باپ کبھی اس رشتہ پر تیار نہیں ہوں گے۔ خاص طور پر اس کے والد جو سلوک اس کے ساتھ کرتے۔ وہ اس سے خائف تھا۔ مگر وہ پھر بھی سنبل سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ اپنے والدین کو بتائے بغیر شادی کر لے گا۔

سنبل کو اس نے اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں سے اس کے بارے میں بات کرے۔ سنبل نے جھجکتے ہوئے اپنی ماں سے اس رشتے کے بارے میں بات کی تھی اور ان کا ردعمل اس کی توقع کے مطابق تھا۔ انہوں نے ایسے رشتہ سے صاف انکار کر دیا تھا۔ جس میں لڑکا نہ صرف اس سے کم عمر تھا بلکہ وہ اپنے والدین کو بتائے بغیر شادی کرنا چاہتا تھا۔ سنبل نے اپنی ماں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ اس کی بات سننے پر تیار ہی نہیں تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ایسے لڑکے سے شادی کر کے کنویں میں چھلانگ لگانا چاہتی ہے اور یہ نہ صرف ان کا خیال تھا بلکہ اس کے بھائی' بہنوئی اور بہنوں کی بھی رائے تھی۔ وہ کسی طرح اس رشتہ کے بارے میں بات کرنے پر تیار نہیں تھے۔ سنبل نے گھر سے واپسی پر حسن کو اپنے گھر والوں کے ردعمل سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ یہ سب سن کر جیسے بھڑک اٹھا تھا۔

''تمہارے گھر والے فضول اعتراض کر رہے ہیں۔ زندگی ہم نے گزارنی ہے انہوں نے نہیں پھر اس طرح کی باتیں کرنے کا کیا جواز بنتا ہے۔ مجھے لگتا ہے سنبل! تم نے انہیں منانے کی کوشش ہی نہیں کی۔'' وہ اس کی بات پر ناراض ہو گئی تھی۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں نے کوشش ہی نہیں کی۔ اگر مجھے کوشش نہ کرنا ہوتی تو میں اپنے گھر والوں کے سامنے تمہارا ذکر ہی کیوں کرتی۔ خواہ مخواہ ان کی نظروں میں بری کیوں بنتی۔ مگر میرا خیال ہے' وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تمہارے گھر والوں کی مرضی۔''

''سنبل! دوبارہ میرے گھر والوں کا ذکر مت کرنا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں تمہیں شادی مجھ سے کرنی ہے' میرے گھر والوں سے نہیں مگر شاید تم کیپٹن حسن دانیال سے شادی کرنا نہیں چاہتیں جنرل بابر کریم کے بیٹے سے شادی کرنا چاہتی ہو اور میرا خیال ہے' تمہارے گھر والے بھی مجھ سے نہیں جنرل بابر کریم کے خاندان سے تعلق جوڑنا چاہتے ہیں۔'' اس کا لہجہ بے حد تلخ تھا اور اسے حسن کی بات پر بہت تکلیف پہنچی تھی۔

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو حسن؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اگر تمہیں مجھ سے محبت ہوتی۔ میری ضرورت ہوتی تو تم اپنے گھر والوں کے یہ اعتراضات میرے سامنے پیش نہ کرتیں۔ انہیں سمجھاتیں۔ انہیں قائل کرتیں۔ دنیا میں گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی کرنے والا میں واحد آدمی نہیں ہوں اور بھی بہت سے ہیں اور بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے سنبل کہ تمہارے گھر والے تمہاری شادی کرنا ہی نہیں چاہتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ساری زندگی تم انہیں سپورٹ کرتی رہو۔ آفٹر آل سونے کی چڑیا کو ہاتھ سے کون جانے دیتا ہے۔''

سنبل اس کی بات پر شاکڈ رہ گئی تھی۔ ''تمہیں شرم آنی چاہیے ایسی بات کرتے ہوئے۔''

''تمہارے گھر والوں کو ایسا کام کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔'' اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''میرے گھر والے ایسے نہیں ہیں۔'' وہ تیز لہجے میں بولی تھی۔

''ایسے نہیں ہیں تو تمہاری بات کیوں نہیں مانتے انہیں پروا ہونی چاہیے تمہاری تم نے اپنی زندگی کا بہترین وقت ان کے لیے قربان کر دیا ہے اور وہ تمہاری ایک چھوٹی سی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔''

''حسن! میں اور برداشت نہیں کر سکتی۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں۔ دوبارہ تمہیں اپنا چہرہ نہیں دکھاؤں گا۔'' وہ غصے کے عالم میں وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ ساری رات روتی رہی۔
وہ اگلے کئی دن نہیں آیا تھا۔ تھک ہار کر اس نے خود ہی اسے فون کیا تھا اور وہ جیسے اسی بات کا منتظر تھا۔ سنبل کو اسے کچھ کہنے یا منانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ وہ خود ہی اس کے پاس آ گیا تھا۔

......❁......

''امی! آپ میری بات مان کیوں نہیں لیتیں؟'' وہ ایک بار پھر اپنے گھر والوں کو منانے کے لیے ملتان آئی تھی۔
''میں تمہاری بات نہیں مان سکتی۔ تم حماقت کرنا چاہتی ہو اور میں تمہیں ایسا کرنے نہیں دوں گی۔''
''امی آپ فضول ضد کر رہی ہیں میں حسن کے ساتھ بہت خوش رہوں گی۔ یہ میں جانتی ہوں۔ آپ میری خوشی کیوں نہیں چاہتیں؟''
''آپی! آپ اس شخص کو نہیں جانتیں۔ میں نے اس کے بارے میں پتا کروایا ہے وہ اول نمبر کا فلرٹ ہے۔ اس کی ریپوٹیشن اچھی نہیں ہے وہ آپ کو خوش نہیں رکھ سکتا۔'' اس کے چھوٹے بھائی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس کی بات پر جیسے بھڑک اٹھی تھی۔
''تمہیں کس نے کہا تھا اس کے بارے میں پتا کروانے کو میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں اور مجھے معلومات کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اچھا ہے یا بُرا شادی مجھے اس کے ساتھ ہی کرنی ہے۔''
''تم جانتی ہو۔ وہ عمر میں تم سے کتنا چھوٹا ہے۔''
''جانتی ہوں مگر اگر اسے اس کی پروا نہیں ہے تو پھر مجھے بھی نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ قطعی تھا۔
''تم دونوں کو اس کی پروا ہو یا نہ ہو دنیا کو ہے۔''
''ہمیں دنیا کے ساتھ نہیں رہنا۔ ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ہے۔'' ''مگر رہنا تو اسی دنیا میں ہے نا؟''
''امی! یہ اعتراضات مت کریں۔ میں نے اپنی پوری جوانی آپ لوگوں کی زندگیاں بنانے میں لگا دی ہے آپ کی خواہشات پوری کرنے میں ختم کر دی ہے اور جب میری زندگی کی باری آئی ہے تو آپ لوگ اعتراض کر رہے ہیں مجھے دنیا کی پروا کرنے کو کہہ رہے ہیں میں نے تو دنیا کی پروا نہیں کی تھی۔ جب اپنے سے چھوٹی بہنوں کی شادی کر دی تھی۔ پھر آپ کو دنیا کیوں یاد آ گئی ہے؟''
''تم اپنی زندگی برباد کرنے کی خواہش کر رہی ہو۔ اس لیے اعتراض کر رہی ہوں۔ جانتی ہوں تم نے بہت قربانی دی ہے۔ بہت ایثار کیا ہے۔ اسی لیے چاہتی ہوں کہ تمہاری باقی زندگی اچھی گزرے تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔ مگر یہ بندہ تمہیں خوش نہیں رکھ سکتا۔ اس کے ساتھ میں تمہاری شادی نہیں کر سکتی۔''
''امی! آپ میری شادی کرنا ہی نہیں چاہتیں۔ آپ کیوں چاہیں گی کہ آمدنی کا ایک ذریعہ بند ہو جائے۔''
اس کی امی کو شاک لگا تھا اور سنبل لاشعوری طور پر حسن کی باتیں دہرا رہی تھی۔ اس کا بھائی ہونٹ بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔
''آپ چاہتی ہیں ساری زندگی میں اسی طرح کما کما کر آپ کو روپے بھیجتی رہوں اور آپ اپنی دوسری اولادوں پر خرچ کرتی رہیں۔

میری زندگی برباد کر کے آپ کو کیا ملے گا؟''

اس کی امی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ مگر وہ بولتی جا رہی تھی۔

''ٹھیک ہے آپ جہاں چاہیں گی۔ آپ کی شادی وہیں ہو گی۔ مگر ایک دفعہ جب آپ کی شادی اس آدمی کے ساتھ ہو جائے تو آپ یہاں دوبارہ آنے کی زحمت نہ کیجیے گا نہ ہی ہم سے دوبارہ ملیے گا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے ہم پر بہت احسانات ہیں اور میں اتنا کمینہ نہیں ہوں کہ ساری عمر آپ کے احسانات سر پر لیے پھرتا رہوں گا۔ ہم آپ کے لیے پہلے ہی رشتہ تلاش کر رہے تھے اور وہ اس شخص سے بہت بہتر ہوتا جو آپ نے تلاش کیا ہے۔ بہر حال آپ طے کر لیجیے۔ آپ کو کب شادی کرنا ہے۔ میں سارے انتظامات کر دوں گا۔''

اس کے بھائی نے جیسے منٹوں میں فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ کسی شرمندگی اور پچھتاوے کے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے اب اپنے اور حسن دانیال کے درمیان کوئی دیوار نظر نہیں آ رہی تھی۔

دو ہفتے کے بعد بڑی سادگی سے ملتان میں ان دونوں کی شادی ہو گئی تھی۔ حسن بارات میں اپنے چند دوستوں کو لایا تھا اور اس کی طرف سے بھی صرف اس کے گھر والے شادی میں شریک تھے۔ شادی کی تمام رسومات بڑے بجھے دل سے ادا کی گئی تھیں۔ اس کے بھائی نے رخصتی کے موقع پر اسے پچاس ہزار کا چیک دیا تھا۔

''پتا نہیں یہ روپے اس نے کس طرح اکٹھے کیے ہوں گے۔'' اسے خیال آیا تھا۔ مگر وہ کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

''میں اس گھر میں آنا بھی نہیں چاہتی۔ میرے لیے حسن کافی ہے۔'' اس نے سوچا تھا۔

دو دن تک وہ ملتان کے ایک ہوٹل میں رہے تھے پھر حسن اسے لے کر کشمیر چلا آیا تھا۔ وہ دونوں ایک ہفتہ تک وہاں رہے تھے اور اس پورے عرصہ کے دوران سنبل کو ایک بار بھی اپنے فیصلے پر پچھتاوا نہیں ہوا تھا۔ حسن کے ہر انداز میں اس کے لیے التفات تھا ستائش تھی دیوانگی تھی اور وہ جیسے زمین پر نہیں آسمان پر رقصاں رہتی تھی۔

''وہ میرے لیے کیا تلاش کرتے؟ کیا یہ محبت ڈھونڈ سکتے تھے؟ کیا حسن دانیال تلاش کر سکتے تھے؟'' اسے اپنے بھائی کی بات یاد آتی اور وہ سوچتی۔

ایک ہفتہ کے دوران انہوں نے اپنے مستقبل کو بھی پلان کرنا شروع کر دیا تھا۔

''میں ابھی اس شادی کو خفیہ رکھنا چاہتا ہوں۔ کم از کم چند مہینے۔ اس کے بعد اپنے گھر والوں کو اس کے بارے میں بتا دوں گا۔ تم واپس جا کر یہ مت بتانا کہ تمہاری شادی مجھ سے ہوئی ہے۔ تم کہہ دینا کہ تمہارے شوہر باہر چلے گئے ہیں۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

''اور اگر کسی نے شادی کی تصویریں دیکھنا چاہیں تو؟''

''تم کہہ سکتی ہو کہ شادی کی تصویریں نہیں بنائی گئیں۔ شادی بہت سادگی سے ہوئی تھی اور تمہارے سسرال والے تصویریں بنوانا پسند نہیں کرتے۔''

''اور اگر کسی نے کہا کہ شوہر کی کوئی تو تصویر ہو گی وہ میں لا دوں گا اگر کوئی اصرار کرے تو تم وہ دکھا سکتی ہو۔'' اس نے سب کچھ جیسے پہلے ہی طے کر رکھا تھا۔

ایک ہفتہ کے بعد وہ دونوں واپس لاہور آ گئے تھے۔ اپنی آمد کے دوسرے دن اس نے ایک بار پھر ہاسپٹل جوائن کر لیا تھا۔ اپنی کولیگز کو اس نے اسی طرح ٹالا تھا جس طرح حسن نے اسے سمجھایا تھا۔ حسن اب ہر روز ہاسپٹل نہیں آتا تھا مگر اسے فون ضرور کیا کرتا تھا ہر ویک اینڈ وہ دونوں اکٹھے گزارتے تھے اور حسن ہمیشہ اسے کینٹ ایریا سے باہر تفریح کے لیے لے کر جاتا تھا۔ وہ شادی کے بعد بہت محتاط ہو چکا تھا۔ وہ ہر اس جگہ اس کے ساتھ جانے سے گریز کرتا تھا جہاں کسی جاننے والے کے ملنے کا امکان ہوتا۔ اور سنبل اس معاملہ میں اس کی پوری مدد کرتی تھی۔

چند ماہ بعد اسے پتا چلا تھا کہ وہ پریگننٹ ہے۔ وہ بہت خوش تھی مگر حسن کو یہ خبر سن کر جیسے شاک لگا تھا۔

''تم جانتی ہو سنبل! ہم ابھی کوئی بچہ افورڈ نہیں کر سکتے اور پھر بھی تم نے۔'' وہ بے حد غصے میں تھا۔

''افورڈ کرنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ جس طرح ہم رہ رہے ہیں وہ بچہ بھی رہ لے گا۔'' وہ اس کے لہجے پر حیران تھی۔

''لیکن تمہیں اتنی جلدی کس بات کی ہے؟ ہماری شادی کو ابھی صرف تین ماہ ہوئے ہیں۔ ابھی تو ہم ایک دوسرے کو سمجھ نہیں سکے اور تم ایک نیا رشتہ چاہتی ہو۔ تم احمق ہو۔'' وہ ابھی بھی اس طرح مشتعل تھا۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے اس کو دیکھتی رہی ''لیکن اب ہو کیا سکتا ہے؟''

''ابھی بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے، تم ابارشن کروالو۔'' وہ اسے شاک کے عالم میں دیکھتی رہ گئی تھی۔

''تم کیا کہہ رہے ہو حسن؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ مجھے ابھی کسی بچے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ابارشن کروالو۔''

''کیا یہ آسان کام ہے؟''

''ہاں کم از کم تمہارے لیے بہت آسان ہے۔ آفٹر آل تم نرس ہو، تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔''

وہ اسے بے یقینی کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔ شادی کے بعد پہلی بار اسے اپنی امی کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔

''میں یہ نہیں کر سکتی حسن! چاہے کچھ ہو جائے۔ میں یہ نہیں کروں گی۔ تم نے کہا تھا، تم دو تین ماہ بعد اپنے والدین کو اس شادی کے بارے میں بتا دو گے پھر ہم اکٹھے رہنا شروع کر دیں گے۔ تم اپنے والدین کو کیوں نہیں بتا رہے ہے۔''

''میں انہیں بتا دوں گا۔ میں کوئی جلد بازی کرنا نہیں چاہتا لیکن تم میری بات کے بارے میں دوبارہ سوچو، ابھی ہمیں کسی بچے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی اور میری مشکلات میں مزید اضافہ مت کرو۔''

''مجھے تمہاری بات کے بارے میں کچھ نہیں سوچنا۔ میں کہہ چکی ہوں میں ابارشن نہیں کرواؤں گی۔ یہ بچہ میرے یا تمہارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرے گا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

وہ کچھ دیر تیز نظروں سے اسے گھورتا رہا۔ ''تم بہت ضدی ہو سنبل! مجھے ضدی عورتیں اچھی نہیں لگتیں۔'' یہ اس کی طرف سے ناپسندیدگی کا پہلا اظہار تھا۔

''میں ضدی نہ ہوتی تو آج تمہاری بیوی بھی نہ ہوتی۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ''آؤ تمہیں ہاسٹل چھوڑ دوں۔'' وہ مزید کچھ کہے بغیر بینچ سے اٹھ گیا تھا۔ اس شام پہلی دفعہ وہ پورا راستہ خاموش رہا تھا۔ ہونٹ بھینچے وہ تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا تھا سنبل بجھے دل سے اسے دیکھتی رہی۔ اسے پہلی بار اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

وہ چند دن خفا رہا تھا سنبل نے اسے دو تین بار فون کیا پھر وہ دوبارہ آنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے ابارشن کے بارے میں دوبارہ بات نہیں کی تھی مگر وہ بچے کے ذکر میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اس کے لیے جیسے اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ وہ اب پہلے کی طرح سنبل سے اپنی محبت کا اظہار بھی نہیں کرتا تھا نہ ہی اس کے ساتھ زیادہ وقت گزارتا تھا۔ وہ بس کچھ دیر کیلئے آتا پھر اپنی کسی مصروفیت کے بارے میں بتا کر چلا جاتا۔

ڈلیوری سے دو ماہ پہلے سنبل نے کرائے پر ایک چھوٹا سا گھر لے لیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ حسن اب اسے زیادہ وقت دے۔ اس کی ضد پر حسن روز وہاں آیا کرتا تھا مگر وہ خوش نہیں تھا۔ کسی نہ کسی بات پر ان کے درمیان تلخ کلامی ہو جاتی تھی۔ ہر بار سنبل ہی اسے منایا کرتی تھی وہ جانتی تھی اس کے پاس اب دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔

ایک پرائیویٹ کلینک میں سنبل کے ہاں جڑواں بچیوں کی پیدائش ہوئی تھی۔ حسن تب اس کے پاس ہی تھا۔ اس کا ردعمل بالکل نارمل تھا۔ وہ نہ خوش تھا نہ ناراض۔ اس نے بچیوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ ایک ہفتہ کے بعد گھر آنے پر سنبل نے اسے بچیوں کے نام رکھنے کے لیے کہا تھا مگر اس نے یہ کام بھی اسی پر چھوڑ دیا تھا۔

شادی کے بعد سے وہ ایسے جھٹکوں کی عادی ہو چکی تھی۔ اس نے اس شاک کو بھی بہت صبر سے برداشت کیا تھا۔ اس نے خود ہی دونوں بچیوں کے نام رکھ دیے تھے۔ جب وہ دونوں دو ماہ کی ہو گئیں تو اس نے ایک بار پھر ہاسپٹل جانا شروع کر دیا۔ گھر میں اس نے بچیوں کے لیے ایک عورت رکھ لی تھی جو اس کی غیر موجودگی میں ان دونوں کو سنبھالتی تھی۔

❁

''السلام علیکم پاپا! کیسے ہیں آپ؟'' اس دن شام کو میس آتے ہی اس کے والد کا فون آیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم کل راولپنڈی آ جاؤ۔'' ان کا لہجہ حسن کو بہت عجیب لگا تھا۔

''کیا بات ہے پاپا! خیریت تو ہے؟'' وہ کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

''ہاں خیریت ہے۔ تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے' کل صبح لاہور سے روانہ ہو جاؤ۔''

''لیکن پاپا! اس طرح اچانک چھٹی ملنا تو مشکل ہے۔''

''وہ تمہارا نہیں میرا مسئلہ ہے۔ میں بات کر چکا ہوں تمہیں چھٹی مل جائے گی۔''

''ٹھیک ہے' میں آ جاؤں گا۔''

''خدا حافظ۔'' اس کے والد نے فون بند کر دیا تھا۔ وہ کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ پہلی بار وہ اس طرح بلا رہے تھے۔

''آخر ایسی کیا بات ہے جس کے لیے مجھے اس طرح بلایا جا رہا ہے؟'' وہ ساری رات اسی شش و پنج میں رہا تھا۔

دوسری صبح سنبل کو مطلع کرنے کے بعد وہ راولپنڈی روانہ ہو گیا تھا۔ شام کو جب راولپنڈی پہنچا تو اس کے پاپا اس وقت تک گھر نہیں پہنچے تھے۔ اس کی ممی بھی کسی فنکشن میں گئی ہوئی تھیں۔ وہ ان کا انتظار کرتا رہا۔ رات کے کھانے سے کچھ دیر پہلے اس کی امی گھر آ گئی تھیں۔ حسن کو دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی تھی۔

''پتا نہیں پاپا نے کسی کام کے لیے بلوایا ہے۔'' اس نے ماں کے استفسار پر بتایا تھا۔

''تمہارے پاپا بھی بس کمال کرتے ہیں۔ انہیں تو بس آرڈرز دینے کی عادت پڑ گئی ہے' پتا نہیں اب تمہیں کس لیے اتنے شارٹ نوٹس پر بلوایا ہے۔''

اس کی ممی نے اس کی بات سن کر کہا تھا۔ رات کا کھانا ابھی میز پر لگ رہا تھا جب جنرل بابر کریم گھر آ گئے تھے۔ حسن سے وہ جس طرح ملے تھے۔ اس انداز نے اسے مزید تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھے۔

''کھانا بعد میں بھی کھایا جا سکتا ہے۔ تم اس وقت میری اسٹڈی میں آ جاؤ۔'' انہوں نے اوپر جاتے ہوئے اسے ہدایت دی تھی۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے اوپر آ گیا۔

''بیٹھو۔'' انہوں نے اسٹڈی میں داخل ہوتے ہی ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ وہ اسٹڈی ٹیبل کی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ بابر کریم اسٹڈی ٹیبل کے دوسری طرف کتابوں کے شیلف کے پاس چلے گئے تھے۔

''لاہور میں کیسا وقت گزر رہا ہے؟'' اسے ان کا لہجہ ایک بار پھر عجیب لگا تھا۔

''اچھا گزر رہا ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا تھا۔ ''صرف اچھا؟''

''بہت اچھا گزر رہا ہے۔'' اس کی بے چینی اب بڑھ گئی تھی۔

''کیا سرگرمیاں ہیں وہاں تمہاری؟''

''وہی جو یہاں تھیں۔''

وہ کچھ دیر تک اس کے چہرے پر غور سے دیکھتے رہے تھے۔ ''یہ سنبل کون ہے؟''

اسے جیسے کرنٹ لگا تھا' چند لمحوں تک کچھ بول نہیں سکا پھر اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی ''سنبل دوست ہے ایک۔''

''صرف دوست؟''

''ہاں' کلب چلے جاتے ہیں یا فلم دیکھنے اکٹھے چلے جاتے ہیں۔'' اس نے لاپروائی سے کہنے کی کوشش کی۔

''بس یا کچھ اور بھی۔'' وہ اب بھی اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔

''اور کیا ہو سکتا ہے؟'' اس نے ایک بار پھر لاپروا نظر آنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر اسٹڈی ٹیبل کی دراز سے ایک فائل نکال کر اس کے آگے پھینک دی۔

''اسے کھولو اور اس میں موجود کاغذات کو دیکھو۔'' انہوں نے سرد آواز میں کہا تھا۔

وہ چند لمحوں تک سامنے پڑی فائل کو دیکھتا رہا پھر اس نے ہمت کر کے اسے کھول لیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے یوں لگا تھا جیسے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ سنبل اور اس کا نکاح نامہ اس کے سامنے موجود تھا۔ فائل میں کچھ دوسرے کاغذات بھی موجود تھے۔ اس نے آہستہ آہستہ لرزتے ہاتھوں سے انہیں دیکھنا شروع کیا۔ پچھلے سال میں مختلف مواقع پر لی جانے والی چھٹیوں کی درخواستیں اس کے سامنے موجود تھیں اور اس میں رابیل اور جویریہ کے برتھ سرٹیفکیٹ بھی تھے۔ جس کلینک میں ان کی پیدائش ہوئی تھی وہاں کا ایک سرٹیفکیٹ بھی تھا جس پر اس نے باپ کو حیثیت سے سائن کیے ہوئے تھے۔ اس نے فائل بند کر کے میز پر رکھ دی۔ اتنی ہمت اس میں نہیں رہی تھی کہ وہ اب باپ کے سامنے سر اٹھا کر بات کر سکتا۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا؟ تم کیا کرتے ہو' مجھے کچھ خبر نہیں؟ تم نے سوچا' باپ راولپنڈی میں ہے تم لاہور میں ہو' جو چاہو کر لو گے۔ مجھے کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔''

اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

''میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ کس سے ملتے رہے ہو؟ کہاں جاتے ہو کیا کرتے ہو؟ یہ سب میرے علم میں تھا۔ لیکن صرف اس لڑکی کے بارے میں مجھے پتا نہیں چل سکا اور جب پتا چلا تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو اس سارے معاملے کے بارے میں کوئی تازہ جھوٹ کوئی نیا بہانہ کوئی بے کار جواز؟''

ان کی آواز اب تیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اب بھی خاموش تھا۔

''میں نے تمہیں کبھی لڑکیوں سے دوستی سے نہیں روکا لیکن اس دوستی کو صرف دوستی تک ہی رہنا چاہیے تھا۔ تم نے کیا سوچ کر اس سے شادی کی تھی۔ ہمارے خاندان میں آج تک کبھی کسی نے ایسی حرکت نہیں کی اور تم کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو کیا چیز ہو تم؟ اس خاندان کا نام الگ کر دو تو اوقات کیا ہے تمہاری؟ چند ہزار تنخواہ پانے والا ایک معمولی کیپٹن؟''

اب بابر کریم کا پارہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ اس پر چلا رہے تھے اور اس کی رگوں میں جیسے خون منجمد ہو رہا تھا۔ وہ بہت دیر تک اس پر تیز چلاتے رہے پھر خاموش ہو گئے تھے۔ گلاس میں جگ سے پانی ڈال کر انہوں نے پانی پیا پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہ اب بھی پہلے کی طرح فق چہرے کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسے دیکھتے رہے پھر انہوں نے دراز سے کچھ اور کاغذات نکال کر اس کے سامنے پھینک دیے تھے۔ اس نے ایک نظر ان پر ڈالی وہ طلاق کے کاغذات تھے۔

''ان کاغذات پر سائن کردو۔''

کمرے میں بابر کریم کی سرد آواز گونجی تھی۔ اس نے پہلی بار سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''لیکن پاپا! ان بچیوں کا کیا......؟'' اس نے ہمت کر کے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ جنرل بابر کریم نے اس کی بات کاٹ دی۔

''یہ اس لڑکی کا مسئلہ ہے' تم ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھو گے۔ اس نے تمہیں ٹریپ کر کے اس خاندان میں آنے کی کوشش کی ہے۔ اسے کچھ تو سزا ملنی چاہیے'' ان کا لہجہ قطعی تھا۔

''مگر پاپا! پھر بھی میں ان بچیوں۔''

''مجھے تمہاری اگر مگر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تم کیا چاہتے ہو؟ ان بچیوں کو اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہو اور ایسا کرنے کے بعد تم سے شادی کون کرے گا۔ دو بچیوں کے باپ سے۔ کون سا اچھا خاندان تمہیں اپنی بیٹی دے گا۔ یہ سوچا ہے تم نے؟ مگر تم سوچنے کے قابل ہی کہاں ہو۔ تم پر تو عشق و عاشقی کا بھوت سوار ہے نا؟ اولاد پالنا چاہتے ہو تو یہ کر ہی نہیں سکتے ہو۔ اس لئے انہیں رہنے دو۔ ان کی ماں ان کا کچھ نہ کچھ کر لے گی۔ تم ان پیپرز پر سائن کرو یا پھر یہ گھر چھوڑ دو۔ تمہارے پاس اور کوئی چوائس نہیں ہے۔''

حسن نے ایک نظر ان کو دیکھا اور پھر رائٹنگ ٹیبل سے پین اٹھا کر خاموشی سے ان کاغذات پر دستخط کر دیئے۔

''اب تم دوبارہ کبھی اس عورت سے نہیں ملو گے۔ کیپ اٹ ان یور مائنڈ اینڈ گیٹ لوسٹ۔ ایڈیٹ۔''

اس نے اپنے باپ کو کہتے سنا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اسٹڈی روم کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

⁂

حسن کے راولپنڈی جانے کے دوسرے دن وہ معمول کے مطابق ہاسپٹل آئی تھی جب اچانک اسے آفس طلب کیا گیا تھا اور وہاں ایک explanation letter اس کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ وہ explanation letter پا کر جتنی پریشان ہوئی تھی' اسے پڑھ کر اس سے زیادہ پریشان ہوئی تھی۔ اس کے خلاف کچھ سنگین قسم کے الزامات لگائے گئے تھے اور اسے ایک ہفتہ کے اندر اپنی صفائی دینے کے لئے کہا گیا تھا۔ ایسا نہ کرنے کی صورت اسے لیٹر آف تھینکس دے دیا جاتا جس کا مطلب ملازمت سے مکمل طور پر علیحدگی ہوتا اور پینشن اور اپنے دوسرے واجبات کی اہل بھی نہ ٹھہرتی۔

وہ پریشانی کے عالم میں گھر آئی تھی۔ حسن کی چھٹی دو دن کی تھی اسے اگلے دن واپس آنا تھا۔ اس سے بات کئے بغیر وہ اگلا کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ اگلے دن وہ جب ہاسپٹل سے واپس گھر پہنچی تو اسے پتا چلا کہ حسن گھر آیا تھا اور اپنی چیزیں پیک کر کے لے گیا تھا۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے فون کیا تھا مگر اس کا نام پوچھنے کے بعد آپریٹر نے کہا کہ حسن دانیال وہاں نہیں ہیں۔ وہ کہیں گئے ہیں رات کو دیر سے واپس آئیں گے۔ اس نے آپریٹر سے کہا تھا کہ وہ حسن دانیال کو کہے کہ سنبل نے فون کیا تھا وہ ان سے ملنا چاہتی تھی۔

اگلا دن بھی اسی طرح گزر گیا تھا۔ حسن کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔ وہ جان گئی تھی' وہ اس سے ملنا نہیں چاہتا مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ اس بار اس کی اس اچانک ناراضگی کا سبب کیا تھا۔ اگلے روز وہ صبح میس میں چلی گئی تھی۔ ریسیپشن پر اس نے اپنا تعارف کروا کر حسن سے ملنے کا مطالبہ کیا تھا۔

''آپ بیٹھیں، وہ کچھ دیر میں آتے ہیں۔''

آپریٹر نے اس سے فون پر بات کرنے کے بعد سنبل سے کہا تھا۔ وہ وزیٹر روم میں بیٹھ گئی۔

دس منٹ بعد وہ یونیفارم میں ملبوس اس کے سامنے تھا۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات نے سنبل کو ہولا دیا تھا۔ وہ حسن دانیال نہیں تھا کوئی اور تھا اس کے چہرے پر پہچان یا شناسائی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

''میں تم سے آج آخری بار مل رہا ہوں اور میں اس کے بعد دوبارہ کبھی تم سے ملنا نہیں چاہتا۔ میں تمہیں ڈائی وورس (طلاق) دے چکا ہوں۔ چند دنوں تک پیپرز تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ سنبل کو یوں لگا تھا جیسے کسی نے اسے کھائی میں دھکیل دیا ہو۔

''تم کیا کہہ رہے ہو حسن! تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔

''میں یہ کر چکا ہوں اور اب میں دوبارہ تم سے ملنا نہیں چاہتا۔'' اس نے ایک بار پھر کہا تھا۔

''تم نے رابیل اور جویریہ کے بارے میں کیا سوچا ہے؟ تم ان کے باپ ہو۔'' کوئی چیز اس کی آنکھوں سے بہنے لگی تھی۔

''میں ان کا باپ ہوں نہ میں نے ان کے بارے میں سوچا ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا' مجھے بچوں کی ضرورت نہیں ہے مگر یہ تمہاری ضد تھی۔ تم انہیں رکھ سکتی ہو۔'' وہ بے حد پرسکون تھا۔

''حسن! تم مجھے اور اپنی بیٹیوں کو اس طرح کیسے چھوڑ سکتے ہو؟''

''میں تم لوگوں کو چھوڑ چکا ہوں۔ تم سے شادی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔'' وہ اس کے کانوں میں صور پھونک رہا تھا۔ مگر مرد ایسی غلطیاں کرتا ہی رہتا ہے۔ میں اب سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں مجھے ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔ تم لوگوں کے ساتھ رہ کر میں معذور ہو جاؤں گا۔ آگے نہیں جا سکوں گا۔ اس لئے میں نے تم لوگوں کو چھوڑ دیا ہے۔ مجھے تم سے محبت نہیں تھی۔ وہ ایک وقتی جنون تھا۔ اینی وے۔ میں امید کرتا ہوں۔ تم دوبارہ مجھے تنگ نہیں کرو گی۔''

سنبل نے اس بار اسے روکنے یا کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ کچھ دیر اس کے جواب کا منتظر رہا پھر کیپ پہن کر وزیٹرز روم سے باہر نکل گیا۔ اس کے آنسو تھم چکے تھے۔ بہت دیر تک وہ بے حس و حرکت وزیٹر روم میں بیٹھی رہی۔ پھر باہر نکل آئی۔

صبح آٹھ بجے دنیا اتنی تاریک لگ رہی تھی کہ اس کیلئے راستہ ڈھونڈنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ تین دفعہ وہ غلط رستے پر مڑ گئی۔ پھر چلتے چلتے وہ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی تھی۔

''وہ سب ایک غلطی تھا۔ مگر مرد ایسی غلطیاں کرتا ہی رہتا ہے۔ میں اب سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔''

اس کے کانوں میں بار بار ایک ہی جملہ گونج رہا تھا۔

''مجھ سے شادی ایک غلطی تھی۔ رابیل اور جویریہ ایک غلطی تھی اور کیا کچھ غلط تھا' یہ تم نے مجھے نہیں بتایا حسن دانیال۔'' وہ سڑک پر آتی جاتی اکا دکا ٹریفک کو دیکھ رہی تھی۔

''تم اس شخص کو نہیں جانتیں وہ تمہیں کبھی خوش نہیں رکھ سکتا۔ وہ آوارہ ہے اس کی کوئی ریپوٹیشن نہیں ہے۔'' اس کے کانوں میں اپنے بھائی کی آواز گونج رہی تھی۔ آگے اسے کیا کرنا تھا۔ وہ سوچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

گھر آنے پر ایک اور خبر اس کی منتظر تھی۔ ''ایک آدمی آیا تھا۔ یہ چٹ دے گیا ہے' کہہ رہا تھا۔ حسن صاحب کے والد آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ کل صبح دس بجے اس پتے پر آجائیں۔''

بچیوں کو سنبھالنے والی عورت نے اس کے آتے ہی اسے ایک چٹ دی تھی اس نے غائب دماغی کے عالم میں اسے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ کینٹ کے ہی ایک بنگلے کا ایڈریس تھا۔

''اب اور کیا باقی رہ گیا ہے؟'' اس نے سوچا تھا۔ آج اس نے روز کی طرح آ کر ان دونوں کو پیار نہیں کیا تھا۔ وہ بے بی کاٹ کے پاس آ کر خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔ وہ دونوں سو رہی تھیں۔ وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''میں ان کا باپ ہوں نہ میں نے ان کے بارے میں سوچا ہے۔ میں نے تو تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مجھے بچوں کی ضرورت نہیں ہے مگر یہ تمہاری ضد تھی۔ تم انہیں رکھ سکتی ہو۔''

''باجی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' آیا نے اندر آ کر اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا تھا۔ وہ خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''پانی لاؤں آپ کے لئے؟'' آیا تشویش میں مبتلا ہو گئی تھی۔

''نہیں بس دروازہ بند کر دو۔ میں کچھ دیر سونا چاہتی ہوں۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی اٹھے تو تم اسے آ کر لے جانا۔''

وہ تھکے تھکے انداز میں بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

اگلے دن وہ دس بجے اس بنگلے پر پہنچ گئی۔ ملازم نے اسے برآمدے میں بٹھایا تھا اور پھر کچھ دیر بعد آ کر اندر لے گیا۔ وہ اندر ڈرائینگ روم میں گئی تھی۔

''میں جنرل بابر کریم ہوں حسن دانیال کا باپ' بیٹھو۔'' صوفے پر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر اپنا تعارف کروایا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''سب سے پہلے تو تم ان کاغذات کو دیکھ لو۔ حسن نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔'' انہوں نے اس کے سامنے پڑی ہوئی میز پر رکھے ہوئے کچھ کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔ وہ انہیں ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کر سکی۔ ''تمہارا حق مہر ساٹھ ہزار روپے طے کیا گیا تھا۔ حسن ساٹھ ہزار دینے کے قابل نہیں ہے۔ میں دے سکتا ہوں لیکن دوں گا نہیں کیونکہ یہ شادی میری مرضی سے نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے یہ معاملہ تو کلیئر ہو گیا۔ تمہیں یہاں میں نے کچھ دوسرے معاملات طے کرنے کیلئے بھی بلایا ہے۔ پہلی بات یہ کہ تمہارے خلاف جو انکوائری ہو رہی ہے' وہ میرے کہنے پر شروع کی گئی ہے۔''

وہ پلکیں جھپکے بغیر انہیں دیکھتی رہی۔

''اگر تم یہ چاہتی ہو کہ یہ انکوائری ختم ہو جائے تو اس کے بدلے میں تمہیں میری کچھ شرائط ماننی پڑیں گی۔ سب سے پہلی بات یہ کہ آج کے

بعد تم کبھی کسی سے یہ نہیں کہو گی کہ حسن کے ساتھ تمہاری شادی ہوئی تھی یا تم اسے جانتی ہو۔ دوسری بات یہ کہ تم اپنی بچیوں کے ناموں کے ساتھ حسن کا نام کبھی استعمال نہیں کرو گی۔''

وہ اس کا ردعمل دیکھنے کیلئے رک گئے تھے۔

''میں ایسا ضرور کروں گی۔ مجھے انکوائری کی پروا نہیں ہے' جاب سے نکال دیا جاتا ہے تو بھی کوئی بات نہیں' لیکن میں اب یہ سب کو بتاؤں گی کہ آپ کے بیٹے نے اور آپ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ آپ حسن کو مکھن سے بال کی طرح نہیں نکال سکتے' میں سب کو بتاؤں گی کہ وہ میری بیٹیوں کا باپ ہے۔ میں کورٹ میں جاؤں گی۔''

وہ بڑے پرسکون انداز میں اسے دیکھتے رہے تھے' یوں جیسے اس کا یہ ردعمل ان کے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔

''That`s good میں نے بھی اسی خطرے کے پیش نظر تمہیں یہاں بلوایا تھا۔ تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ حسن سے تمہاری شادی ہوئی ہے۔'' وہ ان کی بات پر کچھ مشتعل ہوگئی تھی۔

''میرے پاس نکاح نامے کی کاپی ہے۔'' اس نے کہا تھا۔

''نہیں ہے' حسن تمہارے گھر سے آتے ہوئے وہ کاپی' شادی کی تصاویر اور ایسے کاغذات لے آیا تھا جس سے تم دونوں کی شادی کا پتا چل سکتا ہے۔''

وہ سن ہوگئی تھی۔

''جس آدمی نے تمہارا نکاح پڑھایا تھا۔ اس کے پاس بھی تمہاری شادی کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ ویسے بھی تم اسے ڈھونڈ بھی نہیں سکتیں۔ جس کلینک میں تمہاری بیٹیوں کی پیدائش ہوئی تھی' وہاں سے بھی ریکارڈ غائب ہو چکا ہے اور ان کے برتھ سرٹیفکیٹ بھی میں منگوا چکا ہوں۔ تمہیں وہاں بھی ان کی پیدائش کو دوبارہ رجسٹر کروانا پڑے گا۔ ان سب چیزوں کے بغیر تم کیسے ثابت کرو گی کہ حسن سے تمہاری شادی ہوئی تھی اور وہ تمہاری بیٹیوں کا باپ ہے۔ کوئی تمہاری بات پر یقین نہیں کرے گا۔ بہر حال تم ایسا کرنا چاہتی ہو تو ضرور کرو۔ تمہارے خلاف تو انکوائری ہو ہی رہی ہے۔ اس کے نتیجے کا تمہیں بہت جلد پتا چل جائے گا۔ ہاں' تمہارا ایک بھائی بھی تو ہے۔ عمر جعفر نام ہے نا اس کا؟ لیفٹیننٹ عمر جعفر' بہاولپور میں ہوتا ہے' بلوچ رجمنٹ یونٹ نمبر۔''

وہ روانی سے اس کے بھائی کے تمام کوائف بتاتے گئے تھے۔

''تم کیا چاہتی ہو' اس کے خلاف بھی کوئی انکوائری شروع ہو جائے؟''

وہ پہلی بار صحیح معنوں میں خوفزدہ ہوئی تھی۔ اسے اپنا وجود کسی آکٹوپس کے شکنجے میں لگ رہا تھا۔

''تم طے کرو' کیا چاہتی ہو۔ اپنی بچیوں کیلئے حسن دانیال کا نام جو تمہیں مل نہیں سکتا یا پھر اپنے اور اپنے بھائی کے کیریئر کا تحفظ جو تمہیں مل سکتا ہے۔ بولو کیا چاہتی ہو؟''

''مجھے سوچنے کیلئے وقت چاہیے۔'' اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی لگی تھی۔

''دس منٹ دیتا ہوں۔ سوچ لو۔'' سامنے بیٹھا ہوا شخص رحم نام کے ہر جذبے سے عاری تھا۔

''تو کیا میں اپنی بیٹیوں کو ان کے باپ کے نام کے بغیر پالوں گی؟ اور اگر یہ نہ کروں تو کیا اپنے بھائی کا کیریئر تباہ کر دوں جس کیلئے میں نے چودہ سال محنت کی تھی اور اب جب وہ۔ تو کیا میں اس کے پیروں کے نیچے سے بھی زمین کھینچ لوں۔ مگر رابیل اور جویریہ کا کیا قصور ہے۔ وہ کیوں باپ کے نام کے بغیر رہیں۔ حسن کا نام نہیں تو انہیں اور کس کا نام دوں اور جاب کا کیا ہوگا؟ جاب سے نکالی جاؤں گی تو کہاں جاؤں گی۔ کیا کروں گی۔''

''اس شادی پر ہمیں اعتراض اس لئے ہے کیونکہ تم اپنی زندگی برباد کرنا چاہتی ہو۔''

''آپی! آپ اس آدمی کو نہیں جانتیں۔ یہ آپ کو خوار کر دے گا۔ یہ گھر بسانے والا بندہ نہیں ہے۔''

''میں ان کا باپ ہوں نہ میں نے اس کے بارے میں سوچا ہے۔ تم سے شادی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ مرد ایسی غلطیاں کرتا ہی رہتا ہے۔ میں اب سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔''

اس کے دماغ میں آوازوں کا ایک ہجوم تھا۔ بہت سے چہرے بار بار اس کے سامنے آ رہے تھے۔ عمر کا چہرہ' امی کا' رابیل اور جویریہ کا' حسن کا' بابر کریم اور اس کا اپنا چہرہ' سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں بے پناہ طاقت تھی۔ وہ جانتی تھی' وہ جو کہہ رہا ہے' وہ کروا سکتا ہے اور اسے ایک راستہ چننا تھا۔ آٹھ منٹ بعد اس نے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں بچیوں کو حسن کا نام نہیں دوں گی' میں اس سارے معاملے کے بارے میں کبھی کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اپنی بیٹیوں کو بھی نہیں۔''

وہ کھڑی ہوگئی۔ اس نے طلاق کے کاغذات اٹھانے چاہے۔

''یہ تمہارے لئے نہیں ہیں۔''

اس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ وہ ڈرائینگ روم سے باہر نکل آئی۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے اسے حسن کی کار گیراج میں نظر آئی تھی۔

''تو وہ بھی یہاں تھا اور پھر بھی۔'' وہ گیٹ سے باہر نکل آئی تھی۔ ''حسن سے شادی میری غلطی تھی۔ سزا بھی مجھے بھگتنا چاہیے۔ میرے گھر والوں کو نہیں۔ رابیل اور جویریہ کو نہیں۔ ان میں سے کسی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ قصور میرا تھا۔ میں نے اعتبار کیا تھا۔ میں نے ضد کی تھی۔ فریب میں' میں آئی تھی۔ میں چہرے نہیں پہچان سکی تھی۔ میں نے اپنی اوقات سے بڑھ کر خواب دیکھے تھے۔ میں نے گھر والوں کو غلط سمجھا تھا جھوٹا سمجھا تھا اور میری سزا یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی خوابوں کے بغیر گزاروں۔ ٹھوکریں کھا کر' خالی دل کے ساتھ۔''

وہ سڑک پر چلتی ہوئی بڑبڑا رہی تھی۔

دو ہفتوں کے بعد اس کے خلاف انکوائری کا فیصلہ سنا دیا گیا تھا۔ اس پر بہت سے الزامات صحیح پائے گئے تھے اور ان کی بناء پر اسے ڈی موٹ کر دیا گیا تھا مگر اس کی طویل سروس اور اچھی کارکردگی کی وجہ سے اسے ملازمت سے نکالا نہیں گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر میجر سے کیپٹن بن گئی تھی۔

چند ہفتوں بعد اس کی ٹرانسفر کراچی کردی گئی تھی۔

....

''ممی! آخر اتنی جلدی کیوں ہے آپ کو؟'' حسن ویک اینڈ پر راولپنڈی آیا ہوا تھا۔

''جلدی مجھے نہیں ہے۔ تمہارے پاپا کو ہے۔ تم اس سلسلے میں ان سے بات کرو۔'' حسن ماں کی بات پر خاموش ہو گیا تھا۔ ''ویسے بھی تمہارے پاپا تمہیں پانچ چھ ماہ تو دے ہی رہے ہیں اور یہ کافی وقت ہے تم سوچ لو اور اپنی پسند ہمیں بتا دو' ورنہ پھر میں تمہیں کچھ لڑکیاں دکھا دوں گی۔'' اس کی ممی اپنا منصوبہ بتاتی جا رہی تھیں۔

''شادی کب تک کرنا چاہتے ہیں آپ لوگ؟'' اس نے ماں سے پوچھا تھا۔

''وہ تو تم پر ہے' تم کب کرنا چاہتے ہو' ویسے تمہارے پاپا چاہتے ہیں پہلے تمہاری انگیجمنٹ کر دیں پھر چند ماہ بعد تمہاری شادی کر دیں گے۔''

''یعنی اسی سال کے اندر اندر آپ میری آزادی ختم کرنا چاہتے ہیں۔'' اس نے اپنی ممی سے کہا تھا۔

''تمہارے پاپا کی شادی تیس سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔ تمہیں تو بہت چھوٹ دی ہے' تمہاری شادی تو تقریباً چھبیس سال کی عمر میں ہو گی۔ اتنے سال کی آزادی کافی نہیں ہے؟'' اس کی ممی کہہ رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے جیسے آپ لوگوں کی مرضی! میں چند ماہ تک آپ کو اپنی پسند بتا دوں گا۔'' اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

''اب پلیز چائے منگوا دیں۔ میں واقعی بہت تھکا ہوا ہوں۔'' اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چہرے پر بے حد اطمینان تھا۔

....

اس نے چینل بدلنا چاہا تھا۔

''ماما! رہنے دیں یہیں پر۔'' رابیل چائے کا مگ لے کر اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ''اوہ یہ تو بریگیڈیر حسن دانیال ہیں۔'' وہ جویریہ کے پاس صوفہ پر بیٹھ گئی تھی۔

سنبل نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی تھی۔

''تم جانتی ہو انہیں؟'' بہت مدھم آواز میں اس نے پوچھا تھا۔

''نہیں' ان کو تو نہیں جانتی۔ ان کی وائف کو جانتی ہوں۔ راولپنڈی میں پوسٹنگ ہے ان کی۔ عنبرین نام ہے ان کی مسز کا۔ اکثر آتی ہیں سی ایم ایچ۔ بہت خوبصورت ہیں۔'' رابیل ٹی وی پر نظریں جمائے تفصیلات بتا رہی تھی۔

''خود بھی تو بڑے ہینڈسم ہیں۔ بہت زبردست کپل ہو گا۔'' جویریہ کہہ رہی تھی۔

وہ اٹھ کر بالکونی کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ فضا میں خاصی خنکی تھی۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ گھر کے اندر اور باہر جلنے والی لائٹس اس تاریکی کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ گرل پر ہاتھ جما کر نیچے سڑک کو دیکھنے لگی۔ ایسا نہیں تھا کہ اس نے آج چوبیس سال بعد پہلی بار حسن کو دوبارہ

دیکھا تھا۔ پچھلے چوبیس سال میں وہ کئی بار اسے دیکھتی رہی۔

وہ شروع میں کچھ عرصہ وزیراعظم کے ملٹری سیکرٹری کے طور پر بھی کام کرتا رہا تھا اور تب وہ اسے اکثر ٹی وی پر نظر آتا۔ پھر کئی بار اخبار میں بھی اس کا چہرہ نظر آتا رہتا۔ ہاں آج عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ اس نے رابیل اور جویریہ کے منہ سے اس کا ذکر سنا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ وہ ان کا باپ تھا۔ پچھلے چوبیس سال ایک مرتبہ پھر کسی فلم کی طرح اس کے ذہن کی اسکرین پر ابھرنے لگے تھے۔ چوبیس سال میں کتنے دن' کتنی راتیں' کتنے گھنٹے' کتنے منٹ ہوتے ہوں گے' اس نے سوچنے کی کوشش کی تھی پھر جلد ہی ہار مان لی۔ وہ گن نہیں پا رہی تھی۔

رابیل اور جویریہ ایک جیسی نہیں تھیں ان دونوں کی شکل ایک دوسرے سے خاصی مختلف تھی اور عادات بھی۔ رابیل حسن سے بے حد مشابہ تھی حتیٰ کہ اس کی آنکھیں بھی حسن کی طرح گہری براؤن تھیں۔ حسن سے مشابہت جویریہ کے چہرے میں بھی جھلکتی تھی مگر رابیل جتنی نہیں۔ رابیل میں بہت بولڈنیس تھی۔ جویریہ اس کے برعکس تھی۔ اس کا مزاج دھیما تھا' وہ بات کرنے کے بجائے سننا زیادہ پسند کرتی تھی۔ رابیل اس پر مکمل طور پر حاوی تھی۔ بعض دفعہ رابیل کو دیکھ کر سنبل کو حسن کا خیال آ جاتا تھا۔ اس کے انداز بالکل حسن جیسے تھے اور تب سنبل کو بے تحاشا خوف آتا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں رہتی تھی کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ سکے۔ وہ رابیل کی نہیں حسن کی آنکھیں تھیں۔ خوبصورت' دلکش' گہری۔ وہ رابیل سے بات کرتے کرتے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیتی۔

کئی سال تک اس نے بہت ٹھوکریں کھائی تھیں۔ اس کے پاس آمدنی کے ذرائع محدود تھے اور اخراجات بہت زیادہ۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتی تھی کہ وہ دونوں اس کے بھائی کی بیٹیاں ہیں۔ اس نے انہیں گود لیا ہے۔ انہیں اس نے باپ کے طور پر عمر کا نام دے دیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ بڑی ہونے لگیں اور اس کے مسائل میں کمی آتی گئی۔ پڑھائی میں وہ دونوں ہی اچھی تھیں۔ اس معاملے میں اسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ جویریہ رابیل سے پڑھائی میں بہت اچھی تھی' ایف ایس سی میں بھی اس نے پوزیشن لی تھی اور وہ AMC جوائن کرنے کے بجائے کنگ ایڈورڈ میں جانا چاہتی تھی مگر سنبل نے اسے اے ایم سی پر جانے پر مجبور کیا تھا۔ وہ مالی طور پر اتنی مستحکم نہیں تھی کہ کنگ ایڈورڈ کے اخراجات برداشت کر سکتی۔ رابیل نے پہلے ہی اے ایم سی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ اس نے اس معاملے میں ماں پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔ وہ ویسے بھی آرمی میں ہی رہنا چاہتی تھی۔

ان دونوں کو بھی یہ پتا تھا کہ سنبل نے ان کے ماں باپ کی وفات کے بعد انہیں گود لیا ہے اور وہ ان کی پھوپھو ہے ماں نہیں۔ لیکن اس چیز نے زیادہ فرق نہیں ڈالا تھا۔ ان کے نزدیک وہ ہی سب کچھ تھی' پھوپھو بھی' ماں بھی' باپ بھی۔

❁

''نہیں' پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ معمولی بخار ہے۔ ایک دو دن میں اتر جائے گا۔'' اس نے چیک اپ کے بعد اپنے سامنے بیٹھے جوڑے سے کہا تھا۔ ''کیا نام ہے بیٹا آپ کا؟'' اس نے بچی سے پوچھا تھا۔

''عائشہ!'' اس نے جویریہ کو بتایا۔

''اور فادر کا نام؟'' اس بار جویریہ نے اپنے سامنے بیٹھے آدمی سے پوچھا تھا۔

''لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر!'' وہ نسخہ لکھتے ہوئے کچھ مسکرائی تھی۔

''میرے فادر کا نام بھی عمر جعفر تھا۔''

سامنے بیٹھے ہوئے میاں بیوی بھی مسکرائے تھے۔ ''اب زندہ نہیں ہیں کیا؟'' اس آدمی نے پوچھا تھا۔

''نہیں' بچپن میں ہی میرے والدین کی وفات ہوگئی تھی' ہمیں ہماری پھوپھو نے پالا ہے۔'' اس نے بتایا تھا۔

''وہ آرمی سے منسلک ہیں؟'' لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر نے پوچھا تھا۔

''وہ نرس تھیں' آرمی میڈیکل کور سے ہی منسلک تھیں۔ اب تو ریٹائر ہو چکی ہیں۔''

''کیا نام ہے ان کا؟''

''سنبل جعفر۔''

لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔

''یہ سیرپ اور ٹیبلٹس آپ لے لیں۔ ڈوز کس ترتیب سے لینا ہے۔ یہ میں نے لکھ دیا ہے اگر دو دن تک بخار نہ اترے تو آپ اسے پھر چیک اپ کیلئے لے آئیں' ویسے انشاء اللہ تعالیٰ دو دن تک بخار اتر جائے گا۔'' جویریہ نے نسخہ عمر جعفر کی طرف بڑھا دیا تھا۔

انہوں نے کاغذ ہاتھ میں تھام لیا ''آپ کی پھوپھو ملتان سے تعلق رکھتی ہیں؟'' عمر جعفر کے لہجے میں بے چینی تھی۔

''پتا نہیں' یہ کبھی میں نے پوچھا نہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ شاید ان کی پیدائش وہیں کی ہے۔ ہوسکتا ہے ان کا خاندان بھی وہیں سے تعلق رکھتا ہو کیونکہ کافی اچھی سرائیکی آتی ہے ان کو۔'' جویریہ نے اسٹیتھوسکوپ اتارتے ہوئے کہا تھا۔

''یہاں کھاریاں میں ہی ہوتی ہیں؟''

''نہیں' وہ لاہور میں رہتی ہیں۔ یہاں پر تو میری پوسٹنگ ہے۔ ویسے آتی جاتی رہتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں انہیں؟'' جویریہ نے اچانک بات کرتے کرتے ان سے پوچھا تھا۔

''شاید۔ آپ مجھے ان کی کوئی تصویر دکھا سکتی ہیں؟'' وہ بے حد سنجیدہ نظر آرہے تھے۔

''ہاں ضرور' لیکن اس وقت تو ان کی کوئی تصویر نہیں ہے میرے پاس جب آپ دوبارہ آئیں گے تب دیکھ لیجئے گا۔''

''کیا آپ کل مجھے ان کی تصویر دکھا سکتی ہیں؟''

''ٹھیک ہے آپ کل دیکھ لیجئے گا۔'' جویریہ اب حیران نظر آرہی تھی۔ وہ اٹھ کر چلے گئے تھے۔

اگلے دن ہاسپٹل آنے پر اس نے انہیں اپنا منتظر پایا۔ وہ ان کی بے تابی پر مزید حیران ہوئی تھی۔ اپنے بیگ سے اس نے سنبل کی تصویر نکال کر ان کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔ انہوں نے صرف ایک نظر اس تصویر پر ڈالی تھی پھر اسے واپس تھما دیا۔

''اب آپ مجھے اپنا ایڈریس دے دیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔'' ان کے چہرے پر اب سکون تھا۔

''لیکن آپ ملنا کیوں چاہتے ہیں؟'' جویریہ اب بے چین ہو چکی تھی۔

''آپ کی پھوپھو میری بہن ہیں۔ بڑی بہن اور میں ہی عمر جعفر ہوں۔ جس کا نام انہوں نے آپ کے نام کے ساتھ لگایا ہوا ہے۔ لیکن میں آپ کا باپ نہیں ہوں۔''

جویریہ کے سر پر جیسے آسمان گر پڑا تھا۔ وہ کچھ دیر تک کچھ بول نہیں سکی۔ وہیں کھڑے کھڑے چند جملوں میں لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر نے سنبل کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھتی رہی۔

''میں نہیں جانتی جو آپ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے یا جھوٹ لیکن میں ابھی آپ کو ان کا ایڈریس نہیں دے سکتی۔ مجھے ان سے بات کر لینے دیں۔''

وہ بڑی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ عمر جعفر اس کے پیچھے نہیں آئے تھے۔ اس دن وہ کوئی کام بھی ٹھیک سے نہیں کر پائی تھی۔ ہر چیز غلط ہو رہی تھی۔ شام کو اس نے راولپنڈی رابیل کو فون کیا تھا اور اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔

''میں پرسوں لاہور جا رہی ہوں۔ بہتر ہے تم بھی آ جاؤ۔'' اس نے رابیل سے کہا تھا۔ دوسری طرف سے کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔

سنبل اسے اچانک دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ ''کیا بات ہے جویریہ؟ تم دونوں آخر اس طرح اچانک کیوں آ گئی ہو؟ تھوڑی دیر پہلے رابیل آئی ہے۔ وہ تب سے کمرہ بند کر کے بیٹھی ہے اور اب تم۔ آخر ہوا کیا ہے؟''

سنبل اب کچھ پریشان ہونا شروع ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے نظریں چرا لیں۔ کچھ کہے بغیر وہ اندر چلی آئی اپنا ٹریول بیگ اتار کر اس نے لاؤنج میں رکھ دیا۔ سنبل اس کے پیچھے ہی آئی تھی۔

''تم اس طرح چپ کیوں ہو جویریہ؟ آخر پتا تو چلے ہوا کیا ہے؟''

اس نے سنبل کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ اسے یاد آ رہا تھا وہ دونوں اسے عظیم سمجھتی تھیں ان کے نزدیک وہ دیوی تھی۔ ان کا خیال تھا۔ سنبل نے ان دونوں کی خاطر ساری عمر شادی نہیں کی اور لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر نے کہا تھا ''وہ شادی کرنا چاہتی تھیں اپنے سے سات آٹھ سال چھوٹے کسی کیپٹن سے اس کے گھر والوں کی مرضی کے بغیر اور پھر ہمارے نہ چاہنے کے باوجود انہوں نے اسی سے شادی کی اس کے بعد ہم لوگوں نے ان سے میل جول ختم کر دیا۔''

''کیا بات ہے جویریہ؟ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟''

جویریہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ ''آپ نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا؟'' اس نے بلند آواز میں سنبل سے پوچھا تھا۔

وہ اس پر دھک سے رہ گئی۔ ''کون سا جھوٹ؟''

''آپ جانتی ہیں آپ نے کیا جھوٹ بولا ہے۔''

سنبل کا سانس رکنے لگا تھا۔ رابیل اپنے کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

''عمر جعفر ہمارا باپ نہیں ہے۔'' جویریہ کا لہجہ تلخ تھا۔

''تم سے کس نے کہا؟'' اسے اپنا وجود کسی کھائی میں گرتا ہوا لگا۔

''عمر جعفر نے' آپ کے بھائی نے۔'' اس کے دل کی دھڑکن رک گئی تھی۔ اس نے جویریہ کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔ بہت آہستگی سے وہ لاؤنج کے صوفہ پر بیٹھ گئی۔ گردن جھکائے وہ بے حس و حرکت کسی مجرم کی طرح بیٹھی رہی۔

جویریہ کو یک دم اس پر ترس آیا ''آپ ٹھیک تو ہیں؟'' اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔

سنبل نے رابیل کو کہتے سنا ''ان کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے جویریہ! پہلے انہیں بتانے دو کہ انہوں نے ہمارے ساتھ اتنا بڑا فراڈ کیوں کیا ہے؟''

جویریہ اس کے پاس نہیں آئی تھی۔

''اپنے سے کم عمر مرد' خاندان کی مرضی کے بغیر شادی' گھر والوں سے بغاوت' طلاق اولاد کی باپ کے نام کے بغیر پرورش۔ جدوجہد' قربانی' ٹھوکریں' اولاد کا کیریئر۔'' میں انہیں کیا کیا بتاؤں گی۔ کیا کیا چھپاؤں گی اور میں' میں چوبیس سال بعد بھی وہیں کھڑی ہوں کٹہرے میں' خطاوار' گنہگار مگر ٹھیک ہے میرے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ میں نے غلطی کی تھی۔ مجھے اس سزا کو بھی قبول کرنا چاہیے۔'' اس نے سوچا تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں نے تم لوگوں سے جھوٹ بولا تھا۔ فراڈ کیا تھا۔ مجھے تم لوگوں کو سچ بتا دینا چاہیے تھا۔ تمہیں فریب میں نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ مگر میرے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں تم لوگوں کو بچانا چاہتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی تم دونوں......''

''اتنی لمبی چوڑی وضاحتیں پیش مت کریں۔ صرف سچ بولیں۔ وہ جو آپ نے آج تک نہیں بولا۔''

سنبل نے سر اٹھا کر رابیل کو دیکھا تھا۔ وہ اب سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی کوئی چمک نہیں تھی۔ اسے یاد آیا تھا حسن سے آخری ملاقات میں وہ بھی اسے اسی طرح دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے' مجھے ان کو سب کچھ بتا دینا چاہیے' چاہے وہ کتنا ہی تلخ' کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔'' اس نے سوچا تھا۔

''بیٹھ جاؤ جویریہ! کھڑے ہو کر تم وہ سب کچھ نہیں سن پاؤ گی۔''

اس نے جویریہ سے کہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے فلور کشن پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔ لفظ اکٹھے کرنے شروع کیے تھے۔ کوئی عدالت اولاد کی عدالت سے زیادہ سخت نہیں ہو سکتی اور آج وہ اسی عدالت میں تھی۔ سر جھکا کر اس نے بولنا شروع کر دیا تھا۔ اپنی زندگی کی کہانی' نرسنگ جوائن کرنا' بہن بھائیوں کیلئے ایثار' حسن سے پہلی ملاقات' اس کا تعاقب کرنا' اس کا بچنے کی کوشش کرنا' حسن کی ضد' اس کی باتیں' شادی کا پرپوزل اس کا ہار ماننا' حسن کی محبت میں گرفتار ہونا' گھر والوں کا شادی کی اجازت نہ دینا' اس کی ضد' حسن سے خفیہ شادی' حسن کا رویہ' ان دونوں کی پیدائش' حسن کا طلاق دینا' انکوائری کے بعد ڈی موشن' حسن کے باپ کی بلیک میلنگ' اس کا شرائط قبول کرنا' انہیں حسن دانیال کے بجائے عمر جعفر کا نام دینا' اس نے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ ایک ایک لفظ ایک ایک جملہ دہرایا تھا۔ وہ سب کہہ دیا تھا جو پچھلے چوبیس سال سے

اس کے ذہن پر نقش ہو گیا تھا۔

"مجھے تم لوگوں کی پیدائش پر کوئی شرمندگی تھی نہ پچھتاوا۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا ہاں غلطی ضرور کی تھی۔ مگر میں نے تم لوگوں کو اس غلطی کی سزا نہیں دی۔ میں نے تمہارے باپ کی طرح تمہیں نہیں چھوڑا۔ میں چاہتی تو چھوڑ سکتی تھی مگر میں نے ایسا چاہا ہی نہیں میں نے عمر کا ایک حصہ اپنے بہن بھائیوں کیلئے قربان کر دیا۔ باقی عمر تم لوگوں کیلئے گزاری' اپنے لئے صرف ڈیڑھ سال گزارا تھا۔ اس ڈیڑھ سال نے مجھے پاتال میں پھینک دیا۔ میں دوبارہ کبھی اس پاتال سے باہر نہیں آسکی مگر میں نے تم دونوں کو اس میں گھسیٹنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے تم دونوں کو وہ سب کچھ دیا جو میں دے سکتی تھی۔ جو نہیں دے سکی۔ وہ میں نہیں دے سکتی تھی۔ میں نے چوبیس سال اپنے لئے نہیں تمہارے لئے گزارے ہیں مگر میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ مجھے اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا ہی تھا۔ میں نے بہت دفعہ تمہیں یہ سب کچھ بتانا چاہا۔ لیکن ہر بار میں خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ میں چاہتی تھی۔ تم دونوں بڑی ہو جاؤ۔ اپنے کیریئر اسٹیبلش کر لو پھر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔ مگر میں پھر بھی ایسا نہیں کر سکی۔ اس سب کی وجہ سے تم دونوں کو جو تکلیف پہنچی ہے' میں اس کیلئے معافی مانگتی ہوں۔ میں نے چوبیس سال تک تم دونوں کی خدمت کی ہے۔ میں اتنے کی مستحق ہوں کہ مجھے معاف کر دیا جائے۔"

اس نے گیلی آنکھوں کے ساتھ سر اٹھاتے ہوئے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ رابعل اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ بائیں ہاتھ سے منہ کو چھپائے نظریں اس پر جمائے وہ بے حس و حرکت تھی۔ اس نے جویریہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک دیکھی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ بھاگتی ہوئی اس کے ساتھ آ کر لپٹ گئی تھی۔ سنبل نے اسے پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا تھا۔ پھر وہ خود بھی اس کے کندھے پر سر رکھ کر بلند آواز میں رونے لگی تھی۔

"آپ نے کوئی غلطی نہیں کی ماما! آپ نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔ آپ نے جو کچھ کیا۔ ٹھیک کیا۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔"

اس کے کانوں میں جویریہ کی آواز آ رہی تھی۔ پتا نہیں کتنی دیر وہ جویریہ کو ساتھ لگائے روتی رہی تھی۔ پھر اس نے دروازے کو ایک دھماکے سے بند کرنے کی آواز سنی تھی۔ وہ سسکتے ہوئے جویریہ سے الگ ہو گئی تھی۔ رابعل اب لاؤنج میں نہیں تھی۔ اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔

"اس نے مجھے معاف نہیں کیا۔" وہ ایک بار پھر سسکنے لگی تھی۔

"ماما! آپ پریشان نہ ہوں' سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس سے بات کرتی ہوں۔"

وہ اسے ہاتھ سے تھپک کر رابعل کے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ دو تین بار دروازہ زور سے بجانے کے بعد رابعل نے دروازہ کھول دیا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں اور چہرہ بے تاثر۔

"کیا بات ہے؟" اس نے دروازہ کھولتے ہی پوچھا تھا۔

"تم اندر کیوں چلی گئی ہو۔ باہر آؤ' ہمارے ساتھ بیٹھو۔" جویریہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ اس نے جویریہ کا ہاتھ کندھے سے جھٹک دیا۔

''میں باہر نہیں بیٹھنا چاہتی ہوں۔''

''تم نے مجھے معاف نہیں کیا؟''سنبل نے اس سے کہا تھا۔

''آپ نے چوبیس سال تک سچ چھپایا ہے۔اب اسے جانچنے کیلئے مجھے چوبیس گھنٹے تو دیں۔''

''تم مجھے مجرم سمجھتی ہو؟''

''میں کسی کو مجرم سمجھتی ہوں نہ بے گناہ' لیکن مجھے کچھ وقت دیں کہ میں آپ کی باتوں کو سمجھ سکوں ان پر غور کر سکوں۔جو آپ نے کہا وہ آپ کا ورژن ہے' مجھے اپنے باپ کی بات بھی سننی ہے تا کہ میں جان سکوں کہ سچا کون ہے اور اگر آپ نے ہم سے غلط بیانی کی ہے تو میں آپ کو معاف نہیں کروں گی اور اگر آپ نے سچ بولا ہے تو میں اپنے باپ کو معاف نہیں کروں گی۔''

اس نے ایک بار پھر ایک جھٹکے سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

''ماما! آپ پریشان نہ ہوں۔وہ صبح تک نارمل ہو جائے گی۔اسے آپ کی باتوں پر یقین آ جائے گا۔''

جویریہ ایک بار پھر اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔پھر کچھ دیر بعد اس نے زبردستی سنبل کو اس کے کمرے میں لا کر لٹا دیا۔وہ پتا نہیں کب تک جاگتی رہی تھی پھر اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

صبح وہ چھ بجے اٹھی تھی۔جویریہ اس کے پاس ہی بیڈ پر سو رہی تھی۔وہ اٹھ کر لاؤنج میں آ گئی۔لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔وہ باہر آئی۔بیرونی گیٹ بھی کھلا ہوا تھا۔وہ تقریباً بھاگتے ہوئے رابیل کے کمرے میں آئی۔اس کے کمرے کا دروازہ لاکڈ نہیں تھا اور کمرہ خالی تھا۔اس کا ٹریول بیگ بھی وہاں موجود نہیں تھا۔وہ اسے بتائے بغیر راولپنڈی جا چکی تھی' وہ ایک شاک کے عالم میں کمرے میں کھڑی رہی۔

❁

جنرل (ر) بابر کریم جس وقت ڈرائینگ روم میں داخل ہوئے تو وہ کتابوں کے شیلف کے پاس کھڑی بازو سینے پر باندھے کتابوں کا جائزہ لے رہی تھی۔آہٹ پر ان کی طرف پلٹ گئی تھی۔

''گڈ ایوننگ سر۔''انہوں نے اسے کہتے سنا تھا۔اب اس نے ہاتھ پشت پر باندھ لئے تھے۔

''گڈ ایوننگ۔''انہوں نے اس لڑکی کو گہری نظروں سے دیکھا تھا۔لیڈی ڈاکٹرز کی مخصوص یونیفارم والی ساڑھی پہنے وہ بہت دراز قد لگ رہی تھی۔بوائے کٹ بال پنکھے کی ہوا کی وجہ سے ماتھے پر آ رہے تھے۔جنہیں وہ وقتاً فوقتاً ہاتھ سے پیچھے کر رہی تھی۔چمکدار ڈارک براؤن آنکھوں والی اس لڑکی سے انہیں کچھ چونکا دیا تھا۔انہیں یوں لگا تھا جیسے انہوں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا تھا۔

''شاید آپ کیپٹن ڈاکٹر رابیل جعفر ہیں۔''انہوں نے اس سے کہا تھا۔اس بار انہوں نے اس کے چہرے پر ایک خوبصورت مسکراہٹ ابھرتے دیکھی تھی۔

''یس سر!''

''بیٹھیں۔'' وہ اس سے کہتے ہوئے خود بھی صوفے پر بیٹھ گئے۔ ''کرنل ڈاکٹر جاوید نے فون کیا تھا مجھے کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں' شاید میری کتابوں کے بارے میں کچھ ڈسکس کرنا چاہتی ہیں۔'' بابر کریم نے بات شروع کی تھی۔

''یس سر! میں کافی عرصے سے آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ آپ کی تقریباً ساری کتابیں پڑھی ہیں میں نے اور آپ کے کالمز بھی پڑھتی رہتی ہوں۔ آپ سے ملنے کا کافی شوق تھا مجھے۔ آپ بہت اچھا لکھتے ہیں۔''

بابر کریم کے چہرے پر ایک فخریہ مسکراہٹ آئی تھی۔ ''تھینک یو آپ کیا لیں گی؟'' چائے یا کافی یا کوئی سافٹ ڈرنک؟''

''جو آپ لیں گے وہی۔'' وہ اس کی بات پر مسکرائے تھے۔ ملازم کے آنے پر انہوں نے کافی لانے کیلئے کہا تھا۔

''آپ کے فادر آرمی میں ہیں؟''

''آرمی میں تھے لیکن ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے کئی سال پہلے۔''

''ویری سیڈ کون سے رینک میں تھے؟''

''کیپٹن تھے۔''

''تب تو بہت بچپن میں ہی ان کی وفات ہو گئی ہو گی۔''

''ہاں تب میں صرف دو ماہ کی تھی۔ سر! آج کل آپ اور کیا لکھ رہے ہیں۔ آئی مین کسی نئی کتاب پر کام کر رہے ہیں؟'' رابیل نے بات بدل دی تھی۔

''دو تین کتابوں پر کام کر رہا ہوں۔'' وہ اسے اپنی کتابوں کی تفصیلات بتانے لگے وہ بڑے غور سے سنتی رہی۔

''آپ نے میری کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟'' انہوں نے بات کرتے کرتے اچانک پوچھا تھا۔

''بہت سی Peace Research in South Asia

Geo-political Factors in Pakistan India Relation وہ کتابوں کے نام گنوانے لگی۔

''میں نے آپ کو بتایا ناں میں بہت عرصے سے آپ کو پڑھ رہی ہوں۔''

جنرل (ر) بابر کریم کو اس سے گفتگو کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ اس سے باتیں کرتے رہے مگر ہر بار اس کے چہرے پر نظر ڈالتے ہی انہیں کچھ الجھن ہوتی تھی یوں جیسے انہوں نے اسے پہلے بھی دیکھا ہو مگر کہاں؟ وہ باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ سوچنے میں مصروف تھے۔

''سر! آپ نے کبھی آٹو بائیو گرافی لکھنے کے بارے میں نہیں سوچا؟'' کافی پیتے ہوئے اس نے ان سے پوچھا تھا۔

''ہاں' آج کل میں اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ بلکہ میں اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں بھی لکھنا چاہتا ہوں۔ شاید آپ کو پتا ہو میرے والد کرنل تھے' میں جنرل کے اس رینک تک پہنچا۔ اب میرا چھوٹا بیٹا حسن دانیال بھی اس رینک تک پہنچے گا۔ فی الحال بریگیڈئر کے طور پر کام کر رہا ہے۔ بڑا بیٹا بھی اس رینک تک ضرور پہنچتا مگر 71ء کی وار کے بعد اسے جنگی قیدی بنا لیا گیا بعد میں اس کو کچھ فزیکل فٹنس کی پرابلمز ہونے لگیں'

اس وجہ سے اس نے آرمی سے جلدی ریٹائرمنٹ لے لی' مگر حسن کی صورت میں میری فیملی کی تیسری نسل بھی جنرل کی نسل ہوگی۔ان کے لہجے میں بے پناہ فخر اور غرور تھا۔

"That`s great" رابیل کی آواز میں ستائش تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں کچھ تفصیلی کام کروں تاکہ لوگوں کو ان کے بارے میں زیادہ پتا چل سکے۔'' وہ رابیل کو اپنی فیملی کے بارے میں بتانے لگے تھے۔ان کے آباؤ اجداد کا تعلق کہاں سے تھا۔ان کا اسٹیٹس کیا تھا۔ان کے کارنامے کیا تھے ان کی فیملی کے لوگ کون کون سے بڑے اور اونچے عہدے پر کام کر چکے ہیں۔''

رابیل ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔بڑی خاموشی بڑے سکون کے ساتھ۔بہت دیر بعد جب وہ خاموش ہوئے تو رابیل نے ان سے جانے کی اجازت مانگی۔

''مجھے آپ سے ایک اور بات بھی کرنی ہے مگر آج نہیں جب دوبارہ آؤں گی تب کروں گی۔'' اس نے جانے سے پہلے کہا تھا۔

''کیا میں توقع رکھوں کہ آئندہ بھی آپ سے مل سکوں گی؟''

''آف کورس۔'' انہوں نے اسے کھلے دل سے اجازت دی تھی۔

''تھینک یو سر۔''

''تم ایک بہت اچھی سامع ہو۔'' وہ دروازے سے باہر نکلنے والی تھی جب انہوں نے کہا تھا۔وہ مسکرائی۔

''میں ایک بہت اچھی مقرر بھی ہوں لیکن آپ کی طرح سوچ سمجھ کر اور صحیح وقت پر بولتی ہوں۔گڈ بائے سر۔''

وہ دروازے سے نکل گئی۔جنرل بابر کریم کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔وہ کچھ دیر اس کے جملے پر غور کرتے رہے پھر کندھے اچکا کر اندر کی طرف چلے گئے۔

❁

''ایکسکیوزمی سر! کیا میں آپ سے اکیلے میں چند منٹوں کیلئے بات کر سکتی ہوں؟'' بریگیڈئر حسن دانیال اس وقت ٹرالی میں سے مکب نکال رہے تھے جب اس لڑکی نے مداخلت کی تھی' انہوں نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

''آپ کون ہیں اور کیا بات کرنا چاہتی ہیں۔'' انہوں نے کپ دوبارہ ٹرالی میں رکھ دیا تھا اس لڑکی نے اپنا تعارف کروایا۔

''میں آپ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ایک ضروری معاملے پر۔'' اس نے ان کے ساتھ کھڑے بریگیڈئر مسعود کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''آل رائٹ مسعود! میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' وہ اس کے ساتھ گالف کورس پر چلتے ہوئے کچھ دور درختوں کے نیچے بینچ پر آ گئے تھے۔''بیٹھیں۔'' انہوں نے رابیل سے کہا تھا' وہ بینچ کے ایک کونے میں بیٹھ گئی۔وہ خود دوسرے کونے پر بیٹھ گئے تھے۔

''یس کیپٹن رابیل؟'' اس نے ان کے چہرے پر نظریں جما دی تھیں۔

''آپ کسی نرس سنبل جعفر کو جانتے ہیں؟'' اس نے اپنے سوال پر ان کے چہرے کو بالکل سپاٹ ہوتے دیکھا تھا۔ ان کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ ''جس سے آپ نے چوبیس سال پہلے شادی کی تھی اور جس سے آپ کی دو بیٹیاں بھی تھیں؟''

ان کے چہرے کا رنگ اب بدل گیا تھا۔

''تم کون ہو اور کس کے بارے میں بات کر رہی ہو اس نے ان کی غراہٹ سنی تھی وہ بینچ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ بھی کھڑی ہو گئی ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

میں آپ کی دونوں بیٹیوں میں سے ایک ہوں۔

''جہنم میں جاؤ تم۔''

''میری صرف ایک بیٹی ہے اور اس کا نام شرمین ہے اور میں کسی سنبل کو جانتا ہوں نہ میں نے کسی سے شادی کی ہے۔ تم شاید جانتی نہیں کہ میں کس فیملی سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں کسی تھرڈ کلاس نرس سے شادی کیسے کر سکتا ہوں؟''

رابیل کو لگا تھا جیسے انہوں نے اس پر اور اس کی ماں کے منہ پر تھوک دیا ہو۔

''تھرڈ کلاس نرس۔'' وہ بڑبڑائی تھی۔

''اس نے کہا تھا۔ وہ سب ایک غلطی تھی۔ مگر مرد ایسی غلطیاں کرتا ہی رہتا ہے۔ وہ اب سب کچھ بھول جانا چاہتا ہے۔''

''اس نے کہا تھا تم لوگوں کے ساتھ رہ کر میں معذور ہو جاؤں گا۔ آگے نہیں بڑھ سکوں گا اور مجھے ابھی بہت آگے جانا ہے۔''

ایک ماہ پہلے اس نے اپنی ماں کو کسی مجرم کی طرح سر جھکائے چہرہ چھپائے شکستہ آواز میں یہ سب کہتے سنا تھا۔ تب اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''کوئی باپ اپنی اولاد کو اس طرح کیسے چھوڑ سکتا ہے کہ اسے اپنا نام بھی نہ دے۔ کوئی شوہر اپنی بیوی کو کسی وجہ کے بغیر طلاق کیسے دے سکتا ہے۔ یہ سب کیسے کہہ سکتا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ مجھے اعتبار نہیں ہے۔''

اس رات اس نے سوچا تھا اور اب اسے پہلی بار اپنی ماں کے لفظوں میں چھبی ہوئی کرچیاں محسوس ہو رہی تھیں۔

''جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو میں یہ نہیں جانتا' تم یہ بکواس کیوں کر رہی ہو مگر میں Co-Cmh سے بات کروں گا۔ تمہیں اس طرح نہیں چھوڑوں گا''

وہ انگلی اٹھا کر بہت تیز اور بلند آواز میں اسے دھمکا رہے تھے۔

''تھینک یو ویری مچ۔ آپ نے میری بہت سی غلط فہمیاں دور کر دیں۔ اب آپ میری بات سنیں۔ اگلے ہفتے میری ماں کورٹ میں کیس کرے گی بریگیڈیر حسن دانیال کے خلاف۔ ان کے فراڈ کے خلاف۔ اپنی اولاد کو چوبیس سال تک اپنا نام نہ دینے اور ان کے اخراجات پورے نہ کرنے کیلئے اور ایسی ہی ایک شکایت چیف آف آرمی سٹاف کو بھجوائی جائے گی اور اس کے بعد یہ پورا کیس میں اخبارات کو دے دوں گی ایک ایک تفصیل کے ساتھ۔''

''یو بلڈی بچ۔'' انہوں نے اسے گالی دی تھی۔ اس کا چہرہ ایک لمحے کیلئے سرخ ہو گیا تھا پھر وہ مسکرائی تھی۔

''ہاں میں کتیا ہوں اور کتیا کی طرح آپ کو کاٹوں گی۔ میں دیکھوں گی بریگیڈئر حسن دانیال اس کے بعد تم لوگوں کے سامنے کیسے آتے ہو۔''

''میں تمہارے کیس کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔ تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ تمہاری ماں کے پاس نکاح نامہ ہے؟ طلاق نامہ ہے نہیں؟ کوئی دوسرا ثبوت ہے نہیں' تمہاری ماں کبھی یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ میں نے اس سے شادی کی تھی یا تم میری اولاد ہو تم میرے خلاف ایک معمولی سا ثبوت بھی نہیں لا سکتیں۔ ہاں میں تمہارا کیریئر ختم کر دوں گا۔ تمہارے ساتھ بالکل ویسا ہی ہو گا جیسا تمہاری ماں کے ساتھ ہوا تھا۔ اسے صرف ڈی موٹ کیا گیا تھا۔ تمہیں جاب سے فارغ کر دیا جائے گا۔ تم ابھی میری طاقت سے واقف نہیں ہو' جاؤ اور جا کر اپنی ماں سے پوچھو' تمہارے لئے یہی بہتر ہو گا اگر تم یہاں سے چلی جاؤ اور دوبارہ یہ بات کبھی اپنی زبان پر نہ لاؤ۔ تب ہو سکتا ہے۔ میں تم پر ترس کھاؤں اور تمہیں معاف کر دوں حالانکہ تم اور تمہاری ماں اس قابل نہیں ہیں۔''

''ماما! آپ نے صحیح کہا تھا کہ آپ نے ایک غلط آدمی کے ساتھ شادی کی تھی مگر آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ آدمی سانپ ہے اور آپ نے مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ سانپ کیسے مارتے ہیں مگر مجھے سانپ کے زہر کا تریاق آتا ہے کیونکہ میری رگوں میں بھی اسی سانپ کا خون ہے۔'' وہ ہونٹ بھینچے کھڑی تھی۔

''میری ماما کہتی ہیں۔ میں جگسا پزل حل کرنے میں بہت ماہر ہوں اور میرا خیال ہے۔ یہ سچ ہے جو جگسا پزل میری ماما چوبیس سال سے حل نہیں کر سکیں۔ اسے میں نے ایک ماہ میں حل کر لیا ہے میرے پاس نکاح نامہ نہیں ہے مگر اس نکاح خواں کا حلفیہ بیان ہے کہ اس نے چوبیس سال پہلے آپ دونوں کا نکاح پڑھایا تھا اور اس کے بعد کس طرح اس سے اس نکاح کا ریکارڈ حاصل کیا گیا اور اسے اپنی رہائش کا شہر بدلنے پر مجبور کر دیا گیا۔ چونکیے مت' میں اس نکاح خواں سے مل چکی ہوں۔ میرے پاس ان چاروں گواہوں کے حلفیہ بیانات بھی ہیں کہ یہ شادی ان کے سامنے ہوئی تھی۔ تم انہیں بھی نہیں چھپا سکے۔ شادی کی تصاویر تم نے غائب کر دی تھیں۔ مگر کچھ تصاویر ماموں کے پاس تھیں۔ لیفٹیننٹ کرنل عمر جعفر کے پاس اور وہ اب میرے پاس ہیں۔ ملتان میں شادی کے بعد جس ہوٹل میں تم دو دن ٹھہرے تھے۔ میرے پاس ان دونوں کا ریکارڈ بھی ہے۔ وہاں تم نے اپنا شناختی کارڈ نمبر اور سائن کئے ہوئے ہیں۔ مسٹر اور مسز حسن دانیال کے ناموں کے نیچے۔''

اس کے لہجے میں بے حد ٹھنڈک تھی اور یہ ٹھنڈک بریگیڈئر حسن دانیال کے اعصاب کو سن کرنے لگی تھی۔

''کیا اتنے ثبوت کافی نہیں ہیں؟ نہیں اتنے ثبوت کافی نہیں ہیں کچھ اور بھی ہونا چاہیے تمہارے خلاف۔ میرے پاس اسی ہوٹل کا ایک ہفتے کا ریکارڈ بھی ہے جہاں کشمیر میں شادی کے بعد تم ٹھہرے تھے۔ وہاں بھی مسٹر اینڈ مسز حسن دانیال کے دستخط اور آئی ڈی کارڈ نمبر موجود ہیں۔ چوبیس سال پہلے تم نے کس ڈیٹس پر چھٹیاں لی تھیں۔ میرے پاس تمہارا وہ ریکارڈ بھی موجود ہے اور ایک آخری چیز میں نے تمہارا میڈیکل ریکارڈ نکلوایا ہے۔ تمہارا بلڈ گروپ B+ ہے میرا اور جویریہ کا بھی یہی ہے۔ کیا اولاد ثابت ہونے کیلئے یہ کافی نہیں ہے اور اگر یہ کافی نہیں ہے تو پھر Paternity test کے بعد یہ بات ثابت ہو جائے گی۔ پھر تم کیا کرو گے بریگیڈئر حسن دانیال! کس کس چیز کو غلط ثابت کرو گے۔ دس چیزوں کو جھوٹا

ثابت کرو گے۔ میں دس اور لے آؤں گی۔

''آل رائٹ تم نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے۔ ہمیں کوئی ڈیل کر لینی چاہیے۔ میں تمہاری ساری شرائط ماننے کو تیار ہوں۔ تمہیں روپیہ چاہیے میں وہ دینے کو تیار ہوں۔ تمہیں نام چاہیے۔ میں وہ بھی دینے کو تیار ہوں۔ میں مان لوں گا کہ تم لوگ میری بیٹیاں ہو اور سنبل سے میں نے شادی کی تھی۔ تمہیں جائیداد میں سے حصہ چاہیے۔ میں وہ بھی دوں گا۔ میرا خاندان بھی تم لوگوں کو قبول کر لے گا مگر تم اس سب کو سیکرٹ رہنے دو۔ عدالت میں جانے کی ضرورت ہے نہ پریس میں، میں کسی اسکینڈل کا حصہ بننا نہیں چاہتا۔ چند دنوں تک میری پروموشن ہونے والی ہے۔ میں نہیں چاہتا۔ اس میں کوئی رکاوٹ آئے۔'' اس بار بریگیڈیئر حسن دانیال کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔

''ہاں ڈیل ہونی چاہیے لیکن میری شرائط پر۔ تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم کورٹ میں ہمارا مقابلہ کرو، ہمیں غلط ثابت کرو۔ ہمارے ساتھ کوئی ڈیل نہ کرو اور دوسرا۔''

وہ بات کرتے کرتے رکی تھی۔

''دوسرا؟'' وہ بے چین تھے۔

''وہ دوسرا راستہ زیادہ قابل عزت ہے۔ تم قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لو۔''

بریگیڈیئر حسن دانیال کے دل پر جیسے کسی نے گھونسہ مارا تھا۔

''رابیل! تم۔''

اس نے بریگیڈیئر حسن دانیال کی بات کاٹ دی۔ ایک ہاتھ اٹھا کر بڑے دھیمے ٹھنڈے اور پرسکون انداز میں اس نے کہا تھا۔

''مجھے بات پوری کرنے دو۔ تم اگر قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لو گے تو میں یا کوئی اور دوبارہ یہ معاملہ لے کر تمہارے سامنے نہیں آئیں گے۔ یہ قصہ ہمیشہ کیلئے دفن ہو جائے گا۔ تم اپنی فیملی کے ساتھ ایک پرسکون زندگی گزار سکو گے۔ تمہارے خاندان کی نیک نامی پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ دوسری صورت میں تم جانتے ہو کیا ہوگا۔''

''رابیل! اس طرح مت کہو۔ میں تمہیں سب کچھ دینے کو تیار ہوں مگر میرا کیریئر تباہ۔''

اس نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی تھی۔

''جو چیزیں تم دینا چاہتے ہو۔ اب مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ باپ کے طور پر ایک نام پہلے ہی میرے پاس ہے، چند سال بعد شادی ہوگی تو شوہر کا نام میرے ساتھ لگ جائے گا۔ تمہارے نام کی تو ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ جو پیسہ دینا چاہتے ہو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میری ماں نے میری پرورش حلال کے پیسے سے کی ہے۔ تمہارا حرام ذرائع سے اکٹھا کیا ہوا پیسہ مجھے سوٹ نہیں کرے گا۔''

''رابیل! مجھے سوچنے کیلئے وقت دو۔''

''ہاں وہ میں ضرور دوں گی۔ میں دس منٹ دیتی ہوں۔ اس میں فیصلہ کرو۔'' بریگیڈیئر حسن دانیال چیخ پڑے تھے۔

''دس منٹ۔''

''تم میرے ساتھ کیسے کر سکتی ہو۔ تم بیٹی ہو میری۔'' اس نے کلائی پر باندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی تھی۔

''دس منٹ اب شروع ہوتے ہیں۔'' اس کا اطمینان دل ہلا دینے والا تھا۔

''میں مانتا ہوں رابیل مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں نے تم لوگوں پر زیادتی کی۔ مگر تم نہیں جانتیں میں مجبور تھا۔ میں بہت مجبور تھا۔''

وہ اس سے کہہ رہے تھے۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ ''جذبات سے کام نہ لیں۔ ٹائم کم ہے ماضی کے بارے میں مت سوچیں۔ ماضی کی غلطیوں کو بھول جانا چاہیے۔ مرد ایسی بہت سی غلطیاں کرتا رہتا ہے۔ آج کے بارے میں سوچیں۔ اپنی چوائس کے بارے میں سوچیں۔ آپ کے پاس آٹھ منٹ رہ گئے ہیں۔''

''رابیل! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو' مجھ پر بہت پریشر تھا۔ میں آج بھی سنبل سے محبت کرتا ہوں۔ میں آج بھی تم دونوں کو چاہتا ہوں' میں تم لوگوں کو کبھی بھول نہیں پایا۔'' ان کی جان پر بنی ہوئی تھی۔

''جن لوگوں کا ساتھ آپ کو معذور کر دے ان کے بارے میں مت سوچیں۔ اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں سوچیں چوائس کریں۔'' اس کے لہجے کی ٹھنڈک اب حسن دانیال کیلئے نشتر بن گئی تھی۔

''میرا کیریئر میرے لئے سب کچھ ہے۔ یہ ختم ہو گا' تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ میرے لئے دنیا میں باقی کچھ نہیں رہے گا۔ تم میری اولاد ہو۔ میرا خون ہو۔ تم اپنے باپ کو تباہ کیسے کر سکتی ہو؟'' وہ اب گڑگڑا رہے تھے۔

''دو منٹ باقی رہ گئے ہیں۔ دو منٹ کے بعد اگر آپ نے اپنی چوائس نہ بتائی تو میں سمجھوں گی۔ آپ نے پہلے راستے کو منتخب کیا ہے۔'' وہ کسی برفانی گلیشئر کی طرح ان کے سامنے کھڑی تھی۔

بریگیڈئر حسن دانیال اسے مار ڈالنا چاہتے تھے ماضی کا یہ فتنہ۔

''میں ریٹائرمنٹ لے لوں گا۔'' اس نے دسویں منٹ میں انہیں کہتے سنا تھا۔

''آپ بہت عقل مند ہیں۔ آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔'' اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب مسکراہٹ تھی۔ وہ بے جان سے ہو کر بینچ پر بیٹھ گئے۔ سر اٹھا کر انہوں نے اسے دور گالف کورس کو پار کرتے دیکھا تھا۔

❁

''تم جو کچھ کر رہی ہو غلط کر رہی ہو' میں نے تم لوگوں کو یہ سب نہیں سکھایا۔'' سنبل اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''آپ ایک ایسے شخص کی حمایت کر رہی ہیں جس نے چوبیس سال پہلے آپ کو آپ کی بچیوں سمیت اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔''

''رابی! میں اب ماضی یاد کرنا نہیں چاہتی۔ میں ماضی یاد کر کر کے تھک چکی ہوں۔ میں نے تم لوگوں کیلئے بہت محنت کی ہے۔ میں اب تم لوگوں کے ساتھ سکون کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی تم لوگوں کو کوئی نقصان پہنچے۔ تم ان کی طاقت سے واقف نہیں ہو۔ میں واقف ہوں۔''

''آپ کیوں خوفزدہ ہیں اس شخص سے وہ اگر میرے یا جویریہ کے خلاف کچھ کر سکتا تو کر چکا ہوتا۔ وہ آپ کو فون کر کے اس طرح مجھے روکنے کیلئے نہ بھجواتا۔''

سنبل نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''رابی! ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہمیں اب ان جھگڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ ہمیں جائیداد میں حصہ دینے کو تیار ہیں۔ ہم سے معافی مانگنے کو تیار ہیں ہمیں اپنے خاندان کا حصہ بنانے پر تیار ہیں۔ کیا یہ سب کافی نہیں؟'' اس بار جویریہ نے اس سے کہا تھا۔

''نہیں یہ کافی نہیں ہے۔ جو چیزیں تم چاہتی ہو جویریہ وہ میں نہیں چاہتی۔ تمہیں ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ تم ان کے پاس جاؤ اور صلح کر لو۔ مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچنا چاہتی ہوں اور میں یہی کروں گی۔'' وہ ابھی بھی اپنی ضد پر قائم تھی۔

''اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟'' سنبل نے بے بسی سے کہا تھا۔

''ہر کام فائدہ یا نقصان کیلئے نہیں کیا جاتا۔''

''میں نے تمہیں انتقام لینا کبھی نہیں سکھایا۔ یہ انتہا پسندی تم نے کہاں سے سیکھی ہے؟ میں نے تو تمہیں زندگی کو بہت متوازن طریقے سے برتنا سکھایا تھا۔''

''میں زندگی میں توازن برقرار رکھنے کی کوشش ہی کر رہی ہوں ماما! آپ جانتی ہیں' اس شخص نے مجھے گالی دی۔ اس نے مجھے کتیا کہا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں اس کی بیٹی ہوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے مجھ پر اور آپ پر ظلم کیا ہے پھر بھی اس شخص نے مجھے گالی دی۔ میں یہ سب کرنے کیلئے اس سے ملنے نہیں گئی تھی لیکن جب اس نے مجھے گالی دی۔ جب اس نے میرا وجود ماننے سے انکار کر دیا۔ تب میں نے یہ طے کیا تھا کہ میں بھی اس شخص سے وہ چیز چھینوں گی جو اس کیلئے سب سے اہم ہے اور پتا ہے ماما! وہ چیز کیا ہے اس کا کیریئر جنرل کا عہدہ جس کیلئے وہ پلاننگ کر رہا ہے۔ اس شخص کا باپ اپنے خاندان کی تاریخ پر کتاب لکھ رہا ہے ایسا خاندان جس کی تین نسلوں میں جنرل ہوں گے' مگر ماما! ایسا کبھی نہیں ہوگا' اس شخص کی تیسری نسل میں جنرل نہیں ہوگا۔ حسن دانیال کبھی جنرل نہیں بنے گا اور وہ جنرل نہیں بنے گا تو یہ شخص ختم ہو جائے گا اور میں یہی چاہتی ہوں۔''

سنبل نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''وہ جنرل نہیں بنے گا۔ اس کا بیٹا بن جائے گا۔ تم کس کس کو روکو گی؟''

''بن جائے۔ اس کا بیٹا بے شک جنرل بن جائے مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ غلطی حسن دانیال نے کی تھی۔ سزا اس کو ملنی چاہیے۔ میں اس کے بیٹے کے لئے کوئی کنواں نہیں کھودوں گی۔ مجھے صرف حسن دانیال سے غرض ہے۔ تیسری نسل میں جنرل نہیں ہونا چاہیے۔'' اس نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا تھا۔

''میں کسی کو اس کی غلطی کی سزا نہیں دینا چاہتی۔ اگر اس نے غلطی کی تھی تو ایک غلطی میں نے بھی کی تھی۔ اپنے گھر والوں کی مرضی کے خلاف اس سے شادی کر کے۔''

''آپ نے چوبیس سال اس غلطی کی سزا کاٹی ہے آپ نے اپنی زندگی کے چوبیس سال گنوا دیئے۔اس شخص نے کیا گنوایا۔آپ چوبیس سال اپنے خاندان کے بغیر رہیں۔آپ نے شادی نہیں کی۔اس شخص کی اولاد کو پالتی رہیں اور اس اولاد سے یہ تک نہیں کہہ سکیں کہ وہ آپ کی اپنی اولاد ہے۔اس شخص کو کیا نقصان ہوا۔ایک خوبصورت بیوی' تین بچے' بڑا عہدہ' نام' شہرت' روپیہ اس نے چوبیس سال میں کیا نہیں پایا۔آپ کو وعدے کے باوجود انکوائری میں کلیئر نہیں کیا گیا۔ڈی موٹ کر دیا گیا اور دوبارہ کبھی پروموشن نہیں دی گئی۔اس شخص نے یا اس کے باپ نے ترس کھایا؟ نہیں ماما! کچھ چیزوں کے بارے میں حساب کتاب صاف رکھنا چاہیے۔ایسا نہ کیا جائے تو ہم دوسروں کے راستے میں پتھر رکھ دیتے ہیں ٹھوکر کھانے کے لئے۔میں اس پتھر کو رستے سے ہٹا دینا چاہتی ہوں اور میں ماما! میں خوفزدہ نہیں ہوں۔''

اس نے ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا۔سنبل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔اس کی آنکھیں حسن کی آنکھیں تھیں اور اس کی آنکھوں میں اس وقت وہی سفاک چمک تھی جو آخری ملاقات میں حسن کی آنکھوں میں تھی' تب چوبیس سال پہلے اس چمک نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اس پر ترس نہیں کھائے گا آج چوبیس سال بعد وہی چمک ایک بار پھر کہہ رہی تھی کہ وہ اس پر ترس نہیں کھائے گی۔تب چوبیس سال پہلے اس نے اپنے پیروں میں بھنور کو لپٹتے دیکھا تھا۔آج چوبیس سال بعد وہ بھنور حسن کے تعاقب میں تھا۔چوبیس سال پہلے اسے کسی نے نہیں بچانا چاہا تھا۔آج وہ حسن کو بچانا چاہتی تھی اور یہ ممکن نہیں تھا۔

اس کے کانوں میں حسن کی آواز آ رہی تھی جب دو دن پہلے وہ فون پر گڑگڑاتے ہوئے اس سے معافی مانگ رہا تھا۔اس سے منت کر رہا تھا کہ وہ رابیل کو سمجھائے۔

اسے بتا رہا تھا کہ وہ کتنا مجبور ہو گیا تھا۔اسے بتا رہا تھا کہ اسے اس سے کتنی محبت تھی۔

اسے قسم دے رہا تھا کہ وہ رابیل سے بات کرے اسے سمجھائے۔

وہ چپ چاپ اس کی باتیں سنتی رہی تھی۔اس نے کبھی اسے اس لہجے' اس انداز سے بولتے نہیں سنا تھا۔حسن دانیال تو خدا کی طرح بات کرتا تھا اور پھر اسے اس پر بے تحاشا ترس آیا تھا۔

''میں اس سے بات کروں گی۔'' اس نے فون رکھ دیا تھا اور اب وہ رابیل کو دیکھ رہی تھی اور اسے یاد آ رہا تھا کہ وہ ہمیشہ اسے حسن دانیال کی یاد دلاتی رہی تھی۔اس کی آنکھیں' اس کی مسکراہٹ' اس کے انداز سب کچھ حسن کا تھا اور اسے ہر بار خوف آتا تھا کہ کہیں وہ حسن جیسی نہ ہو' اس کا خوف سچ ثابت ہوا تھا۔وہ خوبصورت تھی' دلکش تھی۔لوگوں کو مسحور کر لیا کرتی تھی۔بالکل حسن کی طرح اور وہ بے رحم بھی تھی جیسے حسن۔اس کے نام کے ساتھ حسن کا نام نہ سہی مگر اس کی رگوں میں اسی کا خون تھا اور اسے اپنے باپ سے بہت کچھ وراثت میں ملنا تھا۔جو اسے ملا تھا' فرق صرف یہ تھا کہ اس بار سنبل کے بجائے حسن کو بھگتنا تھا۔

''اور کاش میں رابیل کو روک سکتی' کاش میں اسے بتا سکتی کہ وہ میرے لئے کیا ہے۔اس سب کے بعد بھی جو اس نے کیا۔ان چوبیس سالوں کے بعد بھی مجھے اس شخص سے محبت ہے اور جس سے محبت کرتے ہیں۔اس کی راہ میں کانٹے نہیں بچھاتے مگر رابیل' وہ یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتی۔

اس نے تھکے تھکے انداز میں صوفہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

اسے یاد آ رہا تھا۔ چھ ماہ کے بعد حسن دانیال نے ریٹائرمنٹ لے لی تھی اور اس ریٹائرمنٹ کے تین دن بعد اس نے عنبرین حسن سے ملاقات کر کے انہیں تمام ثبوتوں کے ساتھ اپنی کہانی سنا دی تھی۔

حسن دانیال نے اس رات فون کر کے ایک بار پھر اسے گالیاں دی تھیں ان کا خیال تھا کہ اس نے فراڈ کیا ہے اپنے وعدے کو پورا نہیں کیا اور یہ بات سنبل سے بھی چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

''تم نے یہ کیوں کیا رابیل؟ جب تم وعدہ کر چکی تھیں کہ تم سب کچھ چھپا لوگی اور اس نے تمہاری بات مان لی تھی تو پھر ایسا کیوں؟''

''ماما! میں وعدے پورے نہیں کر سکتی۔ بالکل حسن دانیال کی اور ان کے باپ کی طرح انہوں نے بھی تو انکوائری کو ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر ایسا نہیں کیا۔ میں بھی چاہتی تھی کہ یہ شخص کہیں اور نہیں تو اپنے گھر میں تو دھتکارا جائے۔ اپنی بیوی اور بچوں کے ہاتھوں۔''

''تم رابیل! تم۔'' سنبل اسے مایوسی کے عالم میں دیکھتی رہی تھی اس نے سر جھکا لیا تھا۔

اور آج آٹھ سال کے بعد اس نے پھر سے اسی چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ آٹھ سال پہلے کے حسن دانیال کا صرف سایہ ہی لگ رہا تھا۔ چہرے پر پھیلی ہوئی جھریاں، لاغر وجود، جھکے ہوئے کندھے، زرد رنگت، اس نے ایک نظر میں جیسے اسے اندر تک جانچ لیا تھا۔ اسے آٹھ سال پہلے گالف کورس میں کھڑے بریگیڈیر حسن دانیال کا غرور و طنطنہ یاد آیا تھا۔

''تمہیں نیند آ رہی ہے؟'' اس نے میجر عثمان کی آواز سنی تھی آنکھیں کھول کر اس نے اپنے گرد و پیش کو سمجھنے کی کوشش کی۔

''نہیں۔ بس کچھ تھک گئی ہوں۔''

اس نے اسامہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ ''ایک ہفتہ کے بعد میں ایکسرسائز پر چلا جاؤں گا۔ تم چند دن کی چھٹی لے کر ماما کے پاس چلی جانا۔ کچھ ریلیکس ہو جاؤ گی وہاں۔'' عثمان نے اس سے کہا تھا۔

''ماما۔ ہاں ماما کے پاس چلی جاؤں گی۔'' اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''میں بھی نانو کے پاس جاؤں گا اور پھر میں ان سے کہوں گا کہ مجھے کھلونے لے کر دیں اور اگر نہ دیئے تو۔''

اسامہ کی بیٹری ایک بار پھر چارج ہو گئی۔ رابیل نے مسکراتے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایسا کبھی نہیں ہوتا

''دنیا بھر کی سستی، کام چوری اور کاہلی میری لڑکی پر ختم ہے۔''

امی کی ایوننگ ٹرانسمیشن کا آغاز خلاف توقع آج جلدی ہو گیا تھا۔ اس نے ڈھٹائی کی اعلیٰ روایات قائم کرتے ہوئے انہیں نظرانداز کر کے لیٹے رہنے کی کوشش کی مگر آج امی فارم میں تھیں اور مسلسل اس کی مدح سرائی فرما رہی تھیں اسے اٹھنا ہی پڑا مگر یہ اٹھنا عام اٹھنا نہیں تھا۔ اپنے کمرے کے دروازے کو اچھی طرح پٹخ کر وہ باہر آئی تھی۔

''چار گھنٹے پہلے تو آپ کا فرمان تھا کہ دنیا بھر کی سستی، کام چوری اور کاہلی مجھ سے شروع ہوتی ہے اور چار گھنٹے کے اندر اندر یہ مجھ پر ختم ہونا شروع ہو گئیں، بندے کو اپنی زبان پر تو قائم رہنا چاہیے۔''

اس نے صحن میں آتے ہی بیان داغا تھا اور پھر برآمدے کے واش بیسن کے سامنے کھڑے ہو کر چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی، امی صحن میں تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔

''زبان دیکھی ہے قینچی کی طرح چلتی ہے۔''

انہوں نے اس کی بات پر آگ بگولہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں میں نے تو زبان کو قینچی کی طرح چلتے ہوئے نہیں دیکھا آپ ایسا کریں کہ یہ سین ریکارڈ کروا کے نیلام گھر میں بھجوا دیں، کیونکہ آپ اکثر میری زبان کو قینچی کی طرح چلتے ہوئے دیکھتی ہیں۔''

اس نے آج بدتمیزی کے سارے ریکارڈ توڑنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔

''ایسی اولاد سے تو بے اولاد ہونا اچھا۔''

امی نے جیسے دہائی دی تھی۔

''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔''

تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھے بغیر اس نے تبصرہ کیا تھا۔ امی نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے حسب معمول لوگوں کی لڑکیوں کے قصیدے پڑھنا شروع کیے۔

''لوگوں کی لڑکیوں کو دیکھو کیا فرمانبردار اور تابعدار ہوتی ہیں ماں کو پیر زمین سے اتارنے نہیں دیتیں کہ آخر ہم کس لیے ہیں۔ کبھی مجال

ہے...... جو ماں کے جھڑ کنے پراف بھی کر جائیں مائیں سو جوتے بھی ماریں تو ہنس کر کھاتی ہیں۔ ہر کام میں ہر فن مولا ہوتی ہیں ہر ایک کا ادب لحاظ کرتی ہیں۔ مجال ہے جو کبھی کسی کو تکلیف پہنچائیں یا کسی سے اونچی آواز میں بات بھی کر جائیں۔

گھر کو آئینے کی طرح چمکا کر رکھا ہوتا ہے کہ دیکھنے والا عش عش کر اٹھتا ہے اور مجال ہے کبھی وقت بے وقت سوئیں صبح فجر کی اذان کے ساتھ بیدار ہوتی ہیں اور عشاء کی نماز پڑھتے ہی سو جاتی ہیں۔"

امی کے کسی نادیدہ تصوراتی مخلوق کے بارے میں قصیدوں نے اس پر الٹا اثر کیا تھا۔

"آپ ایسا کریں امی کہ لوگوں کی لڑکیاں لے آئیں تاکہ میری تو جان چھوٹے اس روز روز کی تکرار سے۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے مشورہ دیا تھا۔

امی اپنے قصیدے کو بے اثر جاتا دیکھ کر پھر بھڑک اٹھی تھیں۔

"لوگوں کی لڑکیوں نے ہی آنا ہے یہاں میری بہوئیں بن کر اللہ کا شکر ہے کہ تم سدا نہیں رہو گی یہاں انہوں نے ہی راج کرنا ہے یہاں۔"

"تو بس پھر جھگڑا کس بات کا ہے۔ مجھ سے تو آپ کی جان چھوٹ ہی جانی ہے۔ آپ تو بس یہ دعا کیا کریں کہ کہیں لوگوں کی لڑکیاں بھی میری جیسی نہ نکلیں ورنہ پھر آپ انہیں کن لوگوں کی لڑکیوں کے قصیدے سنائیں گی؟

ویسے لوگوں کی لڑکیاں کوئی اتنی فرمانبردار اور تابعدار بھی نہیں ہوتیں جتنی آپ بتا رہی ہیں اور اگر ماں کے سکھانے کے بغیر ہی ان میں کچھ ہنر اور گن ہوتے ہیں تو اس کی وجہ کوئی آسمانی یا پیدائشی خوبی نہیں ہوتی بلکہ یہ جو گلی گلی سڑک سڑک ہر قسم کے کورسز کے ادارے ہوتے ہیں یہ سب ان کا کمال ہوتا ہے اور اگر وہ ماں کو ہلنے بھی نہیں دیتیں تو یہ کوئی احسان نہیں ظلم کرتی ہیں ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اچھی صحت کے لئے چلنا پھرنا انتہائی ضروری ہے ورنہ بلڈ پریشر شوگر اور دل کی بیماریاں ہو سکتی ہیں اور بات کرنی آتی ہو گی تو کسی سے اونچی آواز میں بات کریں گی نا جب منہ کھولنا بھی نہیں آتا تو کسی کو اپنی بات کیسے سمجھائیں گی؟"

اس نے تو جواب میں تقریر کر دی تھی۔ امی نے خون کا گھونٹ پی کر آلو کاٹنے پر اکتفا کیا اسے کچھ اور کہہ کر وہ مزید کوئی تقریر سننا نہیں چاہ رہی تھیں۔

وہ تولیے سے منہ پونچھ کر دوبارہ صحن میں آ گئی تھی۔

صحن میں کھڑے ہو کر چھت کی طرف منہ کر کے اس نے زور سے آواز لگائی تھی۔

"عاصم...... عاصم۔"

تیسری منزل سے اس کے بھائی کی گردن نمودار ہوئی تھی۔

"ہاں باجی کیا بات ہے؟"

"اوئے بات کے بچے نیچے آ دو منٹ میں نیچے آ۔"

''اچھا ابھی آتا ہوں۔'' عاصم یہ کہہ کر منڈیر سے ہٹ گیا تھا۔ایک منٹ صحن میں ٹہل کر انتظار کرنے کے بعد وہ دوبارہ چلائی تھی۔

''عاصم او عاصم۔'' اس دفعہ پھر بھائی منڈیر پر آیا تھا اس سے پیشتر کہ وہ کچھ کہتا وہ دھاڑی تھی۔

''تم نیچے تشریف لاتے ہو یا میں اوپر آؤں؟''

''نہیں میں ہی تشریف لے آتا ہوں۔'' وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے ہی بہت کچھ سمجھ گیا تھا اور اگلے دو منٹ میں ہانپتا کانپتا سیڑھیاں طے کرتا وہ نیچے اس کے سامنے تھا۔

''جی باجی کیا کام ہے؟''

''یہ پانی پلاؤ مجھے۔'' اس نے برآمدے میں رکھے کولر کی طرف اشارہ کیا تھا۔اس کے دس سالہ بھائی نے اسے ملامت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''مجھے اتنی دور سے پانی پلوانے کے لئے بلوایا حالانکہ کولر سامنے پڑا تھا۔خود پی لیتیں۔''

اس نے کولر کی طرف جاتے ہوئے ماں سے شکوہ کیا تھا۔

''ہاں بڑی دور تھے تم کوہ قاف میں بیٹھے تھے۔ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر آٹھ گھنٹے میں پہنچے ہو یہاں' پتنگیں اڑانے میں بڑا دل لگتا ہے تمہارا بہن کو ایک گلاس پانی نہیں پلا سکتے۔چلو لے کر آؤ اپنی کتابیں۔''

عاصم کی یہ سن کر جان پر بن گئی تھی۔۔بہت غلط بات بہت غلط موقع پر اس نے کہہ دی تھی۔

⁂

وہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔دونوں بھائی اس سے چھوٹے تھے ایک آٹھ سال کا تھا دوسرا دس سال کا مگر وہ صرف کہنے کو ہی بڑی تھی۔عقل اور عادات کے اعتبار سے وہ اتنی ہی پیدل تھی جتنے اس کے بھائی تھے۔عمر اس کی بیس سال تھی۔اور بمشکل ایف اے سے پیچھا چھڑا کر اس نے اسی سال بی اے میں ایڈمشن لیا تھا۔اکلوتے ہونے کے سارے نقائص اور خامیاں اس میں بکثرت موجود تھے۔

کام کاج سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور کام چوری میں اس نے اگلے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے تھے۔ماں ہزار بار کہتی چیختی چلاتی مگر مجال ہے جو اس پر کوئی اثر ہوتا۔ہر بات کا جواب وہ اپنی طرف سے بڑی اعلیٰ دلیلوں سے دینے کی کوشش کرتی اور دوسروں کے ساتھ ساتھ اسے خود بھی احساس تھا کہ اس کی دلیلیں بہت بونگی ہوتی ہیں مگر اس بات نے کبھی اس کی ہمت پسپا نہیں کی تھی۔

مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ کچھ کرتی ہی نہیں تھی' شوق اس نے بہت بڑے بڑے پالے ہوئے تھے پہلا ابتدائی اور انتہائی قسم کا شوق انگلش میں فیل ہونے کا تھا اور یہ شوق اسے بچپن سے ہی تھا۔پہلے وہ سال میں تین بار اس شوق کو پورا کرتی تھی پھر کالج میں آ کر جب یہ عرصہ زیادہ طویل ہو گیا (پیپرز کے دو سال بعد منعقد ہونے کی وجہ سے) تو اس نے باری باری تین بار انگلش میں فیل ہونے کی درخشاں روایت کو قائم رکھا اور ستم در ستم یہ کہ انگلش میں ان کارناموں کے باوجود اس نے بی اے میں انگلش لازمی کے ساتھ ساتھ لٹریچر بھی لے لیا کیونکہ آج کل ڈائجسٹوں کی کہانیوں کی

زیادہ تر ہیروئنوں نے یہی Subject پڑھا ہوتا ہے۔ ہاں بھئی اس کا دوسرا بڑا شوق ڈائجسٹ پڑھنا تھا۔ بہت ڈائجسٹ جمع کیے رکھتی تھی وہ' کچھ دوستوں سے ادھار لے کر کچھ زبردستی اٹھا کر اور کچھ چوری کر کے بہر حال ڈائجسٹوں کا ایک ڈھیر اس نے جمع کیا ہوا تھا اور ہر ڈائجسٹ کے اوپر اس نے بڑے پیار سے اخبار چڑھایا ہوتا تھا۔

ایک شوق اسے کھانے کا بھی تھا اور وہ ہر چیز کھا جایا کرتی تھی جو کھانے کے قابل ہوتی تھی مسئلہ صرف کھانے کا ہوتا تو پھر بھی ٹھیک تھا مگر بات اس سے بھی بڑھ چکی تھی' اس کے کھانے کی کوئی حد ہی نہیں تھی جو چیز وہ کھانے پر آتی بس کھاتی ہی چلی جاتی' چاہے وہ ٹافیاں ہوں یا بسکٹ۔

بات صرف ان چیزوں کے شوق تک رہتی تو شاید سب کچھ ٹھیک ہی رہتا مگر آج کل اسے جو شوق ہوا تھا وہ نہ صرف نیا تھا بلکہ بے حد خطرناک بھی۔

❁

''میں نے تمہیں کہہ دیا تھا جو کچھ بھی ہو بس یہ کام تو مجھے کرنا ہی ہے۔''

کالج لان میں درخت کے نیچے اپنی چاروں دوستوں کے سامنے اس نے اعلان کیا تھا۔

''ہاں ہاں ٹھیک ہے کرنا ضرور کرنا' ہم کب منع کر رہے ہیں مگر کچھ صبر اور حوصلے سے کام لو' ایسے کام جلد بازی میں خراب ہو جاتے ہیں۔'' عینی نے بڑے تحمل سے اسے سمجھایا تھا۔

''مجھے کوئی جلد بازی نہیں ہے مگر کچھ آغاز تو ہو ابھی تک معاملہ جوں کا توں ہے۔''

''اب ہم کیا کریں جو حربے ہمیں معلوم تھے وہ ہم نے تمہیں بتائے اب ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تو ہم کیا کریں۔''

اس کی دوسری دوست سارہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر جماہی روکتے ہوئے کہا۔

''لو کتنے آرام سے تم نے کہہ دیا کہ ہم کیا کریں' دوست کیا تم جیسے ہوتے ہیں کہ ضرورت پڑنے پر ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہم کیا کریں آخر تمہاری مدد کے بغیر میں اپنی خواہش پوری کیسے کر سکتی ہوں۔''

''مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں اتنی گھٹیا خواہش پالنے کی ضرورت کیا تھی آگے کم......شوق پال رکھے ہیں۔''

سارہ نے دوسری بار گھٹیا کا لفظ استعمال کرنے سے دریغ کیا جانتی تھی کہ وہ گلے پڑ جائے گی۔

''سارا زمانہ یہی خواہش پالے پھرتا ہے میں نے ایسا کون سا انہونا کام کر دیا ہے۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔

''سارا زمانہ کنویں میں چھلانگ لگائے گا تو کیا تم بھی لگا دو گی اور سارا زمانہ بہت سے اچھے کام بھی کرتا ہے' کبھی انہیں فالو کرنے کی کوشش کی تم نے' ہاں پیروی کرنے کا خیال آیا تو بس لو میرج کے سلسلے میں آیا۔''

سارہ نے اسے اچھی طرح جھاڑا تھا اس کا ردعمل توقع کے مطابق تھا وہ بھیں بھیں کر کے رونے لگی۔

'بس جی کہنا کیا ہوتا ہے یہاں تو ڈرامہ 85 شروع ہو جاتا ہے۔'' سارہ نے کافی ناگواری سے کہا تھا باقی تینوں دوستوں نے بڑی ہمدردی

سے اس کے مگر مچھ کے آنسوؤں کو دیکھا تھا پھر عینی نے کہا۔

''چلو اب رونا دھونا بند کرو' تمہیں کہا تو ہے کہ ہم تمہاری مدد کریں گے مگر کچھ سوچنے تو دو۔''

ثنا نے بڑی پھرتی سے اپنے آنسو خشک کیے تھے اور گلوگیر آواز میں کہا۔

''ہاں تو کچھ سوچونا۔''

اس کی چاروں دوستیں سوچ کے سمندر میں گم ہوگئیں اور وہ بڑے اطمینان سے کچر کچر چپس کھاتے ہوئے ان کا منہ دیکھنے لگی کافی طویل خاموشی کے بعد شازیہ نے سر اٹھایا تھا۔

''ایک خیال آیا تو ہے مجھے' تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ انہیں آئیڈیاز کو استعمال کرو جو تم افسانوں میں پڑھتی ہو' شاید انہیں میں سے کوئی تکا لگ جائے۔''

وہ اس کے مشورے پر تقریباً اچھل پڑی تھی۔

''کیا بات ہے تمہاری کیا مشورہ دیا ہے تم نے' یہ مشورہ پہلے دیتیں تو اتنا وقت تو ضائع نہ ہوتا نا۔''

''لو جب خیال آتا تب ہی دیتی نا۔'' شازیہ نے ناگواری سے کہا۔

اور گھر جاتے ہی وہ اسٹور میں گھس گئی تھی۔ دوپہر سے لے کر رات کے بارہ بجے تک وہ رسالوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر لو میرج کے اچھے آئیڈیاز کاپی پر اتارتی رہی' اگلے دن کالج میں وہ چاروں دوستیں پھر درخت کے نیچے جمع تھیں۔

''میں نے یہ آئیڈیاز نکالے ہیں تم لوگ ذرا دیکھو تو سہی انہیں اور پھر مجھے بتاؤ کہ کس ترتیب سے انہیں ٹرائی کرنا چاہئے۔''

اس نے کاپی ان کے سامنے بڑھا دی وہ چاروں بڑی دلچسپی سے کاپی پر جھک گئیں۔

''ایک تو یہ نزہت عبداللہ کے افسانے والا آئیڈیا ٹھیک ہے۔ کسی بھی خوب صورت گھر میں گھس جانے والا' ماڈل ٹاؤن کا ایک چکر لگانا پڑے گا گھر سلیکٹ کرنے کے لئے مگر یہ آئیڈیا بہت اچھا ہے۔ پہلے نمبر پر تو اسے ہی رکھ لو۔'' فرزانہ نے پین سے نمبرنگ کا آغاز کیا تھا اور پھر انہوں نے پانچ بہترین آئیڈیاز کا انتخاب کیا تھا۔

''میرے خیال میں فی الحال اتنے کافی ہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی تو کام آئے گا ہی اور اگر یہ سب بے کار رہے تو پھر مزید کے بارے میں سوچا جائے گا۔'' شازیہ نے کاپی بند کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اب تم یہ بتاؤ کہ تم نے کہیں اپنے گھر سے کالج تک کے راستے میں کوئی ایسا گھر دیکھا ہے جو بہت خوبصورت ہو؟'' فرزانہ نے اس سے پوچھا۔ اس نے سر کو تھوڑا سا کھجا کر کہا۔

''تمہیں تو پتا ہے میں وین پر کالج آتی ہوں اور وین میں بالکل آگے کونے میں بیٹھتی ہوں اور وین میں اتنا رش ہوتا ہے کہ باہر کا کوئی نظارہ

نظر ہی نہیں آتا ویسے میرا خیال ہے کہ راستے میں ایسا کوئی گھر ہے بھی نہیں جو مجھے اپنے خوابوں کا گھر لگے۔''

''تمہارے گھر کے قرب وجوار میں بھی ایسا کوئی گھر نہیں۔'' فرزانہ نے تھوڑا مایوس ہو کر کہا تھا ثنا نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''اس کا مطلب ہے ہمیں ماڈل ٹاؤن جانا ہی پڑے گا۔'' اس بار شازیہ نے کہا تھا۔

اور پھر ایک دن پانچوں دوستیں کالج کے بعد گھر جانے کی بجائے ماڈل ٹاؤن کی طرف روانہ ہو گئیں' ماڈل ٹاؤن ڈی بلاک کے سامنے ویگن کے اسٹاپ پر ویگن سے اترنے کے بعد انہوں نے پیدل اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ ہر گھر کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے وہ بلاک کا چکر لگا رہی تھیں۔

''یار مجھے تو ہر گھر ہی پسند آ رہا ہے۔ مجھ سے تو فیصلہ ہی نہیں ہو رہا کہ کون سا گھر ٹھیک رہے گا۔'' ثنا نے اپنا مسئلہ بتایا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر تم ایسا کرو کہ ہر گھر میں باری باری جاؤ جہاں کوئی الو پھنس جائے بس سمجھ لینا وہی تمہارا مستقبل کا سسرال ہے۔'' سارہ نے اپنی طرف سے انتہائی دانشمندانہ مشورہ دیا تھا مگر پوری پلٹن نے اسے ملامتی نظروں سے دیکھا۔

''یہ صرف مشورہ تھا بھئی۔'' سارہ نے ان کی نظروں سے گھبرا کر اپنی صفائی پیش کی۔

''تم ایسے مشورے اپنے پاس ہی رکھو۔'' ثنا نے ترخ کر اسے کہا۔

''ثنا یہ گھر اچھا ہے وائٹ ماربل کا ہے اس رائٹر نے بھی کچھ اسی قسم کا گھر بتایا تھا۔''

فرزانہ اچانک ایک گھر کے سامنے ٹھٹک گئی تھی۔ اس نے رائٹر کا ذکر ایسے کیا تھا جیسے اس نے خود انہیں گھر کا پتا لکھ کر دیا تھا اس تاکید کے ساتھ کہ بھئی وہاں ضرور جانا۔

''ہاں گھر تو ویسا ہی ہے۔'' ثنا نے محتاط انداز میں گھر پر نظر ڈالی تھی وہ سب اس کوٹھی کا جائزہ اس طرح لے رہی تھیں جیسے وہاں ڈاکا ڈالنا ہو۔

''تو پھر کیا خیال ہے؟'' سارہ نے پوچھا تھا۔

''تو بس ٹھیک ہے تم اور سارہ اندر چلے جاؤ ہم آگے کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔'' فرزانہ نے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے مگر زیادہ دور مت جانا۔'' سارہ نے انہیں تاکید کی۔

''نہیں بھئی اسی سڑک پر رہیں گے اور جوتا ایک بار چیک کر لو اور ثنا تمہاری شلوار کے پائنچے ایڑھیوں سے بھی نیچے لٹک رہے ہیں۔ بھاگتے ہوئے تو یہ جوتوں کے نیچے آئیں گے اور تم گر بھی سکتی ہو۔ اس لئے شلوار کو تھوڑا اوپر کرو بلکہ ٹخنوں سے اوپر ہو تو زیادہ بہتر ہے جیسے سارہ کی ہے' بالوں میں ذرا برش پھیر لو اور لپ اسٹک بھی ذرا دوبارہ لگا لو۔'' ثنا نے فرزانہ کی ہدایات پر عمل شروع کر دیا۔

دوپہر کے دو بجے اس ویران سڑک پر کوئی نہیں تھا سو وہ بڑی آزادی سے اپنا کام کر رہی تھیں۔ شازیہ نے بیگ سے پرفیوم نکال کر اس پر چھڑکا اور اس سے ہیئر برش اور لپ اسٹک لے کر بیگ میں رکھ لیں۔

''یاد رکھنا کتے کی آواز سنتے ہی دونوں بھاگ کر باہر آ جانا یہ انتظار مت کرنا کہ اس کی شکل نظر آئے تو ہی بھاگنے کی کوشش کرو تم لوگوں کو کتے کی رفتار کا کوئی اندازہ نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کوئی رشتہ داری ہے۔ اس لئے بہترین راستہ فرار ہے اور وہ باہر آ گیا تو پھر صرف تم لوگوں کے

لئے ہی نہیں ہمارے لئے بھی مسئلہ ہوگا۔''

عینی نے کسی جنگی کمانڈر کی طرح انہیں حکمت عملی سمجھائی تھی۔

''تم فکر نہ کرو اب ہم اتنے بے وقوف بھی نہیں ہیں۔'' ثنا نے اسے تسلی دی تھی۔

''بس پھر ٹھیک ہے ہو جاؤ روانہ۔'' شازیہ نے انہیں کہا تھا اور وہ خود تینوں ان کی طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے آگے نکل گئی تھیں۔

وہ دونوں ٹہلنے کے انداز میں آگے بڑھیں اور گیٹ کھول کر اندر داخل ہو گئیں۔ بڑے محتاط انداز میں انہوں نے ادھر ادھر نگاہ ڈالی تھی وسیع و عریض لان میں دور دور تک انہیں کوئی نظر نہیں آیا۔

''کیا لان ہے یار!'' سارہ نے بے اختیار داد دی تھی۔ ثنا اس کی بات پر بڑے فخریہ انداز میں مسکرائی تھی جیسے یہ سارا کمال اس کا ہو۔

''کوئی کتا وغیرہ بھی نظر نہیں آ رہا۔'' سارہ نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا تھا۔

''اب کیا کریں۔ اندر چلے جائیں یا یہیں رہیں؟''

''ایسا کرتے ہیں ذرا پیچھے سے بھی ہو کر آتے ہیں۔ ذرا دیکھیں تو سہی پیچھے بھی لان ہی ہے یا کچھ اور ہے۔'' ثنا لان میں داخل ہو گئی۔ سارہ نے اس کی پیروی کی۔

دونوں بڑے مزے سے لان میں ٹہلتے ہوئے گھر کے عقبی حصے میں پہنچ گئیں اور وہاں پہنچتے ہی دونوں کے قدم ایک ساتھ منجمد ہوئے تھے لان کے بالکل وسط میں ایک بڑے شیڈ کے نیچے ایک عدد سوئمنگ پول تھا اور سوئمنگ پول کے پاس رکھے ہوئے اسٹیریوز بلند آواز میں Tina Turner کا ریکارڈ بجا رہے تھے۔ سوئمنگ پول کے پاس ٹیبل پر اورنج جوس کا ایک گلاس پڑا تھا اور کچھ کیسٹس مگر جس چیز نے انہیں ساکت کیا تھا وہ باتھ گاؤن پہنتا ہوا ایک مرد تھا وہ ابھی ابھی سوئمنگ پول سے برآمد ہوا تھا اور باتھ گاؤن پہن کر اس نے دونوں ہاتھوں سے بال ماتھے سے ہٹائے تھے پھر وہ جوس کا گلاس لے کر چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔

وہ بلاشبہ بے حد خوب صورت تھا کم از کم انہوں نے آج تک اس جیسا بندہ نہیں دیکھا تھا وہ چھ فٹ سے بھی نکلتے ہوئے قد کا مالک تھا اور بہت Chiselled Features کا مالک تھا رنگت سے وہ کوئی انگریز نظر آتا تھا مگر اس کے ڈارک بلیک بال اس کی نفی کر رہے تھے جوس پیتے ہوئے وہ میوزک کے ردھم پر ایک پیر سے فلور کو Tap کر رہا تھا اس کا رخ انہیں کی طرف تھا مگر اس نے ابھی تک انہیں نہیں دیکھا تھا۔

''بہت خوش قسمت ہے تو ثنا بہت خوش قسمت ہے۔'' ایک طویل خاموشی کو سارہ نے توڑا تھا۔

''چلو آگے چلتے ہیں اس کے پاس۔'' ثنا نے اسے جواب دینے کی بجائے مشورہ دیا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ انہوں نے اس کی طرف جانا شروع کیا تھا لیکن صرف دو ہی قدم اٹھائے تھے کہ اس کی نظر ان پر پڑ گئی تھی۔ اتنی دور سے بھی انہیں اس کے ماتھے پر پڑنے والے بل صاف نظر آئے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھنا بند کر دیا۔

اس نے جوس کا گلاس میز پر رکھا اٹھ کر اسٹیریو آف کیا اور ان کی طرف بڑھنے لگا ان کی نبض اور دل کی دھڑکن بڑھ گئی تھی۔ وہ ان کے

سامنے آ کر رک گیا۔ امریکن لہجہ میں بہت رواں انگلش میں اس نے ان سے پوچھا تھا۔

Who are you and how did you come in?

اس کی انگلش سن کر ان دونوں کے اوسان خطا ہو گئے تھے سوال مشکل نہیں تھا مگر اچانک کیا گیا تھا۔

''اس رائٹر کے افسانے میں تو ایسا نہیں ہوتا۔'' ثنا نے مدھم سی سرگوشی کی تھی۔

''مگر یہاں ہو رہا ہے۔ اسے اردو میں ہی جواب دو یہ نہ ہو کہ تمہاری انگلش سن کر وہ مزید کوئی سوال کر دے وہ بھی انگلش میں۔'' اتنی ہی مدھم سرگوشی میں سارہ نے اسے جواب دیا تھا وہ ان سے کچھ فاصلے پر کھڑا انہیں گھورتا ہوا جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

''میں ثنا ہوں اور یہ سارہ ہے ہم یہاں سے گزر رہے تھے آپ کا گھر بہت اچھا لگا تو اندر دیکھنے چلے آئے میں آپ کو سچ کہہ رہی ہوں میں نے آج تک ایسا گھر نہیں دیکھا۔''

"Is it my fault"?

ثنا کو اس کا جملہ سن کر جھٹکا لگا تھا چند لمحوں کے لئے وہ نادم سی ہوئی مگر پھر اس نے رات کو تین گھنٹے لگا کر یاد کیے جانے والے ڈائیلاگز بولنے شروع کیے۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں آپ کو شاید یقین نہیں آ رہا حسن و خوب صورتی کا ایسا شاہکار آج تک میری نگاہ سے نہیں گزرا یہ خوب صورتی اور نفاست اس گھر کے باسیوں کے اعلیٰ ذوق کی ترجمانی کر رہی ہے۔''

"whatever you want to say, say it in simple Urdu so that I could understand it. But at present you are doing just the other way round.

بڑے تیکھے انداز میں ابرو اچکاتے ہوئے اس نے کہا تھا' ثنا کا پورا منصوبہ یک دم پانی میں غرق ہو گیا تھا۔

"Now see I know this is a nice house but this colony is full of such houses. And I don`t think there is anything special about my house. Alright? Do remember that this is not Taj Mahal or Shalimar Garden which you could visit as often as you wish. This is my house not a public place so don`t come here again. I hate girls doing such disgusting things. Now pleas move out."

اس بندے نے بہت ٹھہر ٹھہر کر کہا شاید اسے ان کی انگلش کی قابلیت کا اندازہ ہو گیا تھا لیکن انگلش میں ہی انہیں جو کچھ کہا تھا وہ حرف بحرف انہیں سمجھ آ گیا تھا۔ صرف دھکے دینے کی کسر چھوڑی تھی اس نے ان دونوں میں اگر شرم ہوتی تو اس سوئمنگ پول میں کود کر جان دے دیتیں جس سے وہ کچھ دیر پہلے طلوع ہوا تھا مگر اس نایاب چیز سے وہ اسی طرح محروم تھیں جس طرح ہمارے سیاست دان۔

دھیمے قدموں کے ساتھ لٹکے ہوئے چہرے لئے وہ اس گھر سے باہر آئی تھیں۔

''اس شخص سے کبھی رومانس نہیں کرنا چاہئے جسے اردو نہ آتی ہو۔'' سارہ نے باہر آتے ہی فرمایا تھا۔

''شاید اس نے بھی تمہارے ہی قول پر عمل کیا ہے۔ بس اردو کی بجائے انگلش سمجھ کر۔'' ثنا نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو وہ شخص پہلی نظر میں ہی اچھا نہیں لگا تھا شرم حیا تو اسے چھو کر نہیں گزری' ذرا لحاظ نہیں آیا کہ دو مشرقی لڑکیاں سامنے کھڑی ہیں تو باتھ گاؤن ہی اچھی طرح بند کرلے' پر کہاں' کتنی دیدہ دلیری سے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ تمہیں تو پتا ہے میں کس قدر مذہبی اور مشرقی رکھ رکھاؤ والی لڑکی ہوں۔ میرا تو ویسے بھی ایسے بندے کے ساتھ گزارا ہی نہیں ہو سکتا اور پھر دیکھو کہ ذرا مروت نہیں تھی چلو ہم تو کسی اور مقصد کے ساتھ گئے تھے مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کو مدد کی ضرورت ہی پڑ جائے اور وہ اندر چلا جائے اسے تو اتنا لحاظ بھی نہیں آیا کہ بیٹھنے کی آفر ہی کر دیتا۔''

سارہ کان لپیٹے اس کے شکوؤں کی بیاض سن رہی تھی۔

''چلو کوئی بات نہیں دفع کرو' بہت گھر ہیں یہاں کہیں اور ٹرائی کرتے ہیں۔''

ایک دفعہ پھر انہوں نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔

''ایک تو میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ لوگ اپنے گھروں کے اس طرح کے نام کیوں رکھتے ہیں۔''

سارہ نے ایک گھر پر لگی ضمیر ہاؤس کی نیم پلیٹ دیکھ کر کہا تھا۔

''کیوں بھئی اس نام کو کیا ہو گیا ہے۔'' فرزانہ نے کہا تھا۔

''نہیں یہ اگر ضمیر ہاؤس ہے تو کیا اس کالونی کے باقی ہاؤس بے ضمیر ہاؤس ہیں۔''

اس کی دوستیں اس کی بات پر کھلکھلائی تھیں مگر ثنا نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''کم از کم ایک گھر نے تو یہی ثابت کیا ہے۔''

''ثنا یہ گھر اچھا ہے یہاں ٹرائی کرو۔''

عینی نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں اچھا تو ہے چلو دیکھتے ہیں۔'' پھر ضروری تیاری کے بعد ثنا ایک بار پھر سارہ کے ساتھ اس گھر کا گیٹ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی اور اندر داخل ہوتے ہی اس نے پورچ میں ایک نوجوان کو موٹر سائیکل دھوتے دیکھا تھا۔

''شکل اچھی ہے اس کی' ڈائیلاگ دہرا لے ایک بار ذہن میں۔''

سارہ نے سرگوشی کی تھی۔ بائیک کو پانی والے پائپ سے دھوتے دھوتے اس نوجوان نے اچانک نظر اٹھائی تھی اور ان دونوں کو دیکھ کر اس نے پائپ زمین پر پھینک دیا۔ شرٹ کی آستینیں سیدھی کرتے ہوئے وہ ان کی طرف آنے لگا۔

''کافی باحیا نوجوان ہے۔'' سارہ نے ایک بار پھر سرگوشی کی تھی۔

''جی آپ کون ہیں۔'' اس نے قریب آ کر پوچھا تھا۔

''اصل میں ہم لوگ یہاں سے گزر رہے تھے۔ آپ کا گھر اچھا لگا تو اندر چلے آئے دیکھنے کے لئے' مجھے خوب صورت گھر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔''

ثنا نے روانی سے کہا تھا۔ وہ اس کی بات پر مسکرایا تھا۔

''اچھا شوق ہے لیکن ہمارا گھر اتنا بھی خوب صورت نہیں ہے۔ خیر آپ آئی ہیں تو ضرور دیکھ لیں۔'' اس نوجوان نے بڑے خلوص سے کہا تھا۔

''آ جائیں۔'' یہ کہہ کر وہ اندر کی طرف مڑ گیا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا اور پھر اس کے پیچھے چل پڑیں۔

''آپ کا نام کیا ہے؟'' ثنا نے منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل شروع کیا تھا۔

''میرا نام عادل ہے۔'' اس نے مڑ کر بڑے مؤدب انداز میں جواب دیا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''میرا نام ثنا ہے اور ان کا نام سارہ ہے ہم دونوں گریجوایشن کر رہی ہیں۔''

''میں بی کام کر رہا ہوں۔'' لاؤنج کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوئیں۔

''میں آپ کو اپنی امی سے ملواتا ہوں کیونکہ اس وقت گھر میں صرف وہی ہیں۔''

''کیوں باقی سب لوگ کہاں ہیں؟'' ثنا نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''میری بس تین بہنیں ہیں اور وہ تینوں شاپنگ پر گئی ہیں اور ابو امریکہ میں ہوتے ہیں۔'' اس کے اکلوتے ہونے کا سن کر ثنا کا سیروں خون بڑھ گیا تھا اور جب وہ اس کی امی سے ملی تو اسے اپنی منزل اور قریب لگنے لگی' وہ اتنی خوش اخلاقی اور محبت سے ملی تھیں جیسے برسوں سے انہیں جانتی ہوں۔

عادل انہیں ساتھ لے کر پورا گھر گھماتا رہا اور ثنا نے تعریفوں کے اگلے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔ وہ بھی ثنا کی طرح خاصا باتونی تھا اور اس کا سارا دھیان بھی ثنا کی طرف ہی تھا جب وہ پورا گھر دیکھ چکیں تو عادل کی امی چائے تیار کر چکی تھیں ان کے انکار کے باوجود انہوں نے اصرار کر کے انہیں چائے پلوائی۔

''آئندہ بھی اپنی دوست سے ملنے آنا تو ہمارے یہاں ضرور آنا۔'' انہوں نے خاص طور پر تاکید کی تھی۔

پھر جب وہ عادل کے ساتھ جانے کے لئے لاؤنج سے باہر نکلیں تو ثنا بے تحاشا خوش تھی اس کا دل اس رائٹر پر قربان جانے کو چاہ رہا تھا، جس کے آئیڈیے نے اس کا مستقبل سنوار دیا تھا وہ عادل کے ساتھ گیٹ کی طرف جاتے جاتے خیالوں میں بہت دور نکل گئی تھی۔ عادل نے ان کے لئے گیٹ کھولا تھا اور کہا تھا۔

''باجی آپ پھر کب آئیں گی؟'' ثنا نے ٹپٹا کر سارہ کو دیکھا۔ اس کے پون گھنٹے کی محنت ایک بار پھر غارت ہوتی نظر آ رہی تھی۔

''بتائیں نا باجی۔'' عادل نے پھر اصرار کیا تھا۔

''بیڑا غرق تیرا مردود۔'' اس کی بڑبڑاہٹ صرف سارہ کو سنائی دی تھی اور اس نے اس کی ترجمانی کے فرائض سنبھالتے ہوئے اس کے الفاظ کی ٹرانسلیشن کی۔

''جب خدا ادھر لایا تو ضرور آئیں گے اور خدا جلد ہی لائے گا۔ خدا حافظ۔''

یہ کہہ کر وہ ثنا کا بازو پکڑ کر باہر نکل آئی تھی۔ اپنے پیچھے انہوں نے گیٹ بند کرنے کی آواز سنی۔

''شرم نہیں آئی اسے مجھے باجی کہتے ہوئے تین بہنیں کم ہیں اسے' جو ابھی اور باجیوں کی تلاش ہے۔ تین گھنٹے اس کی بکواس سن کر سر دکھ گیا ہے اور یہ خبیث کہہ رہا ہے باجی پھر کب آئیں گی۔''

''اس رائٹر کے افسانے میں ایسا بھی نہیں ہوا ہوگا؟''

سارہ نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے پوچھا۔

''آج کے مردوں کو خواتین سے بات کرنے کی تمیز ہی نہیں ہے۔''

ثنا نے آخری نتیجہ یہی اخذ کیا تھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ان کی دوستوں کو کچھ کہے بغیر ہی سب کچھ پتا چل گیا تھا۔

''ایک آخری مرتبہ اور ٹرائی کر لیتے ہیں بس پھر کوئی اور آئیڈیا استعمال کریں گے۔''

عینی نے اس کی ہمت دوبارہ سے بندھائی۔

''لیکن اس بار گھر کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرنا ہے۔'' ثنا نے بگڑے انداز کے ساتھ کہا تھا۔ پھر ایک سڑک پر انہیں چند بہت خوبصورت گھر پاس پاس نظر آئے۔ وہ انہیں اچھی طرح سے دیکھنے کے لئے دو تین بار چہل قدمی کے انداز میں ان گھروں کے سامنے سے گزریں اور جب چوتھی بار وہ ایک آخری نظر ڈالنے کے لئے دوبارہ واپس مڑیں۔ تو کمانڈو کے لباس میں ملبوس اسٹین گن کندھے پر لٹکائے ساڑھے چھ فٹ کا ایک گیٹ کیپر ان کا منتظر تھا۔ قریب آنے پر اس نے کہا تھا۔

''میں بہت دیر سے تم لوگوں کو دیکھ رہا ہوں۔ کبھی تم ادھر جاتی ہے کبھی تم ادھر جاتی ہے کبھی تم گیٹ کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ آخر تم کیا چاہتی ہے؟''

اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔ ثنا کو بھڑکنے میں بس ایک منٹ لگا۔ کہیں نہ کہیں تو اسے غصہ اتارنا ہی تھا۔ اس نے بلند آواز میں اس پٹھان چوکیدار سے کہا۔

''ہم ادھر ڈاکہ ڈالنے آئے ہیں۔ گھوم پھر کر دیکھ رہے ہیں کہ کس دیوار سے چڑھنا آسان اور بہتر ہوگا مگر اب ہم نے سوچا ہے کہ دیوار کی بجائے گیٹ پھلانگ کر اندر جاتے ہیں۔ ایک تو اس سے وقت بچے گا اور آپ کو پتہ ہی ہے کہ وقت کتنا قیمتی ہوتا ہے اور دوسرا ہمارے کپڑے بھی ٹھیک ٹھاک ہی رہیں گے۔ سلوٹیں ذرا کم ہی پڑیں گی اور آپ کو تو پتا ہے کہ لڑکیوں کو ہمیشہ ویل ڈریس رہنا چاہیے سلوٹوں والے کپڑے پہن کر لوگ ہمیں دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کتنی پھوہڑ لڑکیاں ہیں ان سے کوئی کام بھی نہیں ہوتا۔

اور آپ کو تو پتا ہے پھوہڑ لڑکیوں کو رشتے ذرا مشکل سے ہی ملتے ہیں۔ اب ہم یہ طے کر رہے تھے کہ گیٹ پھلانگ کر جائیں گے تو پھر آپ سے کیا سلوک کریں۔ صرف آپ کو باندھ کر ڈال دیں یا پھر بے ہوش کرنا بہتر ہے۔ ویسے تو شکل سے آپ پہلے ہی بے ہوش نظر آ رہے ہیں مگر خیر احتیاط پھر بھی لازم ہے۔ ابھی ہم نے یہ طے کرنا تھا کہ کون سا سامان کون لے کر جائے گا۔ جیولری کون اپنے بیگ میں لے کر جائے گا اور فریج' ٹی وی' وی سی آر اور ڈیک کون اپنے بیگ میں لے کر جائے گا اور فرنیچر کون اپنے بیگ میں لے کر جائے گا مگر آپ نے بیچ میں دخل اندازی کر کے سارا معاملہ ہی خراب کر دیا۔ اب ہمارا موڈ ہی نہیں رہا ڈاکہ ڈالنے کا' اس لئے جا رہے ہیں ویسے تو آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہئے مگر خیر پھر بھی سہی خدا حافظ۔ Keep Waiting''

وہ یہ کہہ کر اپنی دوستوں کے ساتھ وہاں سے چل پڑی۔ چوکیدار ہکا بکا اسے جاتا دیکھتا رہا پھر اس نے گھر کے اندر گھس کر مضبوطی سے گیٹ بند کر لیا تھا۔

''تم بھی عجیب شے ہو ثنا۔''

''ہاں ہوں پھر۔'' اس نے فرزانہ کی بات پر اکڑ کر کہا تھا۔

''اب بتاؤ کیا کرنا ہے۔'' عینی نے پوچھا تھا۔

''کرنا کیا ہے ایک آخری بار کسی گھر میں ٹرائی کر لیتے ہیں کام بن گیا تو ٹھیک ورنہ پھر کسی دوسرے آئیڈیے پر غور کرنا پڑے گا۔'' شازیہ کی بات پر اس نے سر ہلا دیا۔

اور پھر چند منٹوں کی تگ ودو کے بعد انہوں نے ایک گھر منتخب کر ہی لیا تھا۔ حسب معمول وہ اور سارہ اندر داخل ہوئی تھیں مگر اس بار دونوں میں پچھلے جوش و خروش کی کمی تھی۔ اس بار بھی انہیں اندر کوئی نظر نہیں آیا تھا۔

''اللہ میاں اب تو ہیرو ملوا دے اب تو چل چل کر پاؤں بھی ٹوٹنے لگے ہیں۔''

ثنا کی دعا اس بار فوراً قبولیت پا گئی۔ ایک شاندار سی غراہٹ کے ساتھ ہیرو کی انٹری ہوئی تھی۔ جرمن نسل کا ایک خوبرو اور ورزشی جسم کا مالک کتا ایک دم عقبی لان سے برآمد ہوا تھا۔ وہ دونوں اس وقت تک پورچ میں پہنچ چکی تھیں کتے کو ایک دم اپنے سامنے دیکھ کر پہلے تو ان کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا کیا جائے۔ ہاں جب کتے نے زور و شور سے بھونکنا شروع کیا تو اچانک انہیں یاد آیا کہ اس موقع پر انہیں بھاگنے کی ہدایت کی گئی ہے اور پھر انہوں نے اولمپک چیمپئن کارل لوئیس کی اسپیڈ سے بھاگنا شروع کیا تھا اور بھاگتے ہوئے دونوں نے اپنے بیگ بھی وہیں پھینک دیئے۔

انہیں بھاگتے دیکھ کر کتے کی غیرت جاگ اٹھی تھی وہ پہلے دو بار اوپر اچھلا پھر آگے اور پھر پیچھے اور جب اس کی بیٹری چارج ہو گئی تو اس نے ان دونوں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا تھا اور اتنی اس کی رفتار نہیں تھی جتنی اس کی آواز تھی۔ ثنا اور سارہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی گیٹ پار کر چکی تھی مگر ان سے وہ فاش غلطی ہو گئی جو کسی صورت نہیں ہونی چاہئے تھی اور جسے نہ کرنے کے لئے انہیں تین ہزار تین سو تینتالیس بار نصیحت کی گئی تھی وہ گیٹ بند کرنا بھول گئی تھیں۔ نہ صرف اسے بند کرنا بھولیں بلکہ بھاگتے ہوئے انہوں نے اسے چوپٹ کھول دیا۔ کتے نے بھی بڑی شان سے بھاگتے

ہوئے گیٹ پار کیا تھا۔

سڑک پر آگے ٹہلتی ہوئی ان کی دوستوں نے کتے کے بھونکنے پر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور یک دم انہیں صورت حال کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔

''بیڑا غرق ان کا یہ اپنے کون سے چچا کو ساتھ لے آئی ہیں۔'' فرزانہ نے بھاگنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا اور اس سے پہلے کہ کوئی دوست کچھ کہتی اس نے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ باقی دونوں نے بھی اس کی پیروی کی مگر اب مسئلہ یہ تھا کہ سارہ اور ثنا تو آرام سے بھاگ آئی تھیں کیونکہ انہوں نے پاؤں میں کورٹ شوز پہنے ہوئے تھے مگر باقی تینوں دوستوں نے ڈیڑھ ڈیڑھ انچ کی ہیلیں پہنی ہوئی تھیں اور ان سے بھاگا بھی نہیں جا رہا تھا اور کتا تھا کہ سر پر پہنچ رہا تھا مگر پھر اچانک ایک معجزہ ہوا تھا جس گھر سے کتا برآمد ہوا تھا۔ وہیں سے ایک نوجوان بھی بھاگتا ہوا باہر نکلا تھا اور اس نے تقریباً چلاتے ہوئے کتے کو پکارا تھا۔

''جیک Come Back.Stop''

اور جیک صاحب اس آواز پر مشین کی طرح گھوم گئے تھے۔ بڑی سبک رفتاری سے بھاگتا ہوا وہ واپس اس نوجوان کی طرف گیا تھا۔ وہ پانچوں رک گئی تھیں۔

''اس خبیث کا کتا ہے۔'' فرزانہ نے کہا۔

''ہاں اسی کا ہو گا ورنہ اس طرح اس کی طرف جاتا کیوں۔ آؤ سارہ ذرا بیگ لے آئیں اپنے اور دو چار اسے بھی سنا آئیں۔'' ثنا نے پھولی سانس کے ساتھ آستین چڑھاتے ہوئے کہا تھا پھر تیز قدموں کے ساتھ وہ دونوں اس نوجوان کی طرف چل پڑیں جو کتے کو چمکارتے ہوئے انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ تمہارا کتا ہے؟'' قریب جاتے ہی ثنا نے اسے جھڑک کر پوچھا تھا۔

''یقیناً میرا ہے۔''

''بڑی بھونکنے کی عادت ڈالی ہے اسے' کوئی انسانوں والی عادت نہیں سکھائی۔''

ثنا نے اپنی طرف سے عقل مندی کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے مشورہ دیا تھا اور وہ اس کے جملے پر ششدر رہ گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے انہیں کہا تھا۔

''آئی ایم سوری کہ......''

ثنا نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی تھی۔

''کس بات کے لئے کہ کتا ہمیں کاٹ نہیں سکا۔''

''دیکھیں یہ کتا پیچھے بھاگا ضرور تھا مگر یہ کبھی آپ کو کاٹتا نہیں۔'' ثنا نے نوجوان کی تردید کو یکسر رد کر دیا تھا۔

''کیوں تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ کاٹتا نہیں۔ تم اس کی نیت کا حال کیسے جانتے ہو؟''

''اس لئے جانتا ہوں کہ یہ میرا کتا ہے۔ اگر آپ بھاگتی نہیں تو یہ کبھی بھی آپ کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ کاٹنے کی تو بات ہی دور کی ہے۔''

''جنہوں نے کاٹنا نہیں ہوتا وہ پیچھے بھی نہیں بھاگتے اور تم جیسے لوگ کتوں کو کھلا چھوڑ کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو یہی کہ بڑی ٹارزن چیز ہو تم۔''

وہ اب بھی اپنی بات پر مصر تھی۔

''دیکھیں اب آپ بدتمیزی کر رہی ہیں میں نے آپ سے ایکسکیوز کر لیا ہے۔ آپ کو بتا بھی دیا ہے کہ یہ کتا کسی کو کاٹتا نہیں۔ مگر آپ پھر بھی ایک چھوٹی سی بات کو خواہ مخواہ بڑھا رہی ہیں۔''

وہ اب واقعی اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔

''یہ چھوٹی سی بات ہے تمہارے لئے۔ یہ کتا مجھے کاٹ لیتا تو چودہ انجکشن لگوانے پڑتے مجھے اور اگر کہیں چودہ انجکشن نہ لگواتی تو میرے دماغ پر اثر ہو سکتا تھا اور تمہارے نزدیک یہ سب معمولی بات ہے۔''

ثنا نے اسے دھاڑ کر کہا تھا اور اس کا جواب سن کر اسے مزید پتنگے لگ گئے تھے۔

''کتے کے کاٹے بغیر بھی آپ مجھے مینٹل کیس ہی لگ رہی ہیں۔ ہاں اس کے کاٹنے سے شاید آپ کو افاقہ ہو جاتا کیونکہ زہر کو زہر ہی مارتا ہے مگر اس صورت میں مجھے اپنے کتے کو چودہ ٹیکے لگوانے پڑتے۔''

وہ فوری طور پر سمجھ نہیں پائی کہ اس نے مذاق کیا تھا یا پھر طنز مگر اس کا پہلے سے ہائی پارہ اور ہائی ہو گیا تھا۔

''تم شکر کرو کہ میں نے تمہارے کتے کو بخش دیا ورنہ اور چند منٹ تم باہر نہ آتے تو میں نے تو اسے شوٹ کر دینا تھا۔ پسٹل رکھتی ہوں میں اپنے بیگ میں۔''

اس نے سفید جھوٹ بولا تھا۔

''مگر بیگ تو آپ یہاں چھوڑ کر بھاگ گئی تھیں پھر پسٹل کہاں سے لیتیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ شاید آپ اسی طرح کتے کے آگے بھاگتی ہوئی پوری کالونی کا چکر کاٹ کر دوسری طرف سے دوبارہ میرے گھر آتیں پھر اپنا بیگ اٹھا کر پسٹل نکالتیں اور پھر میرے کتے پر نشانہ لیتیں اور پھر فائر کر دیتیں اور اتنی دیر تک میرا کتا فلمی ولن کی طرح آپ کے سامنے کھڑا ہو کر للکارتے ہوئے آپ کو فائرنگ کا موقع دیتا' واقعی آپ کی پلاننگ تو فول پروف ہے اور میری وجہ سے واقعی آپ کا منصوبہ خراب ہو گیا مگر چلیں کوئی بات نہیں آپ دوبارہ ٹرائی کر لیں۔''

وہ یہ کہتے ہوئے گیٹ کے اندر سے ان کے بیگ اٹھا لایا تھا بڑی سنجیدگی سے اس نے بیگ انہیں تھماتے ہوئے کہا۔

''اب آپ پسٹل نکالیں اور اس کتے کو شوٹ کر دیں! چلو بھئی ٹھیک سے سامنے ہو جاؤ اور مرنے کی تیاری کر لو۔''

اس نے کتے کو اس طرح کہا تھا جیسے اس کی فوٹو گراف کھنچوانے کے لئے فوٹو گرافر کے سامنے کھڑا کر رہا ہو۔ وہ واضح طور پر اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

''اس بار تو پسٹل نہیں ہے مگر اگلی بار ضرور لاؤں گی۔'' ثنا نے دانت پیستے ہوئے بیگ کندھے پر لٹکا کر کہا تھا۔

''اوہ ضرور مگر پلیز آنے سے پہلے فون ضرور کر دیجئے گا تاکہ میں دو چار اور کتوں کو بھی مرنے کے لئے اکٹھا کر لوں۔''

وہ یقیناً اب اس ساری گفتگو سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''تمہارے کتے کا کوئی قصور نہیں ہے شوٹ تو تم جیسے بدتمیز کو کرنا چاہئے۔''

''آئیڈیا اچھا ہے چلیں آپ مجھے ہی شوٹ کر لیجئے گا ویسے مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ آپ واقعی ایک ذہین خاتون ہیں۔ برائی کی جڑ کو بڑی جلدی آپ نے دریافت کر لیا۔'' وہ بلا کا حاضر جواب تھا۔

''دفع کرو ثنا چلو خواہ مخواہ وقت برباد کرنے کا کیا فائدہ ایسے لوگوں پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔''

سارہ نے اس کا بازو کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

''بھئی آپ تو بلا کی نظر شناس اور حقیقت پسند واقع ہوئی ہیں۔ بہت ترقی کریں گی آپ زندگی میں۔'' اس بار وہ سارہ سے مخاطب ہوا تھا۔

خون کا گھونٹ پیتے ہوئے دونوں اپنی دوستوں کی طرف چل پڑی تھیں۔

''دوبارہ ضرور آیئے گا' میں اور میرا کتا انتظار کریں گے آپ کا اور پسٹل ضرور لایئے گا۔'' انہیں اپنے پیچھے اس کی بلند آواز سنائی دی تھی بغیر مڑے اور پیچھے دیکھے وہ اپنی دوستوں کے پاس پہنچ گئی تھیں جو غصہ میں بھری ہوئی ان دونوں کی منتظر تھیں۔

''کتنی ہدایات دی تھیں تم دونوں کو' کہاں گئیں وہ' اپنے ساتھ ساتھ تم نے ہمیں بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے اگر گیٹ بند کرنا بھول ہی گئی تھیں تو کم از کم ہماری طرف بھاگ کر آنے کی کوشش تو نہ کرتیں مگر تم لوگوں نے سوچا کہ ہم تو ڈوبیں گے صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔''

ان لوگوں کی جلی کٹی سنتی ہوئی وہ دونوں خاموشی سے ان کے ساتھ چلتی رہیں۔

.......❁.......

''پھر اب کیا کرنا ہے۔'' تیسرے ہی دن وہ ایک بار پھر سے کالج میں اپنی دوستوں سے پوچھ رہی تھی۔

''لو میرج کا بھوت ابھی بھی تمہارے سر سے نہیں اترا' ثنا شرم کرو بلکہ خدا کا خوف کرو۔'' سارہ نے اسے پھٹکارا تھا۔

''تم وعظ نہ کرو اور مشورہ دو۔'' ثنا نے اسے ٹکا سا جواب دیا تھا۔

''تم اپنے محلے یا ہمسایوں میں رومانس کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ ایک رائٹر کی ہیروئن ہمیشہ ہمسایوں میں رومانس کرتی ہے اور یہ رومانس ہمیشہ کامیاب رہتا ہے ویسے بھی اس میں پہلے آئیڈیے کی طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

عینی نے اس کی افسانوں سے لئے گئے آئیڈیاز کی کاپی کو چھان پھٹک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''لو محلے میں رومانس کرنے میں تو سب سے زیادہ خطرہ ہے' ایک تو ہمارے محلے میں کوئی ڈھنگ کا لڑکا ہی نہیں ہے اور جو دو چار ہیں وہ کم بخت میرے ابا کی اور میری اتنی عزت کرتے ہیں کہ نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے مجھے اللہ کسی کو اتنی عزت بھی نہ دے۔''

ثنا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اس کی دوستوں نے اس کے دکھ کو دل سے محسوس کیا۔

''کوئی کزن بھی نہیں ہے تیرا؟'' فرزانہ نے اس سے پوچھا تھا۔

''جو دو چار ہیں ان سب کی شادی ہو چکی ہے اور وہ جس قسم کے ہیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان کی شادی ہو چکی ہے۔''

''یعنی یہ بھی نہیں ہو سکتا۔'' فرزانہ نے فکر مندانہ انداز میں کاپی کھنگالتے ہوئے کہا تھا۔

''کوئی بچھڑے ہوئے تایا چچا نہیں ہیں تمہارے' جنہوں نے اپنی مرضی سے شادی کر کے گھر چھوڑ دیا ہو ہو سکتا ہے کہ ان کا ہی کوئی بیٹا کام آ جائے ہماری ایک اور رائٹر کے افسانوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔'' فرزانہ نے پھر سر اٹھایا تھا۔

''ہمارے تایا چچا اتنے عقل مند کہاں تھے۔'' سارہ نے ثنا کی بات پر اچانک سر اٹھایا تھا اور پھر بڑے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

''ثنا تمہارے ابا نے کبھی دوسری شادی تو نہیں کی ہو سکتا ہے ان کی پہلی بیوی کے پہلے شوہر سے کوئی اولاد ہو یا تمہاری امی کے بعد اگر انہوں نے کوئی شادی کی ہو تو تمہاری دوسری امی کا کوئی بھائی۔''

ثنا نے اپنے پاؤں سے جوتا نکال کر اسے مارا تھا۔

''فٹے منہ تیرا' تو کوئی ڈھنگ کا مشورہ نہ دینا۔''

''لو بھلا میں نے ایسا کیا کہہ دیا اس موضوع پر بھی افسانے لکھے گئے ہیں۔'' سارہ نے اپنے کندھے کو سہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ خود ہی کسی آئیڈیے کو چن لو۔''

''تم لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ چلو ہمارے اتنے ڈھیروں کے حساب سے بھائی اور کزن ہیں ان میں سے کسی کے ساتھ ہی تمہاری لو میرج کروا دیتے ہیں۔'' ثنا کی بات پر وہ چاروں یک دم محتاط ہو گئی تھیں۔

''بھئی میرے بھائیوں نے تو صاف کہا ہے کہ لو میرج نہیں کرنی جب بھی کریں گے ارینج ہی کریں گے اگر وہ تم چاہتی ہو تو میں کوشش کرتی ہوں۔'' فرزانہ نے بالآخر کہا تھا۔

''میرے بھائیوں کی تو بات طے ہو چکی ہے تم جانتی ہو۔'' اس بار عینی بولی تھی۔

''لو میرج کے حق میں تو میرے بھائی بھی نہیں ہیں شادی تو وہ بھی ارینج ہی کریں گے ہاں لو افیئر چلانے میں انہیں کوئی اعتراض نہیں مگر تم تو لو میرج چاہتی ہو۔'' شازیہ نے اپنا مسئلہ بتایا تھا۔

''بھئی میرا بھائی تو سرے سے شادی کے حق میں ہی نہیں ہے لو میرج تو دور کی بات ہے اس کا خیال ہے کہ پیدا ہو کر وہ ایک حماقت کر چکا ہے اب شادی کر کے دوسری حماقت نہیں کرے گا۔'' سارہ نے اپنے فلاسفی کے اسٹوڈنٹ بھائی کی فلاسفی بیان کی تھی۔

''کس قسم کی تربیت کی ہے تم لوگوں نے اپنے بھائیوں کی کیا اچار ڈالو گی تم جو تمہاری دوست کے کام بھی نہیں آ سکے۔ یاد رکھو دوستی ہر خونی رشتے سے بڑی ہوتی ہے اور وہ قومیں مٹ جاتی ہیں جہاں دوست دوستی نبھانا بھول جائیں۔ ثنا نے اپنے زمانے کی مقبول اداکارہ کے انداز میں اپنے پورے جذبات ڈائیلاگز کے ذریعے اپنی دوستوں تک پہنچانے کی بھرپور مگر ناکام کوشش کی۔

''تو پھر اب تم بتاؤ کہ ہم کیا کریں اگر اللہ نے ہمیں اس قدر باحیا اور باکردار بھائی دیئے ہیں انہیں کہیں کہ ہماری ایک دوست لو میرج کرنا چاہ رہی ہے تو Why not you تم قربانی کے بکرے بن جاؤ اور اس دنیا کو تباہ ہونے سے بچالو۔''

سارہ نے بھرپور جماہی لے کر کہا تھا۔

''تو کیا حرج ہے یہ بات کہنے میں۔''

''تمہیں میرے فلسفی بھائی کا پتا نہیں ہے وہ واقعی قربانی کا بکرا بننے پر اصرار کرے گا کہ ہاں بھئی پھیر دو میرے گلے پر چھری اگر دنیا میرے مرنے سے ہی بچ سکتی ہے تو ایسا ہی سہی مگر شادی پر وہ پھر بھی تیار نہیں ہوگا۔''

سارہ نے بڑے ہمدردانہ انداز میں ثنا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ فون والا آئیڈیا اچھا ہے اور آسان بھی اسے ٹرائی کیوں نہیں کرتیں ڈائجسٹ کی رائٹرز کے اکثر رومانس ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

اس بار کاپی شازیہ کے ہاتھ میں تھی اور وہی بولی تھی۔

''مگر اس میں مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ پتا نہیں چلتا کہ بولنے والے کی شکل وصورت کیسی ہے اور وہ ہے کون پھر اس کے بارے میں پوچھ گچھ کون کرتا پھرے۔''

''مگر رومانس تو پھر بھی ہو سکتا ہے باقی باتیں تو بعد کی ہیں بندہ اچھا ملے گا یا بُرا یہ تو قسمت پر ہوتا ہے۔''

عینی کی بات ثنا کو پسند آئی تھی چنانچہ اب اسی آئیڈیا کو ٹرائی کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

❁

اگلے دن اس نے شام سے نمبر گھمانے شروع کیے تھے۔ پہلا نمبر ملنے پر کسی لڑکی نے فون اٹھایا تھا۔ اس نے فون بند کر دیا اور پھر دوسرا نمبر ملایا اب کی بار کسی آدمی نے فون اٹھایا تھا۔

ہیلو کہنے کے بعد ثنا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب کیا کہے مگر خیر بات تو کرنی تھی۔

''یہ 592650 ہے؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''جی یہ یہی نمبر ہے آپ کون ہیں؟''

''میں ثنا ہوں۔''

''کون ثنا اور آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟''

''آپ شادی شدہ ہیں؟'' وہ آدمی ثنا کے اس سیدھے سوال پر چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔

''جی شادی شدہ ہوں مگر آپ کون ہیں اور کیوں پوچھ رہی ہیں۔''

''آپ اگر شادی شدہ ہیں تو بہت ہی بدقسمت آدمی ہیں کہ ایک گوہر نایاب آپ کے ہاتھ آتے آتے رہ گیا اور آپ نے میرا وقت اور

پیسے بھی بہت ضائع کروائے آئندہ فون سنتے ہی ہیلو کے بعد پہلا جملہ یہی کہا کریں کہ میں شادی شدہ ہوں تاکہ لوگوں کا وقت ضائع نہ ہو، یہ قوم پہلے ہی بہت وقت ضائع کرتی ہے اور ہمارے پاس ترقی کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم وقت کی قدر......'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔

تیسری بار نمبر ملانے پر فون کسی لڑکے نے اٹھایا تھا۔

''ہیلو میں ثنا ہوں۔'' اس نے لڑکے کی طرف سے ہیلو سنتے ہی اپنا تعارف کروایا تھا۔

''اوہ ثنا یہ تم ہو مگر تمہاری آواز کو کیا ہوا؟''

وہ یقیناً اسے کوئی اور ثنا سمجھا تھا۔ ثنا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔

''تمہیں بھی شاید فلو ہو گیا ہے میری طرح۔'' اس لڑکے نے خود ہی اس کی مشکل آسان کر دی تھی مگر ثنا پھر بھی چپ ہی رہی۔

''یار کوئی بات کرو نا آخر اتنی چپ کیوں ہو؟''

''اللہ خیر کرے ثنا۔''

''کیا بات کروں۔'' ثنا نے کہا۔ ''یہ تم ہی ہو نا جو مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ کیا بات کروں منگنی کے بعد سے لے کر اب تک تم نے مجھ سے کبھی اس بارے میں رائے نہیں لی پھر ایک دم یہ انقلاب کیسے آ گیا ہے۔''

ثنا نے اس کا آخری جملہ سن کر کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔

''تو یہ منگنی شدہ تھا لیکن عقل سے اتنا پیدل کہ اپنی منگیتر کی آواز تک نہیں پہچان سکا بے وقوف۔'' وہ اگلا نمبر ڈائل کرتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔

پھر اس رات میں اس نے کم و بیش سو کے قریب کالیں کی تھیں مگر اس کا مسئلہ حل نہیں ہوا۔ بعض جگہ پر لڑکیوں نے فون اٹھایا بعض جگہوں پر شادی شدہ مردوں نے جن میں سے کئی ایک نے دوستی کی خواہش کا اظہار کرنے پر اسے بری طرح جھاڑ پلائی تھی ایک جگہ پر ایک بہت خوب صورت آواز سننے پر اس نے جب یک دم اپنی محبت کا اظہار کیا تو دوسری جانب سے بات کرنے والے نے بڑی پدرانہ شفقت سے جھڑکتے ہوئے کہا تھا۔

''بیٹی میں تمہارے باپ کی عمر کا ہوں اور میری تو اپنی تمہارے جتنی دو بیٹیاں ہیں یہ جو فون ہوتا ہے نا سائنس دانوں نے اسے ان مقاصد کے لئے نہیں بنایا جن کے لئے تم استعمال کر رہی ہو۔'' اس نے ان کی بات پوری سنے بغیر ہی دل برداشتہ ہو کر فون بند کر دیا۔

چند جگہوں پر فون کرنے پر اس کی گفتگو بہت اوچھے قسم کے لڑکوں سے ہوئی تھی اور ان کی بات کا انداز ہی اسے پسند نہیں آیا تھا سو وہاں بھی بات نہیں بنی اور بعض جگہوں پر جہاں اس نے بہت خوب صورت اور شائستہ آواز سنی تو ان لوگوں نے خود ہی اس کی دوستی کی خواہش کو بڑے آرام سے ٹھکرایا تھا۔

اسے لگا کہ پوری دنیا میں اس کے لئے کوئی اچھا اور شائستہ انسان بچا ہی نہیں بہت دلبرداشتہ ہو کر رات کے دو بجے بالآخر اس نے کالوں کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

اگلے دن کالج میں وہ اپنی دوستوں سے کہہ رہی تھی۔

''بھئی یہ فون پر رومانس میں نہیں کر سکتی ایک تو یہ بہت صبر آزما کام ہے اور دوسرا بہت مہنگا کام ہے آج کل تو فون کا بل ویسے ہی بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے تم لوگ مجھے کوئی اور آئیڈیا دو۔''

ایک بار پھر سے سب سر جوڑ کر ایک نئے آئیڈیے کی تلاش میں لگ گئی تھیں۔

......❁......

اس شام کو وہ اپنے بھائیوں کو تعلیم کے فوائد اور استاد کی عزت اور احترام پر ایک لمبا چوڑا لیکچر دے کر انہیں پڑھانے بیٹھی تھی جب اچانک ساتھ والے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی تھی۔

''تم لوگ یہاں سے ہلنا مت میں ایک منٹ میں آتی ہوں۔''

وہ انہیں دھمکاتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

''ہیلو آپ ثنا ہیں؟'' فون کا ریسیور اٹھاتے ہی کسی مرد کی آواز اسے سنائی دی تھی۔

''جی میں ثنا ہوں آپ کون ہیں؟''

اس نے تھوڑی حیرانگی کے ساتھ پوچھا۔

''کیسی ہیں آپ ویسے تو میرا خیال ہے اچھی ہی ہوں گی آپ جیسے لوگ برے کہاں ہو سکتے ہیں۔

اس آدمی نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے چہک کر کہا تھا۔ ثنا کو یک دم ایسا لگا جیسے اس نے یہ آواز کہیں سنی تھی بہت شستہ لہجہ اور بہت خوب صورت آواز۔

اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ یہ آواز اس نے کہاں سنی تھی مگر اسے یاد نہیں آیا۔

''کیوں بھئی اتنی چپ کیوں ہو گئی ہیں آپ کوئی بات کریں نا۔''

''آپ کون ہیں؟''

''مجھے اپنا دوست سمجھیں اور دوستوں کے تعارف کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟'' ثنا نے کچھ متجسس انداز میں پوچھا تھا۔

''بھئی آپ کو کون نہیں جانتا آدھا لاہور تو آپ کے مداحوں میں سے ہے۔'' اس بار وہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''اچھا مجھے تو پتا نہیں تھا کہ آدھا لاہور میرے مداحوں میں شامل ہے میں تو سمجھتی تھی کہ پورا لاہور میرے مداحوں میں شامل ہے۔''

اس نے شوخی سے کہا تھا۔

''چلیں جی کوئی بات نہیں کسی دن پورا لاہور بھی آپ کے مداحوں میں شامل ہو جائے گا دنیا کو پاگل ہونے میں کیا دیر لگتی ہے۔''

اس کی بڑبڑاہٹ ثنا نے سن لی تھی مگر اس نے کمال تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اگنور کر دیا۔

''ویسے آپ کا نام کیا ہے؟''

''جو آپ رکھ دیں۔''

''ابھی تک نام کے بغیر تھے۔''

''ابھی تک تو بہت سی چیزوں کے بغیر پھر رہا تھا۔''

''آپ مجھے تو بے وقوف لگتے ہیں۔''

''لگتے کیا ہیں بھئی اللہ کے فضل سے بے وقوف ہیں اور یہ بھی آپ جیسی حسینوں کی کرم فرمائی ہے۔'' وہ بھی جواب دینے میں چوک نہیں رہا تھا۔

''باتیں اچھی کر لیتے ہیں آپ۔'' ثنا نے اسے سراہا تھا۔

''آپ کی طرح مجھے بھی بس یہی ایک کام آتا ہے۔ ویسے کیا اب مجھے جوابی تعریف کرنی چاہیے۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے ویسے آپ نے بتایا نہیں کہ آپ مجھے کیسے جانتے ہیں۔''

''دیکھیں بار بار یہ سوال کر کے اپنا مرتبہ کم نہ کریں یہ تو ایسے ہی ہے جیسے چاند پوچھنے لگے کہ کوئی اسے کیسے جانتا ہے۔''

بندہ چالاک ہے ثنا نے سوچا تھا وہ کسی صورت بھی نہ تو اپنے بارے میں کچھ بتانے پر تیار تھا اور نہ ہی یہ بتانے پر کہ وہ ثنا کو کیسے جانتا ہے مگر اس کے باوجود ثنا کو اس سے باتیں کرنے میں مزا آ رہا تھا اسے اچانک لگنے لگا تھا کہ اب اس کی لو میرج ہو ہی جائے گی۔

ڈیڑھ گھنٹہ تک اس سے باتوں میں مصروف رہنے کے بعد وہ جب واپس اپنے بھائیوں کے کمرہ میں آئی تھی تو وہ حسب توقع غائب تھے۔ اسے بے تحاشہ غصہ آیا۔

''یہ قوم ترقی کیسے کر سکتی ہے جس کے بچے کام چور ہوں اور وقت کی قدر نہ کریں۔'' وہ بڑبڑائی تھی پھر وہ کھانا کھانے کے لئے کچن کی طرف چل پڑی آج اس کا موڈ اتنا اچھا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کو پھینٹی لگا کر اسے خراب کرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے یہ ضروری کام اس نے کل پر اٹھا رکھا۔

اگلے دن اس نے کالج جاتے ہی اپنی فرینڈز کو یہ سارا احوال سنایا تھا پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آج کل کے زمانے میں اس قدر بے وقوف لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔''

سارہ نے اس لڑکے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''بھئی یہ تو ایسے ہی ہے کہ آ بیل مجھے مار۔''

اس بار عینی نے تبصرہ فرمایا تھا۔

''اور بقول تمہارے وہ آواز سے بہت شائستہ اور سلجھا ہوا لگتا ہے پھر بھی وہ تم پر فدا ہے یہ کیسی شائستگی ہے بھئی۔'' فرزانہ نے جیسے دہائی دی تھی۔

''ویسے تمہیں ایکسچینج سے چیک کروا لینا تھا کہ کہیں یہ فون نمبر پاگل خانے کا تو نہیں تھا' آج کل وہاں کے باسیوں کو بھی رومانس کا کافی

شوق ہوا تھا۔“

شازیہ نے اس ساری گفتگو پر غور و خوض کرنے کے بعد جیسے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ ثنا کو بے تحاشا غصہ آیا۔ ”تم نے اپنے منگیتر کا چیک اپ کیوں نہیں کروایا جب تمہاری منگنی ہوئی تھی۔“

”بھئی چیک اپ کروانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی سب جانتے تھے کہ وہ پاگل ہے اور مجھ سے منگنی کی خواہش نے اس کی تصدیق بھی کردی پھر خواہ مخواہ چیک اپ پر روپے برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“

شازیہ نے بڑے اطمینان سے فرمایا تھا۔

”برا مت منانا یار ہم تو مذاق کر رہے تھے ورنہ ہم سے زیادہ خوش کون ہو سکتا ہے آخر بے کار کے آئیڈیئے دینے سے تو جان چھوٹی ہمارے لئے تو وہ بہت عظیم انسان ہیں ایسے انسان روز روز کہاں پیدا ہوتے ہیں کیوں بھئی؟“

سارہ نے باقیوں سے رائے لی تھی اور ان سب نے زور و شور سے گردن ہلا کر اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔

”اب تم کوشش یہ کرنا کہ یہ الو ہاتھ سے نکلے نہیں۔“ فرزانہ نے اپنے قیمتی مشورے سے نوازا تھا۔ ثنا نے اس مشورے کو اپنے پلو سے باندھ لیا۔

اگلے کئی ہفتے تک اس کے ٹیلی فون والا رومانس زور و شور سے چلتا رہا فون ہمیشہ وہی کرتا تھا اور ثنا کے اصرار کے باوجود اس نے کبھی بھی اسے اپنا فون نمبر نہیں دیا۔

”آخر تم مجھے اپنا فون نمبر کیوں نہیں دیتے۔“

ایک دن ثنا نے جھنجھلا کر اسے کہا تھا۔

”بھئی تم نے فون نمبر لے کر کیا کرنا ہے۔ میں فون کرتا ہوں یہ کافی ہے اور پھر دیکھو میں نے تمہیں فالتو بل سے بھی بچایا ہوا ہے۔“

اس کے پاس بہانوں کا انبار تھا اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا اور جب ثنا کو یقین ہو گیا کہ اب کسی بھی وقت وہ اسے پرپوز کر سکتا ہے تو اچانک اس کا فون آنا بند ہو گیا۔ ثنا کا تو حال برا ہو گیا کتنے دن وہ روز شام سے رات گئے تک فون کے پاس بیٹھی رہی مگر فون کو نہ آنا تھا نہ آیا۔

۞

”میں نے تو تمہیں پہلے ہی سمجھایا تھا کہ اس الو کو ہاتھ سے نکلنے نہ دینا۔“ فرزانہ نے اس دن کالج میں اس کی رام کہانی سننے کے بعد کہا۔

”مگر آپ یہ بھول گئی تھیں کہ الو ایک خاصا عقل مند پرندہ ہے اس لحاظ سے تو یہ بندہ واقعی الو نکلا ہے۔“ سارہ نے تبصرہ کرنا ضروری سمجھا۔

”بھئی بزرگ صحیح کہتے ہیں کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، قسمت اچھی تھی اس بندے کی بروقت عقل آ گئی اسے۔“ شازیہ نے ایک لمبی سانس بھر کر کہا۔ ثنا نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

”کسی نے صحیح کہا ہے کہ دوست مار آستین ہوتے ہیں۔“

''کسی نے نہیں جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے تو یہ تمہارا اپنا ہی ارشاد ہے۔''

شازیہ نے چپس سے شغل فرماتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ دوستی کے نام پر دھبہ ہو۔''

''بڑی جلدی پتا چل گیا آپ کو۔ اب برائے مہربانی ہمیں ''ایریل'' سے صاف کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا کیوں کہ اس طرح بھی تمہارا ٹی وی پر آنے کا کوئی چانس نہیں کیونکہ ہم اس سے صاف ہونے والے نہیں ہیں۔''

سارہ نے شازیہ کے چپس کے لفافے میں شمولیت ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

''تم لوگوں کو میرے دکھ کی گہرائی کا احساس ہی نہیں ہے۔''

ثنا نے آنکھوں میں آنسو لا کر کہا۔

''بہن کتنی دفعہ تمہارے دکھ کی گہرائی کا احساس کریں تمہارے دکھ کی گہرائی تو کم ہونے میں نہیں آ رہی میری مانو تو یہ لو میرج کا خیال چھوڑ دو تمہاری قسمت میں لو میرج ہے ہی نہیں۔''

سارہ نے کافی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

''تم غم نہ کرو ثنا دنیا ابھی بے وقوفوں سے خالی نہیں ہوئی ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔ تم اپنی کوششیں جاری رکھو کوئی ایک تو تمہاری قسمت میں بھی ہو گا ہی۔'' عینی نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔

.......❀.......

''پھر تم صبح پہنچ رہی ہو؟'' فرزانہ نے اس سے پوچھا۔

''ہاں بھئی اب کتنی دفعہ تمہیں یقین دلاؤں کہ میں واقعی صبح آ رہی ہوں۔''

''بس ٹھیک ہے باقی کام میرے ذمے ہے۔'' فرزانہ نے ثنا کو یقین دہانی کروائی تھی۔

پھر اگلی صبح وہ نو بجے کے قریب فرزانہ کے گھر پہنچ گئی۔

''دیکھو آج اس مہم کا سب سے اہم مرحلہ سر کرنا ہے تمہیں اس لئے بہت محتاط رہنا۔'' گھر سے نکلتے ہوئے فرزانہ نے اس سے کہا تھا پھر اسی موضوع پر باتیں کرتے ہوئے وہ زہرہ خالہ کے گھر پہنچ گئیں جو فرزانہ کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔

''اوہو ثنا بیٹی آئی ہے آج تو' اچھا کیا فرزانہ تم اسے لے آئیں۔''

زہرہ خالہ نے اسے دیکھتے ہی اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

''ناشتہ کرو گی تم؟'' زہرہ خالہ نے ان دونوں سے پوچھا تھا۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ ہمیں تو دنیا میں پیدا ہی اسی کام کے لئے کیا گیا ہے۔'' زہرہ خالہ فرزانہ کی بات پر مسکرائی تھیں۔

''پھر بیٹھو میں بناتی ہوں ناشتہ۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''ارے آپ نے ابھی ناشتہ بھی نہیں بنایا۔''

''نہیں بھئی تمہیں پتا ہے آج چھٹی کا دن ہے اور فاروق تو دس بجے کے قریب ہی سو کر اٹھتا ہے اور میں ناشتہ کرتی ہی نہیں ہوں اتنی صبح ناشتہ بنا کر رکھنے کا کیا فائدہ۔ اب فاروق اٹھنے ہی والا ہے اس لئے میں اب ناشتہ بناؤں گی۔''

فرزانہ نے ان کی بات سن کر کہا تھا۔

''ارے تو بس پھر ٹھیک ہے آج ناشتہ آپ نہیں بنائیں گی ثنا بنائے گی آپ کو بھی تو پتا چلے کہ اس کے ہاتھوں میں کتنا ذائقہ ہے۔''

ثنا فرزانہ کی بات پر ہولے سے مسکرائی تھی۔

''ارے نہیں بیٹا مہمانوں سے کوئی اس طرح کام لیتا ہے کہ پکاؤ اور کھاؤ تم بیٹھو میں خود ناشتہ بناتی ہوں۔''

زہرہ خالہ نے فرزانہ کی پیشکش سرے سے رد کر دی۔

''آپ ہمیں مہمان کیوں سمجھتی ہیں کیا ہم آپ کی بیٹیاں نہیں ہیں کہتی تو آپ ہمیں بیٹی ہی ہیں مگر بات پھر وہی غیروں والی کرتی ہیں' بس آج کا ناشتہ تو ثنا ہی بنائے گی آپ بیٹھی رہیں۔'' پھر فرزانہ ان کے نہ نہ کرنے کے باوجود ثنا کے ساتھ کچن میں چلی آئی تھی۔

''اسے کہتے ہیں کہ چپڑی اور دو دو' ایسا موقع تمہیں زندگی میں دوبارہ کبھی نہیں ملے گا۔ مجھے پتا ہے کہ تمہیں کچھ بنانا نہیں آتا مگر فکر نہ کرو' چیزیں میں تیار کروں گی پیش تم کرنا اپنے ٹریڈ مارک کے ساتھ۔'' فرزانہ نے آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

زہرہ خالہ فرزانہ کی امی کی کزن تھیں ان کا ایک ہی بیٹا تھا فاروق بہت اکھڑ قسم کا مگر نہ صرف شکل اچھی تھی اس کی بلکہ روپیہ بھی بہت تھا اس کے پاس سو فرزانہ کو ثنا کے مسائل کا حل یہی نظر آیا کہ وہ ثنا اور فاروق کا رومانس کرائے۔

اس بار آئیڈیا ایک دوسری رائٹر کے افسانے سے لیا گیا تھا۔ ثنا کو کھانے کے سوا اور کچھ آتا جاتا نہیں تھا مگر فرزانہ نے زہرہ خالہ کے سامنے اس کے سلیقے کے بارے میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔

پھر ایک شام وہ اسے ان سے ملانے بھی لے گئی زہرہ خالہ کو نہ صرف اس کی شکل وصورت پسند آئی تھی بلکہ طور اطوار بھی (جن کے بارے میں فرزانہ نے اسے خاص اور سخت تاکیدیں کی تھیں) زہرہ خالہ کو یہ شرماتی جھجکتی نظریں جھکائے رکھنے والی' شرمیلی ہنسی ہنسنے اور آہستہ آواز میں بولنے والی لڑکی بہت اچھی لگی پھر وہ فرزانہ کے ساتھ اکثر ان کے گھر جانے لگی۔ ایک دو بار اس کا سامنا فاروق سے بھی ہوا تھا۔ مگر وہ اس پر ایک نظر ڈالے بغیر چلا گیا تھا۔

جب زہرہ خالہ اس کے سلیقے کی اچھی طرح قائل ہو گئیں۔ (فرزانہ اپنی بنائی ہوئی ہر چیز کا نمونہ ثنا کے نام کے ٹیگ کے ساتھ انہیں پیش کرتی) تو ایک دن اسی رائٹر کے افسانے کے دوسرے مرحلے پر کام شروع ہوا۔

''دیکھو یہ بندہ بھی افسانے کے ہیرو کی طرح اپنے کمرے میں بہت کاٹھ کباڑ رکھتا ہے اور اس کی اماں کی تو جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس

کے کمرے کی کسی چیز کو ہاتھ بھی لگا لیں بالکل تمہاری پسندیدہ رائٹر کی طرح' اب تمہیں یہ کرنا ہے کہ اس کا کمرہ صاف کرنا ہے ایسے اچھے طریقے سے کوئی جمعدار بھی کیا کرتا ہوگا۔ یہ صفائی والا نسخہ بڑا آزمودہ ہے اس رائٹر کے علاوہ بھی کئی رائٹرز اسے استعمال کر چکی ہیں اور 99.99 فیصد یہ امکان ہے کہ ہیرو اور ہیروئن میں لو میرج ہو جائے گی۔

میں جانتی ہوں کہ تم نے کبھی اپنے کمرے کی صفائی بھی نہیں کی اور اگر فاروق تمہارا گندگی سے بھرپور کمرہ دیکھ لے تو اسے ویسے بھی تم سے عشق ہو جائے گا مگر چونکہ ابھی تک کسی افسانہ نگار نے ایسی کوئی لو اسٹوری نہیں لکھی جس میں ہیرو اور ہیروئن ایک دوسرے کے گندے کمرے دیکھ کر آپس میں محبت میں گرفتار ہوئے ہوں اس لئے ہمیں بھی یہ رسک نہیں لینا چاہئے اور وہی آئیڈیا استعمال کرنا چاہئے جو ہماری رائٹرز کرتی ہیں۔

اب تم یہ ذہن میں رکھنا کہ اس کمرہ کی صفائی تمہیں پوری جی جان سے ایمان کا آدھا نہیں پورا حصہ سمجھ کر کرنی ہے۔''

ایک دن پہلے اسے فرزانہ نے فون پر ہدایات دی تھیں اور آج جب وہ دونوں وہاں پہنچی تھیں تو انہیں ناشتہ بنانے کا موقع بھی مل گیا تھا۔

فرزانہ نے اپنی کوکنگ کی ساری صلاحیتیں آزما ڈالیں بہت زبردست قسم کا ناشتہ اس نے صرف ایک گھنٹہ میں بنا ڈالا۔

''بھئی زہرہ خالہ یہ ثنا تو بہت ہی ماہر ہے میں تو اسے ناشتہ تیار کرتے دیکھ کر حیران رہ گئی ہوں۔ کیا پھرتی ہے بھئی کیا سلیقہ ہے کم از کم یہ بات مجھ میں تو نہیں ہے۔''

ناشتہ تیار کرنے کے بعد فرزانہ نے کچن سے نکل کر لاؤنج میں آ کر کہا تھا۔

زہرہ خالہ اس کی بات پر مسکرائی تھیں۔

''وہ بچی تو شکل سے ہی سگھڑ اور سلیقہ مند لگتی ہے۔'' ابھی وہ دونوں اس کی مدح سرائی میں مصروف تھیں کہ اس نے لاؤنج میں ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگانا شروع کر دیا۔

''فرزانہ تم بھی مدد کرو نا اس کی۔'' زہرہ خالہ نے فرزانہ کو ہدایت کی تھی۔

''خالہ وہ کر لے گی' آپ کو تو پتا ہی ہے میرا دل نہیں لگتا یہ اٹھا اٹھا کر چیزیں لانے اور سجانے میں۔'' فرزانہ نے دانستہ طور پر سستی کا مظاہرہ کیا۔

''رہنے دیں خالہ میں کر لیتی ہوں' یہ تو بہت معمولی سا کام ہے۔'' ثنا نے دھیمے لہجے میں نظریں جھکاتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا غضب کی اداکاری کر رہی ہے چڑیل۔'' فرزانہ نے دل میں داد دی تھی۔ زہرہ خالہ اور متاثر ہوئی تھیں۔

''فاروق بھائی اٹھ گئے ہیں تو انہیں ناشتے پر بلا لیتے ہیں۔'' فرزانہ نے کہا تھا۔

''اٹھ تو گیا ہے یہ میوزک کی آواز نہیں آ رہی تم کو مگر یہاں ناشتہ کہاں کرے گا تم لوگوں کے ہوتے ہوئے۔''

''مگر میں بلا کر لاتی ہوں۔'' فرزانہ زہرہ خالہ کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی فاروق کے کمرے کی طرف چل پڑی تھی۔

''وہ ابھی آتے ہیں۔'' فرزانہ کچھ دیر بعد دوبارہ لاؤنج میں نمودار ہوئی تھی۔

''اچھا اگر وہ آ ہی رہا ہے تو پھر کچھ دیر انتظار کر لیتے ہیں کیوں ثنا؟'' زہرہ خالہ نے ثنا سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے خالہ جیسے آپ کہیں......!'' ثنا نے اپنی ایکٹنگ جاری رکھی تھی۔

اور پھر چند لمحوں کے بعد سفید شلوار قمیض میں ملبوس آفٹر شیو لوشن سے مہکتا ہوا فاروق لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ ثنا کو دیکھ کر وہ یک دم ٹھٹک گیا مگر پھر اس نے سینٹر ٹیبل پر اپنا بریف کیس رکھا اور خاموشی سے ناشتے کی میز پر براجمان ہو گیا۔

''آؤ بیٹا تم دونوں بھی آ جاؤ!'' زہرہ خالہ ان دونوں کو دعوت دیتی ہوئی خود بھی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔ ان کی بات پر فاروق کے چائے کا کپ کھینچتے ہوئے ہاتھ ٹھٹک گئے تھے اب اس نے ڈائننگ ٹیبل کو غور سے دیکھا تھا اور اتنے زیادہ برتنوں کا مقصد اس کے دماغ میں واضح ہوا تھا اس نے ان دونوں کو ڈائننگ ٹیبل پر قریب آ کر کرسی کھینچ کر بیٹھتے دیکھا اور پھر اس نے چائے کے کپ میں چائے انڈیلنا شروع کی۔

زہرہ خالہ نے باری باری مختلف چیزیں اٹھا کر اس کے سامنے رکھنا شروع کر دیں۔

''آج ناشتہ ثنا نے تیار کیا ہے۔ کیا لذت ہے اس کے ہاتھ میں یہ شاہی ٹکڑے کھا کر دیکھو۔''

زہرہ خالہ نے تعریفی پروگرام شروع کیا تھا اس نے ایک نظر اٹھا کر ثنا کو دیکھا پھر اپنے سامنے موجود شاہی ٹکڑوں کو پھر اس نے چائے کے کپ سے آخری دو گھونٹ لئے اور ٹیبل سے اٹھ گیا۔

''فاروق تم نے ناشتہ کیوں نہیں کیا اتنی جلدی اٹھ گئے۔''

زہرہ خالہ نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

''نہیں بس مجھے چائے ہی پینی تھی مجھے کہیں جانا ہے آج۔'' اس نے بریف کیس اٹھاتے ہوئے کہا پھر وہ مزید کچھ کہے بغیر لاؤنج سے نکل گیا۔ ثنا نے مایوسی سے فرزانہ کو دیکھا جس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دی تھی۔

''خالہ یہ فاروق بھائی کا کمرہ تو بہت ہی گندا ہے۔''

''ہاں بیٹا اب میں کیا کروں وہ تو کسی چیز کو ہاتھ ہی نہیں لگانے دیتا کئی کئی ہفتوں کے بعد ملازم سے صفائی کرواتا ہے وہ بھی خود سر پر کھڑا ہو کر۔''

''آپ فکر نہ کریں خالہ آج ہم دونوں مل کر ان کا کمرہ صاف کر دیں گے اور ایسا صاف کریں گے کہ وہ خوش ہو جائیں گے۔''

فرزانہ نے خالہ کو یقین دلایا تھا مگر خالہ پریشان ہو گئی تھیں۔

''نہیں بیٹا وہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کی اجازت کے بغیر کمرے میں جائے۔''

''خالہ کچھ نہیں ہوگا آپ تو فکر ہی نہ کریں صفائی کسے ناپسند ہوتی ہے اور فاروق بھائی کو بھی نہیں ہوگی۔'' خالہ فرزانہ کو مزید نہیں روک سکیں۔

ثنا نے فاروق کے کمرے میں داخل ہوتے ہی چیخ ماری تھی۔

''اتنا گندا فرزانہ اتنا گندا کمرہ میں تو مر جاؤں گی صاف کرتے کرتے۔'' وہ تقریباً رو دی تھی۔

''مگر صاف تو کرنا ہے تمہیں یہ سب 'لو میرج' کرنا چاہتی ہو یا نہیں اور ویسے افسانے کی ہیروئنیں کبھی یہ بات نہیں کہتیں جو تم کہہ رہی ہو۔''

فرزانہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''تم کہاں جا رہی ہو تم مدد نہیں کرو گی میری......؟''

''ہیروئن ہمیشہ ساری صفائی خود کرتی ہے ورنہ رومانس نہیں ہوگا سمجھیں۔'' فرزانہ دروازہ بند کر کے چلی گئی تھی۔

اس نے بے چارگی سے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی کمرے میں ہر طرف کارپٹ پر کچھ نہ کچھ پڑا تھا۔ کہیں کیسٹس کا ڈھیر ریکس کے علاوہ ہر جگہ تھا اور کہیں اخبار اور میگزین اپنا جلوہ دکھا رہے تھے اور جو جگہ ان سے بچ گئی تھی۔ وہ فائلوں اور کاغذات کے قبضہ میں تھی۔ دھول اور مٹی کی ایک دبیز تہہ ہر چیز پر موجود تھی اور اسے حیرت تھی کہ اگر یہ چیزیں استعمال ہوتی ہیں تو پھر ان پر مٹی کیسے موجود ہے۔

''کیسے کیسے گندے لوگ موجود ہیں اس دنیا میں۔'' اس نے دل میں سوچا تھا اور پھر کام پر جت گئی دو گھنٹے بعد وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تھی فرزانہ زہرہ خالہ کے پاس بیٹھی گپیں ہانک رہی تھی۔

''ہو گئی صفائی؟'' اسے دیکھتے ہی اس نے پوچھا تھا۔ زہرہ خالہ بہت شرمندہ تھیں۔

''تم نے خواہ مخواہ اتنی تکلیف اٹھائی اس کا کمرہ تو پھر گندہ ہو ہی جانا ہے۔''

''کوئی بات نہیں خالہ مجھے خوشی ہوتی ہے گھر کا کام کرنے پر۔'' بڑی میٹھی آواز میں اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

''ذرا ایک نظر میں بھی کمرے کو دیکھ لیتی ہوں۔'' فرزانہ پتا نہیں کیوں مشکوک تھی مگر کمرے کا دروازہ کھولتے ہی ایک آواز تحسین اس کے حلق سے برآمد ہوئی تھی۔

''بھئی تم نے تو کمال کر دیا یہ تو کچھ دیر پہلے والا کمرہ لگ ہی نہیں رہا پکی بات ہے ثنا اس بار تمہارا کام ہو جانا ہے وہ تمہارے سلیقے کا قائل ہو ہی جائے گا۔'' اور اس بار واقعی ان کی دعائیں اور محنت رنگ لائی تھیں۔ ایک ہفتے کے بعد فاروق کی منگنی فرزانہ سے ہو گئی تھی۔

❁

''دیکھا میں صحیح کہتی تھی نا کہ یہ دوست واقعی مار آستین ہوتے ہیں اب دیکھو اسے کتنی گھنی نکلی ہے، کتنی میسنی بن کر بیٹھی ہے ذرا خیال نہیں آیا اسے میرے حق پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے یہ جو میری لومیرج نہیں ہو پا رہی نا اس میں تم لوگوں کا ہی ہاتھ ہے تم لوگ میرے ہر منصوبے کو ناکام بنا دیتے ہو تم لوگ چاہتے ہی نہیں کہ میری بھی کوئی خواہش پوری ہو۔''

ثنا ایک گھنٹے سے دہائیاں دے رہی تھی اور فرزانہ شرمندہ سی سامنے بیٹھی اپنے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو گھما رہی تھی۔

''ارے کیا نہیں کیا اس بار میں نے کون سے پاپڑ نہیں بیلے جی توڑ کر محنت کر کے اس کا کمرہ صاف کیا ایک ماہ تک ان کے گھر جا جا کر ڈرامہ کرتی رہی اپنی آواز تک بند کر لی اپنی زبان پر قابو کر لیا مگر پھر بھی کیا فائدہ ہوا مجھے آخر میں یہ چڑیل اسے لے اڑی اور میں پھر وہیں کی وہیں ہوں۔''

اب معاملہ فرزانہ کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔

''میں کچھ دیر پہلے تک اس منگنی پر واقعی شرمندہ تھی مگر اب نہیں ہوں بار بار صفائی کی دہائی دے رہی ہو کیا صاف کیا تھا تم نے سارا کوڑا اکٹھا کر کے اس کے بیڈ کے نیچے جمع کر دیا جیسے اپنے کمرے میں کرتی ہو اس نے جو بے کار کاغذات فائلوں سے نکال کر ان کا ڈھیر لگایا ہوا تھا تم نے انہیں

پھر سے اس کے کام کے کاغذات کی فائلوں میں لگا دیا' بھری دوپہر میں تم نے اس کے ٹیرس پر رکھے ہوئے پودوں کو پانی دیا اور ایک بھی پودا ضائع ہونے سے نہیں بچا جو پودے اس نے اندر رکھے ہوئے تھے وہ اس نے باہر سے منگوائے ہوئے تھے اور انہیں ایک خاص حد سے زیادہ پانی نہیں دیا جاتا اور تم نے انہیں پانی سے بھر دیا ستیاناس مار دیا ان کا۔

اور تمہیں کس نے کہا تھا کہ ٹیرس پر رکھے ہوئے گملوں سے پھول توڑ کر گلدستے بنا بنا کر اس کے کمرے میں سجاؤ وہ غیر ملکی پودے تھے اور سال میں ان پر ایک بار پھول آتے ہیں اور تم نے چن چن کر انہیں توڑ کر کمرے میں سجا دیا۔

جوتوں پر پالش کرنے کو میں نے کہا تھا اور تم نے اس کے سفید جوگرز تک پر پالش پھیر دی کون احمق پھیرتا ہے جوگرز پر پالش' اخبارات اور میگزین اٹھا کر رکھنے کی بجائے تم نے ان میں سے تصویریں کاٹیں ہالی وڈ کے ایکٹرز کی' ستیاناس مار دیا تم نے ان میگزینز کا گندے کپڑے تم نے لپیٹ کر صاف کپڑوں کے ساتھ ہی الماریوں میں ٹھونس دیئے۔

اپنی حرکتوں پر شرم کرنے کی بجائے تم بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی ہو' اس دن جب وہ واپس آیا تھا اور اپنے کمرے میں جا کر اس نے تمہارے کارناموں کو دریافت کرنا شروع کیا تو ہنگامہ مچا دیا تھا' زہرہ خالہ نے مجھے اسی وقت گھر سے بلوایا اور رات آٹھ بجے تک میں روتی ہوئی اس کا کمرہ ٹھیک کرتی رہی تھی۔

کرسٹل کے جو ڈیکوریشن پیس تم نے توڑنے کے بعد کھڑکی میں چھپائے تھے وہ بھی میں نے برآمد کر لئے تھے اور میں تو اس وقت کو کوس رہی ہوں جب میں نے اس منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا تھا' جتنی شرمندگی مجھے زہرہ خالہ اور فاروق کے سامنے اٹھانی پڑی وہ تو میں ہی جانتی ہوں اور جو جھاڑیں مجھے اپنے گھر والوں سے کھانی پڑیں اس کی تو بات ہی کیا اور تم پھر بھی بڑی مظلوم بن رہی ہو۔"

اس کی دوستوں کی ہمدردیاں یک دم فرزانہ کے ساتھ ہو گئی تھیں اب ثنا شرمندہ سی بیٹھی تھی۔

"میں بتا رہی ہوں تمہیں کام چوروں کی لو میرج کبھی نہیں ہوتی کام چوری اور لو میرج دو متضاد چیزیں ہیں اور ویسے بھی تمہاری لو میرج ہو ہی نہیں سکتی کون سا حربہ استعمال نہیں کیا تم نے ہر رائٹر کا آئیڈیا استعمال کر لیا ہے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا تمہیں' نہ تمہارا کوئی کزن اس قابل ہے کہ اسے قربانی کا بکرا بنایا جا سکے لوگوں کے گھر جا جا کر تم بری طرح خوار ہوئیں محلے میں عزت کی وجہ سے وہاں کوئی رومانس کا امکان نہیں۔

تمہارے ابا نے دوسری شادی نہیں کی کہ وہیں سے کوئی اضافی رشتہ دار برآمد ہو جائے' ٹیلی فون پر رومانس کا حشر تم نے دیکھ لیا' نالائق تم اتنی ہو کہ کہیں کوئی نوکری بھی تمہیں نہیں مل سکتی کہ وہیں رومانس کا کوئی چانس ہوتا اپنے کالج میں کو ایجوکیشن بھی نہیں کہ وہیں سے تمہیں کوئی سہارا مل جاتا اور تمہیں تو آج تک کسی لڑکے نے چھیڑا بھی نہیں کیسی قسمت دی ہے تمہیں اللہ نے اور جو آئیڈیا ہمیشہ کامیاب رہتا ہے اسے تم نے اپنی ہڈحرامی اور کام چوری سے گنوا دیا۔

پتہ ہے فاروق نے میری صفائی دیکھ کر اپنی ماں سے میرے ساتھ شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔"

فرزانہ کے آخری جملے پر ثنا نے بھاں بھاں کر کے رونا شروع کر دیا۔

''بھائی تمہارے چھوٹے ہیں کہ انہیں کا کوئی بے چارہ دوست کام آ جاتا تمہیں تو بھائیوں کا بھی کوئی فائدہ نہیں اور ہمارے بھائیوں کا تو تمہیں پہلے ہی پتا ہے اس لئے بہتر ہے کہ تم یہ لو میرج کا چکر چھوڑ دو اور ویسے بھی جس طرح کی تمہاری حرکتیں ہیں تمہاری تو ارینج میرج بھی ہو جائے تو تم اس پر بھی شکر ادا کرنا۔''

ثنا کی بھاں بھاں میں اور اضافہ ہو گیا تھا فرزانہ آج واقعی صاف گوئی کا مظاہرہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

''ہاں صحیح کہہ رہی ہے فرزانہ تم یہ گھٹیا قسم کے شوق پالنے سے باز آ جاؤ۔ اتنی کوشش کافی تھی اب کام نہیں بنا تو بس چھوڑ دو اسے اور کوئی ڈھنگ کے کام سیکھو اور یہ بھاں بھاں بند کرواپنی یہ کوئی شالامار باغ نہیں ہے کہ تمہاری بھاں بھاں سن کر کوئی شہزادہ سلیم آ جائے گا یہ کالج کالان ہے یہاں اگر کوئی آیا بھی تو وہ پچپن سالہ مالی ہو گا جو ہمیشہ ہمیں اور خاص طور پر تمہیں یہاں سے اٹھانے آتا ہے کیونکہ تم جہاں بیٹھتی ہو وہاں کی گھاس چن چن کر توڑ دیتی ہو سمجھیں' بند کرواب اپنا یہ منہ۔''

شازیہ نے اس بار اسے ڈانٹا تھا۔

* * *

بہت دن وہ اداس پھرتی رہی تھی کوئی کام نہیں کر سکتی تھی ورنہ شاید خود ہی دوبارہ کوئی کوشش کرتی کام چوری کے نقائص کا اسے پہلی بار احساس ہوا تھا لیکن صرف احساس ہی ہوا تھا اس نے عملی طور پر اپنی کام چوری ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی سارا دن خیالی پلاؤ پکا پکا کر وہ خود کو مصروف رکھتی خیر مصروف رکھنے کے کچھ اور طریقے بھی وہ استعمال کیا کرتی تھی جن میں سب سے پسندیدہ بھائیوں کی پٹائی تھی۔

پھر انہیں دنوں میں اس کے لئے ایک رشتہ آیا تھا امی نے اس سے ذکر کیا تھا اور اس نے خاموشی سے ہامی بھر لی تھی جب لو میرج نہیں تو پھر ارینج میرج کہیں بھی ہو جائے اسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس کے والدین نے ہاں کر دی تھی کیونکہ رشتہ ہی اتنا اچھا تھا کہ انہوں نے غور و خوض میں بھی زیادہ وقت نہیں لیا اس کے بھائیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی اب وہ بڑے اطمینان اور سکون سے اس سے پٹتے تھے۔

''بس ذرا صبر کرو کہ مار کے دن تھوڑے ہیں۔'' عاصم ہر دفعہ پٹنے کے بعد گنگناتا پھرتا۔

ثنا کے سارے خواب بکھر چکے تھے گھر میں اس کی منگنی کی تیاری ہو رہی تھی اور اس نے لڑکے کے بارے میں جاننے میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی نہ ہی اسے اس کی تصویر دیکھنے کا اشتیاق ہوا تھا اسے بار بار اس لڑکے کا خیال آتا جو اسے فون کیا کرتا تھا اور جتنی بددعائیں اسے یاد تھیں وہ اسے دے چکی تھی اسے تو فون کی شکل سے بھی نفرت ہو گئی تھی۔

''کیا فائدہ ہوا فون لگوانے کا ایک وہ افسانہ نگار کی ہیروئن ہے ہمیشہ فون پر ہی رومانس کر کے لو میرج کرتی ہے اور ایک یہ ہمارا کم بخت فون ہے فائدہ کوئی ہوا نہیں ہاں بل آ جاتا ہے کم بخت ہر مہینے۔''

وہ جل کر ایسے سوچتی جیسے فون کی ایجاد اسی مقصد کے لئے کی گئی تھی اور جیسے PTCL نے پاکستان میں فون کی تنصیب کا کام اس اعلیٰ و ارفع مقصد کے لئے کیا تھا۔

''باجی آپ کا فون ہے۔'' اس شام عاصم نے اسے پکار کر کہا تھا اس نے سوچا کہ کسی دوست کا فون ہوگا کیونکہ آج کل اس کی فرینڈز بار بار اسے فون کیا کرتی تھیں۔

''ہیلو کیا حال ہے آپ کا؟'' وہ فون پر ابھرنے والی آواز کو سن کر ساکت ہوگئی تھی پہچاننے میں تاخیر نہیں ہوئی اس سے۔

''کیوں بھئی خاموش کیوں ہیں ایسے اچنبھے کا کام تو نہ کیا کریں۔'' اس کی چہکتی ہوئی آواز پر اس کا خون ابلنے لگا۔

''بیڑا غرق ہو تمہارا' ساری دنیا کی لعنت ہو تم پر' کہاں مر گئے تھے زمین نگل گئی تھی یا آسمان کھا گیا تھا تمہیں ذلیل کمینے۔''

''دل کو تسلی ہوئی کہ آپ وہی ہیں جنہیں ہم نے دل میں بسایا تھا کچھ اور کہنا ہو تو وہ بھی کہیے تا کہ کوئی حسرت نہ رہے آپ کے دل میں۔'' دوسری طرف سے وہی اطمینان برقرار تھا۔

''سنو تم اب مجھے کبھی فون مت کرنا میری منگنی ہو رہی ہے اب تم سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

''واہ بھئی کیا بات ہے آپ نے تو کارنامہ کر دیا' مبارک ہو بھئی بہت بہت منگنی کی کوئی مٹھائی وٹھائی کھلائیں۔'' ادھر صدمے کی کوئی کیفیت نہیں تھی ثنا کو مزید صدمہ ہوا۔

''تمہیں تو میں جوتے کھلاؤں گی اور وہ بھی درجنوں کے حساب سے ایک بار نظر تو آؤ تم۔''

''نظر بھی آئیں گے بھئی نظر بھی آئیں گے ایسی بھی کیا جلدی ہے مگر آپ کے پاس کوئی اچھی ڈش نہیں ہے کبھی آپ جوتے کھلاتی ہیں کبھی گولیاں کوئی Change لائیں دنیا میں اور بھی اچھی چیزیں ہوتی ہیں کھانے پینے کے لئے اور مجھے تو ویسے بھی کوئی تجربہ نہیں ہے ان چیزوں کا۔'' وہ اس کی بات پر کچھ حیران ہوئی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا میں نے کب تمہیں گولیاں کھلانے کی بات کی۔''

''ارے یاد نہیں آپ کو' آپ نے کہا نہیں تھا کہ آپ مجھے گولی مار دیں گی کتے کو مارنے کی بجائے۔''

اس کے ہاتھ سے ٹیلی فون چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا اسے یاد آیا کہ اسے پہلی دفعہ اس کی آواز مانوس کیوں لگی تھی یک دم وہ بے حد گھبرا گئی تھی۔

''چچ چچ بھئی آواز کیوں بند ہوگئی کچھ کہیے جناب اپنی درخشاں روایات کے مطابق۔'' بمشکل اس کے منہ سے آواز نکلی تھی۔

''یہ تم ہو۔''

''بالکل جناب یہ میں ہوں آپ کا خادم آپ کا غلام۔'' وہ شوخ ہو رہا تھا۔

''تم نے میرا فون نمبر کیسے لیا۔''

''آپ خود ہی دے گئی تھیں یاد ہے آپ کو آپ کا بیگ گرا تھا میرے پورچ میں تب اس میں سے آپ کا کالج ID کارڈ گر گیا تھا۔ اس وقت تو مجھے نظر نہیں آیا مگر آپ کے جانے کے بعد مجھے نظر آیا تھا لیکن مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ ثنا آپ ہیں یا وہ دوسری لڑکی کیونکہ ID کارڈ پر تصویر نہیں تھی۔ خیر میں نے کارڈ پر لکھے ہوئے نمبر کو ٹرائی کرنے کی کوشش کی چند دن تو فون آپ کی امی اٹھاتی رہیں اور میں فون بند کر دیتا مگر ایک دن آپ نے

فون اٹھا ہی لیا اور میں نے آپ کی آواز پہچان لی تھی اس معاملے میں میرا ٹریک ریکارڈ آپ سے بہتر ہے۔

آپ نے میری آواز نہیں پہچانی مگر مجھے رومانس کرنے کا شرف عطا فرما دیا جوں جوں آپ سے گفتگو کرتا رہا آپ کے عشق میں مزید گرفتار ہوتا گیا آپ کی بے وقوفی کا فین ہوں میں مجھے لگتا تھا کہ دنیا میں ایک میں ہی اکیلا بے وقوف ہوں مگر آپ سے مل کر اور پھر بعد میں باتیں کر کے اور آپ کے بارے میں مزید جان کر معلوم ہوا کہ اس بھری دنیا میں میں تنہا نہیں ہوں اور بھی دنیا میں ہیں بے وقوف بہت اچھے۔

پھر آپ کو دیکھنے آپ کے کالج بھی جاتا رہا فون پر باتیں کرنے سے مجھے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ آپ لو میرج کے شوق میں گرفتار ہیں مگر آپ اس کے لئے کیا کیا حربے استعمال کر رہی ہیں اس کا اندازہ مجھے تب ہوا تھا جب آپ نے میرے دوست کے کمرے کی صفائی کرنے کی بجائے صفایا کرنے کی کوشش کی' حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے بھئی فاروق میرا دوست ہے پہلے مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ نے اس کے گھر آنا جانا شروع کیا ہے میں تو ان دنوں اچانک امریکہ چلا گیا تھا آپ کو بتانے کے لئے کئی بار فون کیا مگر آپ سے بات نہیں ہو پائی کیونکہ فون یا تو آپ کی امی اٹھاتی تھیں یا آپ کے ابا سو آپ کو بتائے بغیر ہی باہر جانا پڑا جب واپس آیا تو فاروق نے اپنی منگنی کا قصہ آپ کے سلیقہ کے ساتھ سنایا تھا۔

آپ کا نام سن کر میں چونکا تھا مگر ثنا تو اور بھی ہو سکتی تھی حالانکہ دل پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ ثنا تو اور بھی ہو سکتی ہیں مگر بے وقوف ایک ہی ہے پھر جب اس نے اپنی منگیتر کی تصویر دکھائی تو میرا شک یقین میں بدل گیا تھا کیونکہ فرزانہ بھی انہیں لڑکیوں میں شامل تھی جو آپ کے ساتھ اس دن کتے اور انسانوں کی ریس میں شامل تھیں۔

میں نے سوچ لیا کہ اب معاملہ حد سے بڑھتا جا رہا ہے' آپ کی لو میرج کا شوق پورا کرنا ہی پڑے گا ورنہ آپ زمانے پر پتا نہیں کیا کیا ستم توڑیں۔"

اس کی باتوں سے ثنا پر گھڑوں پانی پڑتا جا رہا تھا اور وہ بولتا جا رہا تھا۔

"تو پھر میں نے اپنی اماں اور بہن سے کہا کہ وہ اس ایڈریس پر رشتہ لے کر جائیں اس کے لئے کیا پاپڑ بیلنا پڑے وہ ایک الگ کہانی ہے جو آپ کو شادی کے بعد خود آپ کی ساس سنا دیں گی۔"

اب وہ سکتے کے عالم میں تھی۔

"مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں آپ کے والدین کوئی گڑبڑ نہ کر دیں مگر وہ تو آپ سے اس قدر تنگ بیٹھے تھے کہ انہوں نے ہاں کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی ہاں آپ کے بھائی نمبر ایک میں عظیم انسان بننے کی پوری صلاحیتیں موجود ہیں اس نے میری بہن کو ہاں کئے جانے پر آپ کے حالات زندگی اور اعمال زندگی بتانے کے ساتھ کہا تھا کہ "ابھی بھی وقت ہے سوچ لیں آپ اچھے لوگ ہیں پھر نہ کہیے گا کہ ہمیں لڑکی کے بارے میں کچھ بتایا نہیں۔"

مجھے فخر ہوا تھا آپ کے بھائی پر اور میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ میں آپ سے شادی کر کے اسے آپ کے ظلم و ستم سے ضرور نجات دلواؤں گا یہ اس عظیم انسان کے لئے میرا حقیر سا نذرانہ ہو گا۔

اب تو آپ کو پتا چل ہی گیا ہو گا کہ میں آپ کا ہونے والا منگیتر اور آپ کے بھائیوں کے لئے مسیحا ہوں اور آپ اپنے ہونے والے منگیتر

کا نام تو جانتی ہی ہوں گی اپنا نام میں آپ کو بتا دیتا ہوں میرا نام سعدی ہے لیکن شیخ سعدی کے قبیلے سے میری کوئی نسبت نہیں ہے اور نہ ہی ہونے کا امکان ہے کیونکہ آپ سے شادی کے بعد تو دانائی والی کسی بات کی توقع کی ہی نہیں جاسکتی مجھ سے۔''

''بہت خبیث انسان ہو تم اور سیدھے دوزخ میں جاؤ گے۔'' ایک لمبے وقفے کے بعد وہ بولی تھی مگر اب اسے غصہ نہیں آ رہا تھا بلکہ وہ شدید قسم کی شرمندگی کے احساس سے دوچار تھی۔

''خیر تم سے شادی اتنا بڑا گناہ بھی نہیں ہے کہ مجھے اس کے لئے دوزخ میں جانا پڑے ویسے آپس کی بات ہے اعمال میرے جیسے ہیں ان کی بنیاد پر اللہ نے مجھے ویسے بھی وہیں بھیجنا تھا تمہاری طرح۔'' وہ سیدھا آپ سے تم پر آ گیا تھا۔

''صرف تم نہیں تمہارے دوست بھی بڑے کمینے ہیں کرسٹل کے دو پیس ٹوٹ گئے میگزینز سے چند تصویریں کاٹ لیں کچھ پودے خراب ہو گئے تو کیا ہوا ایسا کیا کیا تھا میں نے جس پر اتنا ہنگامہ برپا کر دیا کیا صفائی کرتے ہوئے نقصان نہیں ہوجاتا۔''

''ہاں واقعی اتنا تو نقصان ہو ہی جاتا ہے ویسے مجھے لگتا ہے کہ مجھے تمہاری صفائی کی انشورنس کروانی پڑے گی۔''

''تم خواہ مخواہ میرا مذاق اڑانے کی کوشش نہ کرو ہر بندے کو ہر کام نہیں آتا۔''

''مگر یہاں مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں تو کوئی بھی کام نہیں آتا اور جو آتے ہیں وہ کرنے کے کام نہیں ہیں جیسے یہ لو میرج کا کام۔'' ثنا کو اس کی بات پر بے حد شرم محسوس ہوئی تھی اس نے جھوٹ بولنا ضروری سمجھا۔

''خواہ مخواہ غلط فہمی ہے تمہیں، مجھے اس قسم کا کوئی گھٹیا شوق نہیں ہے۔''

''یار اب اتنا بھی جھوٹ نہ بولو فرزانہ سے کافی تفصیلی گفتگو ہوئی میری تمہاری سرگرمیوں کے بارے میں اور تمہاری کوششوں کے بارے میں اور یہ جان کر تو صدمے سے مجھے ہارٹ اٹیک ہوتے ہوتے رہ گیا تھا کہ تم میرے گھر رومانس کرنے کے لئے آئی تھیں اور میری قسمت دیکھو کہ ایک کتے کی وجہ سے یہ نادر موقع میرے ہاتھ سے نکل گیا۔''

ثنا کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے فرزانہ نے اسے کسی بھی صفائی کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

''بھئی اگر تم چپ رہ کر شرمندہ ہو رہی ہو تو یہ کام نہ کرو، بہت مشکل کام ہے یہ، تم صرف وہی کام کیا کرو جو تم کر سکتی ہو، شام کو میری بہن تمہیں لینے آئے گی منگنی کی انگوٹھی پسند کروانے کے لئے، تم ان کے ساتھ ضرور آنا۔''

''مجھے نہیں آنا میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں۔'' ثنا نے فوراً انکار کر دیا۔

''اے بلند کردار، باحیا، عفت مآب مشرقی دوشیزہ مجھے واقعی یقین آ گیا ہے کہ تم بہت ہی عظیم ہو اور جو کچھ میں نے تمہارے بارے میں سنا اور کہا ہے وہ واقعی غلط فہمیوں اور افواہوں پر مبنی ہے جو تمہارے حاسدین نے پھیلائی ہیں اس لئے کل شام کو آپ اپنے جلوہ کی تابانیوں سے اپنے اس حقیر غلام کو ضرور نوازیئے گا۔ تاکہ اسے یقین آ جائے کہ اس کی منگنی اسی خاتون سے ہو رہی ہے جس کی عظمت کی ایک دنیا معترف ہے۔''

اس بار وہ کھلکھلائی تھی۔

''میں سوچوں گی۔''

''آج تک کبھی یہ کام کیا ہے۔''

''نہیں مگر کل شام ضرور کروں گی۔''

''خداحافظ اپنے عظیم بھائی کو میرا اسلام پہنچا دینا۔''

سعدی نے شرارت بھرے انداز میں کہہ کرفون بند کر دیا۔

''ہاں ضرور سلام ہی نہیں اور بھی بہت کچھ پہنچاؤں گی میں اس آستین کے سانپ کو۔'' وہ بڑبڑائی تھی۔

بیڈ کے نیچے سے اس نے جوتے اور بیٹ نکال لیا تھا۔

''اور میری فرینڈز کہتی ہیں کہ میری قسمت میں لومیرج نہیں ہے۔'' اس نے اپنی آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

''اوئے عاصم اندر آ ذرا۔'' اس نے وہیں سے چلا کر کہا تھا لاؤنج سے عاصم کے قدموں کی آواز کے ساتھ اس کی گنگناہٹ قریب آتی جا رہی تھی۔

''بس ذرا صبر کہ مار کے دن تھوڑے ہیں۔''

وہ بیٹ تھام کر دروازہ کھولتی ہوئی مسکرائی تھی۔